خطبات

سیرتِ طیبہ ﷺ

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک
سیرت پر مستند بیانات کا مجموعہ

از:

محمد سلمان منصورپوری

خادم فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

مرکز العلمی للنشر والتحقیق

لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ.

[التوبة: ١٢٨]

ترجمہ:

تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول تشریف لائے ہیں،
ان پر تمہاری تکلیف بھاری ہے، اور وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں،
اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبات

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

○ نام کتاب : خطباتِ سیرتِ طیبہ

○ بیانات : محمد سلمان منصور پوری

○ ناشر : المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد

09412635154 - 09058602750

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ اشاعتِ اول : ربیع الاول ۱۴۳۲ھ، فروری ۲۰۱۱ء

○ اشاعتِ دوم : ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ، مارچ ۲۰۱۱ء

○ صفحات : ۲۴۰

تقسیم کار:

○ فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمٹیڈ دریا گنج دہلی

ملنے کے پتے:

○ مکتبہ صدیق لال باغ مرادآباد

○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

خدارا! مجھے قیامت میں رسوا مت کرنا

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جو خطاب فرمایا، اس کے اخیر میں یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے الفاظ بھی تھے:

أَلَا وَإِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَأُكَاثِرُ بِكُمُ الْأُمَمَ فَلَا تُسَوِّدُوْا وَجْهِي، أَلَا وَإِنِّي مُسْتَنْقِذٌ أُنَاسًا وَمُسْتَنْقَذٌ مِنِّي أُنَاسٌ فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ أُصَيْحَابِي فَيَقُوْلُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ.

(سنن ابن ماجة ۲۱۹، كتاب المناسك حديث: ۳۰۵۷)

ترجمہ: خبردار رہو! میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا اور تمہارے ذریعہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا؛ اس لئے تم (بدعملی کر کے) میرا چہرہ سیاہ مت کرنا (یعنی مجھے رسوا مت کرنا) کان کھول کر سن لو! کہ حوض کوثر پر میں کچھ لوگوں کو چھاٹوں گا اور کچھ لوگ مجھ سے الگ کئے جائیں گے، تو میں کہوں گا کہ اے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام کئے ہیں۔ (یعنی بدعات اور بدعملی میں مبتلا رہے؛ اس لئے یہ جام کوثر پینے کے لائق نہیں)

بسم الله الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

یہ ذرۂ بے مقدار عرض گذار ہے کہ عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ محسنِ انسانیت فخر دو عالم، سرور کائنات، سید الاولین والآخرین، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت سے متعلق بالترتیب کچھ مضامین مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی جائے، مگر طبعی تساہل اور لیت ولعل کی پختہ عادت برابر اس آرزو کی تکمیل میں حارج بنی رہی۔

مگر اللہ کی شانِ رحمت کہ گذشتہ سال مرادآباد میں نوتعمیر شدہ شان دار اور پر رونق ''مسجدِ ابراہیمی محلہ کسرول حظیرہ'' میں یکم تا ۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ ''خطباتِ سیرت پروگرام'' میں احقر کو روزانہ ایک گھنٹہ مرتب طور پر سیرتِ طیبہ کے عنوان پر بیان کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ہر دن کے بیان کے لئے احقر سیرت کی مختلف جدید وقدیم کتابوں کا مطالعہ کر کے مختصر نوٹ تیار کرتا تھا اور انہی کی روشنی میں معروضات پیش کی جاتی تھیں۔

پروگرام کے بعد عزیز مکرم مولوی محمد اسجد صاحب قاسمی مظفرنگری سلمہ - جو علمی تحریری کاموں میں احقر کے بڑے معاون ہیں - نے ذاتی دلچسپی سے بڑی تندہی کے ساتھ کمپیوٹر میں ٹیپ کی مدد سے سارے بیانات ٹائپ کر دئے۔ ارادہ تھا کہ ان بیانات پر نظر ثانی، اضافہ اور حوالہ جات کا کام کر کے اسے قابلِ اشاعت بنایا جائے گا؛ لیکن آج کل میں پورا سال گذر گیا اور اس مسودہ کو اٹھا کر دیکھنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔

تا آں کہ ''خطباتِ سیرت پروگرام'' ۱۴۳۲ھ کی تاریخیں بالکل قریب آ گئیں، تو مسودہ نکالا گیا، اور دن رات ایک کر کے ممکنہ حد تک تصحیح اور حوالہ جات لگانے کا اہتمام کیا گیا، اور اس کام میں عزیزم مولوی مفتی عبدالحق رسول پوری زید علمہ، اور عزیزم مولوی سید ابوبکر صدیق منصور پوری سلمہ نے کافی تعاون کیا، جن کی محنت سے یہ عجالۂ نافعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اس مجموعہ کے بارے میں درج ذیل وضاحتیں پیش نظر رکھنا ضروری ہیں:

الف: یہ باقاعدہ تالیف نہیں ہے؛ بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، اس لئے اس میں خطابی اسلوب زیادہ نظر آئے گا۔

ب: چوں کہ روزانہ بیان کا وقت محدود تھا، اس لئے سیرت کے تمام واقعات کا احاطہ ممکن نہ تھا، بریں بنا صرف ضروری اور مشہور باتوں کو ہی عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ج: عین امکان ہے کہ کچھ اہم باتیں چھوٹ گئی ہوں یا بعض جگہوں پر قارئین مضامین میں تشنگی محسوس کریں، تو اس کی وجہ بھی وقت کی تحدید رہی۔

د: چوں کہ بیان کے مخاطب اکثر عوام تھے، اس لئے علمی اور دقیق بحثوں سے قصداً اعراض کیا گیا ہے۔

ہ: بیان سے پہلے جن کتابوں کو مطالعہ میں رکھا گیا تھا، حوالہ جات درج کرتے وقت صرف انہی پر اکتفا نہیں کیا گیا؛ بلکہ دیگر کتب کے حوالے بھی شامل کئے گئے ہیں؛ تاہم عجلت کی وجہ سے ہر جزو پر حوالہ درج نہیں کیا جاسکا۔

و: واقعات کے ضمن میں ارشاد و ہدایت اور فوائد و معارف کی طرف ہلکے انداز میں رہنمائی کردی گئی ہے؛ تاکہ قارئین کی ذہن سازی میں سہولت ہو۔

بہر حال اب یہ حقیر سی کاوش سعادت سمجھتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت، حضرات اساتذۂ کرام کی توجہاتِ عالیہ اور حضراتِ والدین ماجدین کی سحر گاہی دعاؤں ہی کا ثمرہ ہے کہ احقر اس خدمت کے لائق ہوا، ورنہ تو احقر تو کل بھی نکما تھا اور آج بھی نکما ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ مطالعہ کے دوران اگر کوئی لفظی یا معنوی غلطی نظر آئے، تو ضرور مطلع فرمائیں، احقر مشکور ہوگا۔

جناب الحاج محمد نسیم صدیقی صاحب متولی ''مسجدِ ابراہیمی'' کسرول، جو ایک دردمند، علم دوست اور صاحبِ خیر شخص ہیں، بہت شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کی خاص توجہ سے مسجد ابراہیمی میں ہر سال ''خطباتِ سیرت پروگرام'' منعقد ہوتے ہیں، اور عوام وخواص علماء کرام کی زبانی سیرتِ طیبہ سے آگاہ ہوتے ہیں، اور اس وقت یہی پروگرام ان خطبات کی اشاعت کا سبب بن گئے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اسی طرح رفیق مکرم جناب مولانا معز الدین احمد قاسمی ناظم امارت شرعیہ ہند دہلی اور جناب الحاج محمد ناصر صاحب مالک فرید بک ڈپو دہلی کا بھی احقر مشکور ہے کہ انہوں نے طباعت کے مراحل بہت جلد طے کرنے میں تعاون فرمایا، **فجزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء**۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائیں، اور آخرت میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت و رفاقت کا ذریعہ بنادیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم الفقہ والحدیث النبوی الشریف

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

۱/۳/۱۴۳۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

پیش لفظ ---------- ۶

(۱) خاندانی پسِ منظر

تمہید ---------- ۱۸
انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ---------- ۱۹
فرشتہ کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا؟ ---------- ۲۰
ہماری حالت ---------- ۲۱
مکہ معظّمہ کے حالات ---------- ۲۳
مکہ معظّمہ میں اسماعیل علیہ السلام کا قیام ---------- ۲۵
زم زم کے چشمہ کا جاری ہونا ---------- ۲۶
قبیلۂ بنو جرہم کیسے آیا؟ ---------- ۲۷
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پہلی شادی ---------- ۲۷
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی ---------- ۲۸
ذبیح اللہ لقب کیوں پڑا؟ ---------- ۲۸
بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ---------- ۲۹
دعائے ابراہیمی ---------- ۲۹
دستورِ الٰہی ---------- ۳۰
آپ کا سلسلۂ نسب ---------- ۳۱
قریش کی وجہِ تسمیہ ---------- ۳۱
ہاشم ابن عبد مناف ---------- ۳۲

آپ کے دادا عبدالمطلب کا اصل نام ---------- ۳۲
چاہِ زم زم کے بارے میں خواجہ عبدالمطلب کا خواب ---------- ۳۳
والد ماجد کی قربانی کی نذر ---------- ۳۴
تمام انبیاء علیہم السلام کا سلسلۂ نسب حرام سے پاک رہا ---------- ۳۵
حضرت آمنہ ---------- ۳۵
حضور کی پیدائش کے وقت کا حال ---------- ۳۶
پیدائش کی تاریخ ---------- ۳۶
خواجہ عبدالمطلب کی نگاہ میں آپ کا مقام ومرتبہ ---------- ۳۷
خلاصۂ کلام ---------- ۳۸

(۲) شاندار بچپن، پاکیزہ جوانی

درِ یتیم ---------- ۴۰
آپ نے کس کس کا دودھ پیا؟ ---------- ۴۱
قبیلۂ بنو سعد میں رضاعت ---------- ۴۱
حضرت حلیمہ سعدیہ ---------- ۴۲
آپ کی برکتوں کا ظہور ---------- ۴۲
بکریوں کا پیٹ بھر واپس آنا ---------- ۴۳
بچپن میں عدل وانصاف کا حال ---------- ۴۳
حلیمہ سعدیہ کے گھر آپ کی دوبارہ واپسی ---------- ۴۴
واقعۂ شقِ صدر ---------- ۴۴
دوسری اور تیسری مرتبہ شقِ صدر ---------- ۴۵
والدہ ماجدہ کا انتقال ---------- ۴۶
خواجہ عبدالمطلب کی کفالت اور ان کا انتقال ---------- ۴۶
چچا کی کفالت اور ملک شام کی جانب پہلا سفرِ تجارت ---------- ۴۶

بحیرہ راہب سے ملاقات ---------- ۴۷
حرب الفجار میں آپ کا کردار ---------- ۴۸
حلف الفضول ---------- ۴۸
حلف الفضول کہنے کی وجہ ---------- ۴۸
آپ کا ملک شام کی جانب دوسرا تجارتی سفر ---------- ۴۹
نسطورا راہب سے ملاقات ---------- ۵۰
حضرت خدیجہ کا پیغام نکاح ---------- ۵۰
پیغمبر علیہ السلام کی ازدواجی زندگی پر ایک نظر ---------- ۵۱
پیغمبر علیہ السلام کے تعدد ازدواج کی بحث ---------- ۵۱
متعدد نکاح فرمانے کی ایک اور حکمت ---------- ۵۳
بیت اللہ شریف کی تعمیرِ نو ---------- ۵۴
حجر اسود کے تنصب میں آپ ﷺ کا حکیمانہ فیصلہ ---------- ۵۵
گانے کی آواز سے نیند کا طاری ہو جانا ---------- ۵۶
ستر کھلنے سے آپ کا بے ہوش ہو جانا ---------- ۵۶
قابلِ تقلید زندگی ---------- ۵۷

(۳) وحی کی ابتداء، دعوت کا آغاز

بعثتِ مبارکہ ---------- ۶۰
زید بن عمرو بن نفیل کی ایک راہب سے ملاقات ---------- ۶۲
آپ کا غار حراء میں جانا ---------- ۶۲
غار حراء کو منتخب فرمانے کی وجہ ---------- ۶۳
وحی کا آغاز ---------- ۶۳
جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو بھینچنا ---------- ۶۴
نبی اور عام انسانوں میں فرق ---------- ۶۵

قابلِ توجہ بات ---------- ۶۶
حضرت خدیجہ کا آپ کو اطمینان دلانا ---------- ۶۶
ورقہ بن نوفل کی خدمت میں ---------- ۶۷
ورقہ بن نوفل کی باتوں پر حیرت کرنا ---------- ۶۷
وحی کا سلسلہ ٹوٹ جانا ---------- ۶۸
حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دوبارہ حاضری ---------- ۶۸
چپکے چپکے اسلام کی دعوت ---------- ۶۹
حضرت خدیجہ کا اسلام ---------- ۶۹
ورقہ بن نوفل اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسلام ---------- ۷۰
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- ۷۰
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- ۷۱
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اسلام ---------- ۷۲
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- ۷۲
قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم ---------- ۷۳
دوبارہ کھانے کی دعوت ---------- ۷۴
صفا پہاڑی پر تمام لوگوں کا اقرار ---------- ۷۴
ابولہب نے واک آؤٹ کیا ---------- ۷۵
آپ کی مخالفتیں ---------- ۷۶
آپ کی پیٹھ پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیا ---------- ۷۶
آپ کا بددعا کرنا ---------- ۷۷
اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون ---------- ۷۷
حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیہ بن خلف کا عمل ---------- ۷۷

ایک اہم سوال ---------- ۷۸
آپ کا حاجیوں کے خیمہ میں تشریف لے جانا ---------- ۷۹

(۴) معجزاتِ نبویؐ

معجزات کی ضرورت کیوں؟ ---------- ۸۲
ایک مثالی واقعہ ---------- ۸۳
اعجاز قرآنِ کریم ---------- ۸۷
قرآنِ کریم کا بے باکانہ انداز ---------- ۸۸
ولید بن المغیرہ کی بکواس ---------- ۸۹
ابوجہل وغیرہ کا چھپ کر قرآنِ کریم سننا ---------- ۹۱
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام ---------- ۹۲
چند وجوہ اعجازِ قرآن ---------- ۹۳
قرآنِ مقدس؛ وجود اسلام کی ضمانت ---------- ۹۶
معجزۂ شق القمر ---------- ۹۶
پتھر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا ---------- ۹۸
کنکریوں کا تسبیح پڑھنا ---------- ۹۸
درخت کی ٹہنی کا حکم کی تعمیل کرنا ---------- ۹۸
اونٹ کا سجدہ کرنا ---------- ۹۹
اندھیری رات میں عصا روشن ہونا ---------- ۱۰۰
کھجور کے بے جان تنے کا بلک بلک کر رونا ---------- ۱۰۱

(۵) مکی زندگی کے اہم واقعات

سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ---------- ۱۰۵
حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام ---------- ۱۰۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی آغوش میں ---------- ۱۰۷
ہجرتِ حبشہ ---------- ۱۱۰
کفارِ مکہ کا تعاقب ---------- ۱۱۱
سوشل بائیکاٹ ---------- ۱۱۴
ابوطالب کی وفات ---------- ۱۱۶
وفات ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ---------- ۱۱۸
سفر طائف ---------- ۱۱۸
واقعۂ اسراء ومعراج ---------- ۱۲۰
نمازوں کی فرضیت ---------- ۱۲۳
صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق ---------- ۱۲۴

(۶) بیعتِ انصار وہجرتِ مدینہ

مدینہ منورہ (یثرب) ---------- ۱۲۸
مدینہ منورہ میں اسلام کی آمد ---------- ۱۲۹
بیعتِ عقبہ ---------- ۱۳۰
انصار کی فضیلت ---------- ۱۳۲
سب سے پہلے مہاجر صحابی ---------- ۱۳۴
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش ---------- ۱۳۵
سفر ہجرتِ مدینہ ---------- ۱۳۶
ام معبد کے خیمے میں ---------- ۱۴۱
قبا میں تشریف آوری ---------- ۱۴۴
جب مدینہ روشن ہوا ---------- ۱۴۴
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دولت خانہ میں قیام ---------- ۱۴۶

مسجدِ نبوی کی تعمیر ---------- ۱۴۷

(۷) مدنی زندگی کی چند جھلکیاں

منافقین سے سابقہ ---------- ۱۵۱
تحویلِ قبلہ ---------- ۱۵۱
اسلامی مواخاۃ ---------- ۱۵۳
ایثار و ہمدردی کا عدیم المثال مظاہرہ ---------- ۱۵۴
دلوں کا جوڑ؛ کامیابی کی کلید ---------- ۱۵۵
بین القبائلی معاہدۂ امن ---------- ۱۵۶
غزوۂ بنو قینقاع ---------- ۱۵۷
بنو نظیر کا انجام ---------- ۱۵۷
غزوۂ بنو قریظہ ---------- ۱۵۸
اہل مکہ سے جنگیں ---------- ۱۵۹
غزوۂ بدر کبریٰ ---------- ۱۶۰
صحابہ کی طرف سے جاںنثاری کا اظہار ---------- ۱۶۱
ابو جہل کا ذلت ناک قتل ---------- ۱۶۴
ابولہب کا انجامِ بد ---------- ۱۶۵

(۸) سربلندی کا سفر جاری رہا

کعب بن اشرف سے نجات ---------- ۱۷۱
غزوۂ احد ---------- ۱۷۳
سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ---------- ۱۷۸
غزوۂ حمراء الاسد ---------- ۱۷۹

واقعۂ بیر معونہ ---------- ۱۷۹
عضل وقارہ کے لوگوں کی بدعہدی ---------- ۱۸۰
واقعۂ افک ---------- ۱۸۱
غزوۂ احزاب (خندق) ---------- ۱۸۴

(۹) صلحِ حدیبیہ، فتحِ مکہ

صلحِ حدیبیہ ---------- ۱۹۰
بیعتِ رضوان ---------- ۱۹۲
صلح کا مضمون ---------- ۱۹۳
حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ---------- ۱۹۴
بادشاہوں کو اسلام کی دعوت ---------- ۱۹۶
وفد عبدالقیس ---------- ۱۹۹
غزوۂ خیبر ---------- ۲۰۰
عمرۃ القضاء ---------- ۲۰۱
غزوۂ موتہ ---------- ۲۰۲
فتحِ مکہ ---------- ۲۰۳
مکہ معظّمہ میں فاتحانہ داخلہ ---------- ۲۰۷
شفاعتِ کبریٰ ---------- ۲۰۸
ایک عظیم خطبہ ---------- ۲۰۹

(۱۰) مقصدِ بعثت کی تکمیل

غزوۂ حنین ---------- ۲۱۲
غزوۂ تبوک ---------- ۲۱۵
ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ حبِ رسول ---------- ۲۱۷

کعب ابن مالک اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ ---------- ۲۱۸
حجۃ الوداع ---------- ۲۲۲
خطباتِ حجۃ الوداع ---------- ۲۲۴
شریعت میں کفو کی حیثیت ---------- ۲۲۵
حوضِ کوثر کا ذکر ---------- ۲۲۶
خبردار! مجھے رسوا مت کرنا ---------- ۲۲۷
ذرا غور کریں ---------- ۲۲۷
اہلِ بدعت کو حوض کوثر سے دھتکار دیا جائے گا ---------- ۲۲۷
مرض الوفات ---------- ۲۲۹
سانحۂ وفات ---------- ۲۳۱
مدینہ میں کہرام ---------- ۲۳۲
خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کمالِ استقامت ---------- ۲۳۲
تجہیز و تکفین اور تدفین ---------- ۲۳۴

○

خدا کا لاڈلا اپنے خدا سے مل گیا جا کر ---------- ۲۳۶
مؤمن کی آخری تمنا ---------- ۲۳۷
مآخذ و مراجع ---------- ۲۳۸
مرتب کی علمی کاوشیں ---------- ۲۴۰
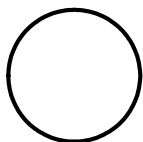
○ ❖ ○

١

خاندانی پسِ منظر

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالیٰ عليه وعلیٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○ [البقرة: ۱۲۹]

تمہید

محترم حاضرین! ہمارے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ ہماری زندگی کے کچھ اوقات اور لمحات ہمارے آقا ومولا فخر دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں گذر جائیں، اور آپ کے تذکرہ سے ہمارے دل ودماغ معمور ہوجائیں، ایک امتی کے لئے اس سے بڑی

سعادت کی بات اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ جب کسی انسان کو کسی سے محبت اور تعلق ہوتا ہے، تو اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، اور جہاں اس کا ذکر ہوتا ہے تو اس کی جانب کان بھی متوجہ ہوتے ہیں، اور دل و دماغ بھی مائل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اور محبوب نہیں ہے، اسی لئے ''خطباتِ سیرت'' کا یہ سلسلہ شروع کیا گیا؛ تاکہ ہمارے سامنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق معلومات تازہ ہو جائیں، اور ترتیب کے ساتھ آپ کے حالات، اخلاقِ فاضلہ اور تعلیماتِ مبارکہ ہمارے سامنے سے گذر جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو اس لئے مبعوث فرمایا؛ تاکہ دنیا والے ان کو اپنے لئے نمونہ اور آئیڈیل بنائیں، تمام انبیاء علیہم السلام اسی لئے دنیا میں بھیجے گئے کہ بندوں کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے رابطہ مستحکم اور مضبوط کریں۔ ہمارے اور حضرات انبیاء علیہم السلام میں فرق یہی ہے کہ ہمارا براہِ راست تعلق اللہ تعالیٰ سے وحی کے ذریعہ نہیں ہے، مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کا رابطہ بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے، اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام دنیا میں علم حاصل کرنے کے لئے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کرتے؛ بلکہ ان کا استاذ اور معلم براہِ راست اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کو جو کمالات عطا ہوتے ہیں وہ بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف انسان کو جو کمالات ملتے ہیں ان میں بظاہر اس کی محنت کا دخل ہوتا ہے، آدمی علم سیکھے گا، کتاب پڑھے گا، استاذ کے پاس جائے گا، فن کار کے پاس جائے گا، محنت کرے گا تو سیکھ جائے گا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جو بھی سکھلایا وہ براہِ راست سکھلایا، اور یہی سچے انبیاء کی علامت ہے کہ ان کا دنیا میں کوئی بھی استاذ نہیں ہوتا۔

آپ انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، کوئی دور دور تک ان کو پڑھانے والا نظر نہیں آئے گا، انبیاء علیہم السلام کو تمام معلومات اور تمام رہنمائیاں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی جانب

سے ملتی ہیں، اور اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، کبھی دل پر وحی کا القاء ہوتا ہے، کبھی فرشتہ کو بھیجا جاتا ہے، کبھی کسی اور ذریعہ سے (خواب وغیرہ کی صورت میں) بات بتلائی جاتی ہے؛ اس لئے انبیاء علیہم السلام دنیا والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں کہ زندگی ایسے گذارو۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱) تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

فرشتہ کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا؟

دنیا میں کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا؛ کیوں کہ وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتا، اس لئے کہ وہ تو چوبیس گھنٹے، مہینوں اور سالوں عبادت میں مشغول رہے گا اور وہ تھکے گا بھی نہیں، اور نہ اسے بھوک لگے گی نہ پیاس لگے گی، آدمی اس کی برابری کیسے کرسکتا ہے؟ اور پھر فرشتہ میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کا مادہ ہی نہیں رکھا، اس کو تو اطاعت ہی اطاعت کرنی ہے۔ اور انسان میں اچھائی اور برائی دونوں کے مادے ہیں، اس کے باوجود وہ اگر برائی سے بچے گا اور اچھائی کرے گا تو ثواب ملے گا، یہی امتحان کا مطلب ہے، تو اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو نمونہ بنا کر بھیجا۔

اور پہلے یہ ہوتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام خاص قوموں کی طرف تشریف لاتے تھے، بیک وقت کئی کئی نبی ہوتے تھے، ایک فلاں قوم کی طرف، دوسرا فلاں علاقے والوں کے لئے، وہ چلا جاتا، جب قوم میں بگاڑ ہونے لگتا تو دوسرا آجاتا؛ لیکن ہمارے آقا ومولا، محسنِ انسانیت، فخرِ دوعالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے نبی بنا کر مبعوث فرمایا، مشرق ومغرب کے لئے آپ کو نبی بنایا، جنات اور انسان کے لئے آپ کو نبی بنایا، تمام عالم کے لئے آپ ہی کو نبوت عطا فرمائی؛ کیوں کہ اب کوئی نیا نبی دنیا میں آنے والا نہیں ہے، آپ پر دین کو

مکمل کر دیا، شریعت کو کامل فرما دیا، اب آپ کے دین کے علاوہ کوئی چیز ذریعہ نجات نہیں ہے، اور انسانیت کو عزت نہیں مل سکتی جب تک کہ وہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقہ پر نہ چلے، نہ دنیا میں کامیابی ملے گی نہ آخرت میں کامیابی ملے گی، یہی دینِ محمدی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اس لئے ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت سے اپنے آپ کو جوڑ کر رکھے، جتنا سیرت سے قریب ہوتا جائے گا، اتنا ہی پیغمبر علیہ السلام سے قریب ہو جائے گا، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم اور ضروری ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ. (آل عمران: ۳۱)

اے پیغمبرؐ آپ اعلان کر دیجئے! کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے، اور تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے، اللہ تعالیٰ بہت مغفرت فرمانے والے اور نہایت مہربان ہیں۔

یعنی جو شخص پیغمبر کی اطاعت کرے گا تو وہ اللہ کی اطاعت کرنے والا بن جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَـنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کا کہا مانا پس اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔

اس لئے ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، کہیں کا رہنے والا ہو، کوئی بھی زبان بولنے والا ہو، کسی بھی نسل اور خاندان سے اس کا تعلق ہو، اس کو بہر حال پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت سے اپنے آپ کو وابستہ کرنا چاہئے۔

ہماری حالت

آج بڑے افسوس کا مقام ہے کہ دنیا جہاں کی باتیں ہم جانتے ہیں، گناہوں کی باتیں ایسی

یاد ہیں کہ کبھی ذہن سے محو نہیں ہوتیں، اور آج تو ٹیلی ویژن اور فلموں کا دور دورہ ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو پوری پوری اسٹوریاں یاد ہیں۔ یاد نہیں ہیں تو کیا؟ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے حالات نہیں یاد ہیں، نہ پڑھنے کی فکر ہے اور نہ جاننے کی؛ البتہ زبانی دعویٰ بہت ہے۔

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں نعوذ باللہ کوئی خبیث النفس شخص شرارت کرے تو ہمارا خون کھول جاتا ہے، ضرور کھولنا چاہئے، اور جتنا بھی اس پر غصہ آئے کم ہے؛ لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ہم نے خود کیسا تعلق قائم کر رکھا ہے؟ یہ زبانی جمع خرچ تو نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تعلق حلق سے نیچے نہ اترتا ہو، صرف زبان تک محدود ہو؟ ہماری زندگی سنتوں سے کتنی معمور ہے؟ ہمیں اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، ہمارے بچوں کے اندر پیغمبر علیہ السلام کی باتوں کا تذکرہ کتنا ہوتا ہے؟ اس کا ہمیں جائزہ لینا ہے۔ ہمارے گھروں کے اندر پیغمبر علیہ السلام کی سنتیں کتنی زندہ ہیں؟ اس کی ہمیں فکر کرنی چاہئے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

انہی سب مقاصد کے تحت یہ ایک چھوٹا سا پروگرام شروع کیا گیا ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ نکالیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنیں گے، اس سے دل چسپی پیدا ہوگی، محبت میں اضافہ ہوگا، انشاء اللہ دل میں سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ بیدار ہوگا، اور ہمارے گھروں کے اندر سنتیں زندہ ہوں گی، ہماری سیرت وصورت اور عادت واخلاق سنتوں کے رنگ میں رنگین ہو جائیں گے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان مجالس کو اپنے فضل وکرم سے ہمارے لئے نجات، ہدایت اور اصلاح کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

بات اصل میں یہ ہے کہ آپ کی سیرت کے اتنے گوشے ہیں کہ اگر ان کو بیان کیا جائے، تو اس کے لئے گھنٹہ دو گھنٹہ، دس دن بیس دن اور مہینے بھی ناکافی ہیں، سیرت کے گوشے اتنے ہیں کہ ایک ایک گوشہ پر لوگوں نے کتابیں لکھ ڈالیں، دسیوں جلدوں میں کتابیں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے حالات پر آ گئیں، اور کتنے ہی شاعروں نے اشعار کے انبار لگا دئے، لکھنے والوں نے مضامین کے مضامین لکھ ڈالے؛ لیکن سب یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہم سے حق ادا نہ ہو سکا، ہم سے احاطہ نہیں

ہوا، ہم نے سب چیزوں کو جمع کرنے کی کوشش کی؛ لیکن جمع نہیں ہو پائیں۔ شاعر نے سچ کہا ہے:

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(آپ کی شانِ والا شان کے مطابق آپ کی تعریف ناممکن ہے، قصہ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وہ آپ ہی کی ذاتِ عالی ہے)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم سے جو ذکر ہو سکتا ہو وہ بھی نہ کریں؛ بلکہ ہمیں اپنی کوتاہی کے اعتراف کے باوجود اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرنا چاہئے۔ بریں بنا آئندہ کچھ اشارات پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کے بارے میں پیش کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آج کے دن کے لئے موضوع متعین کیا گیا تھا: ''نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کا خاندان اور ولادتِ مبارکہ''۔ تو اس سلسلہ میں ہمیں ذرا پیچھے کی جانب جانا پڑے گا۔

مکہ معظّمہ کے حالات

مکہ معظّمہ (جو آپ کی ولادت کی جگہ ہے) میں کون لوگ آباد تھے؟ کب سے اس کی آبادی ہوئی؟ آپ کا خاندان کیا تھا؟ اس پر تھوڑی سی روشنی قرآنِ پاک میں بھی ہے، اور احادیث شریفہ میں بھی ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں نہایت جلیل القدر پیغمبر سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا، اور ان کو ایک خاص امتیاز عطا فرمایا کہ ان کے بعد جتنے بھی پیغمبر علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوئے، وہ سب کے سب ان کی نسل سے ہوئے، کوئی ان کی نسل سے باہر کا نہیں۔ آپ کے دو صاحب زادے ہوئے:

(۱) بڑے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، ان کی والدہ کا نام: ''ہاجر'' یا ''ہاجرہ'' ہے۔

قصہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین وجمیل، پاک باز اور عفت مآب خاتون تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ساتھ سفر فرما رہے تھے، راستہ میں ایک بدمعاش اور خبیث بادشاہ رہتا تھا، اس نے چنگیوں پر اپنے کارندے مقرر کر رکھے تھے کہ جو بھی حسین وجمیل عورت یہاں سے گذرے، اسے گرفتار کر کے اس کے پاس لے کر آؤ، اس کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ ہوتی، اور وہ اسے اپنی بیوی بتاتا، تو اس عورت کو گرفتار کر لیتا اور اگر یہ کہتا کہ میری بہن ہے تو اس سے تعرض نہ کرتا تھا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب پتہ چلا کہ یہ صورتِ حال ہے، تو انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ جب یہ کارندے معلوم کریں کہ تم کون ہو؟ تو تم کہنا کہ میں ان کی بہن ہوں، اور اگر مجھ سے معلوم کیا تو میں بھی کہہ دوں گا کہ یہ میری بہن ہیں، یعنی دینی بہن؛ کیوں کہ میرے اور تمہارے علاوہ یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے؛ لیکن بہن بتانے کے باوجود اس ظالم بادشاہ کے کارندوں نے حضرت سارہؓ کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس تنہائی میں پیش کر دیا۔

وہاں پہنچ کر جب اس خبیث نے برائی کا ارادہ کیا تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا وضو فرما کر نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں، اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں، اور میں نے عفت اور پاک دامنی کی زندگی گذاری ہے؛ لہٰذا اس کافر کو مجھ پر مسلط مت فرمایئے، چناں چہ ان کی دعا فوری طور پر قبول ہوئی اور اس خبیث کا بے اختیار دم گھٹنے لگا اور وہ بے چینی میں پاؤں زمین پر پٹخنے لگا، تو حضرت سارہؓ نے دعا کی کہ اگر یہ بدبخت مر گیا تو میرے سر بات آئے گی؛ اس لئے اسے چھوڑ دیا جائے، چناں چہ اس کی حالت درست ہو گئی۔ مگر پھر اس پر خباثت طاری ہوئی تو دوبارہ اس نے برائی کا ارادہ کیا، پھر وہی کیفیت ہو گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا، تو اس نے کارندوں کو بلایا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ کوئی جناتنی لے آئے ہو، اس کو فوراً یہاں سے لے جاؤ، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس بھیجا، اور

’’حضرت ہاجرہ‘‘ کو تحفہ میں خادمہ کے طور پر ساتھ کر دیا۔ (مستفاد: بخاری شریف ۱/۲۹۵)

تو حضرت ہاجرہؓ دراصل حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس بادشاہ کی طرف سے عطیہ میں ملی تھیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام وہاں سے واپس اپنے ملک ’’ملک شام‘‘ تشریف لے آئے، وہاں قیام فرمایا؛ لیکن اولاد ابھی تک کوئی نہیں تھی، تو حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ہاجرہؓ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو ہبہ کر دیا، جب ان کی ملکیت میں آ گئیں یا بذریعہ نکاح آپ کے لئے حلال ہو گئیں، تو اللہ تعالیٰ نے کافی عمر کے بعد ان سے پہلی اولاد ’’اسماعیل علیہ السلام‘‘ کی شکل میں عطا فرمائی۔

اس کے ۱۳/ یا ۱۵/ سال کے بعد بڑھاپے میں حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے، دونوں کی عمر بڑھاپے کی تھی؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے دکھلایا کہ ہم جوانی میں تو دیتے ہی ہیں، مگر بڑھاپے میں بھی دینے پر قادر ہیں۔

مکہ معظّمہ میں اسماعیل علیہ السلام کا قیام

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو ابھی آپ دودھ پیتے بچے ہی تھے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ان کو اور ان کی والدہ محترمہ کو میرے گھر کے قریب، ایسی جگہ جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، کوئی پانی نہیں ہے، وہاں چھوڑ کر آ ؤ۔ ملک شام سے مکہ معظّمہ جہاں اس وقت آباد ہے، تقریباً ایک مہینہ کی مسافت تھی، اور بالکل جنگل، لق ودق بیابان، یہاں کچھ بھی نہ تھا، سوکھے پہاڑ ہی پہاڑ چاروں جانب نظر آتے تھے، پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا؛ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام واقعی ’’خلیل اللہ‘‘ تھے، دراصل اس کام کے لئے بڑا دل گردہ چاہئے۔ ذرا سوچئے! کہ اتنی عمر کے بعد تو بیٹا ملا، پھر اہلیہ محترمہ اور بیٹے کو جنگل میں چھوڑنے کا حکم ہو رہا ہے، لیکن ’’خلیل اللہ‘‘ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے، جو حکم ہو تعمیل کی جائے گی۔

چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ان دونوں کو لے کر یہاں آئے، کچھ توشہ اور

پانی ساتھ تھا، اور دونوں کو وہاں بٹھا کر (جہاں زم زم کا کنواں ہے) واپس جانے لگے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں یہاں جنگل میں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں؟ کوئی جواب نہیں، پھر فرمایا کیا بات ہے، کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ کا حکم یہی ہے۔ تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ پھر تو کوئی بات نہیں، اللہ ہر جگہ کارساز ہے، ہمیں ضائع نہیں فرمائیں گے۔ (بخاری شریف ۱/۴۷۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تو تعمیل کردی؛ لیکن جب وہاں سے کچھ دور ہٹے، تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اور فرمایا کہ میں اپنے بچوں کو یہاں چھوڑ کر جارہا ہوں؛ لیکن ان کی روزی روٹی کا انتظام آپ کے ذمہ ہے، اور ان کی ہدایت کا بھی آپ انتظام فرمائیے، اور میری نسلوں کی ہدایت کا بھی آپ انتظام فرمائیے۔ اس کا ذکر قرآنِ کریم میں سورۂ ابراہیم میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ان کو چھوڑ کر چلے آئے، حضرت ہاجرہؓ کے پاس جو توشہ وغیرہ تھا وہ سب ختم ہوگیا، بچہ کو بھوک لگے وہ روئے؛ لیکن جب ہاجرہ علیہا السلام کے لئے ہی کچھ نہیں، تو بچہ کو کہاں سے دیں؟ آپ بہت پریشان تھیں، سامنے دو پہاڑیاں تھیں: (۱) صفا (۲) مروہ۔ کبھی اس پہاڑی پر چل کر جائیں، پانی دور دور تک نظر نہ آئے، پھر بچہ روئے، پھر لوٹ کر آئیں اُس پہاڑی پر جائیں۔ اسی طرح آپ نے ۷/ مرتبہ چکر لگائے، اللہ تعالیٰ کو ان کے یہ چکر ایسے پسند آئے کہ حج وعمرہ کے ارکان اور مناسک میں صفا و مروہ کی سعی کو شامل کردیا گیا۔ (بخاری شریف ۱/۴۷۵)

زم زم کے چشمہ کا جاری ہونا

ساتویں مرتبہ کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور جہاں بچہ لیٹا ہوا تھا، اس کی ایڑیوں کے پاس بحکم خداوندی زم زم کا چشمہ جاری فرمادیا، حضرت ہاجرہؓ نے یہ دیکھ کر فوراً وہاں منڈیر بنائی اور چلو میں لے کر پانی مشکیزہ میں بھرنا شروع کردیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر حضرت ہاجرہؓ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں تو یہ ایک عظیم جاری چشمہ بن جاتا''۔ (بخاری

شریف ۱/۴۷۵) اور یہ زم زم کا پانی بھی ایسا کہ جس کے اندر مائیت بھی ہے اور غذائیت بھی ہے، دنیا کا کوئی پانی ایسا نہیں ہے کہ جس میں یہ شان پائی جائے کہ جس سے بھوک بھی مٹتی ہے، اور مائیت اور پانی کی بدن کو جو ضرورت ہے وہ بھی پوری ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''روئے زمین پر سب سے بہترین پانی ''آبِ زمزم'' ہے، یہ کھانے کے لئے خوراک بھی ہے اور بیماری سے شفا بھی ہے''۔ (معجم کبیر طبرانی، بحوالہ تاریخ مکہ مکرمہ ۷۸)

قبیلۂ بنو جرہم کیسے آیا

ملک یمن کا ایک خانہ بدوشوں کا قبیلہ تھا، جس کو ''بنو جرہم'' کہا جاتا ہے، وہ لوگ وہاں سے گذر رہے تھے، اچانک دیکھا کہ کچھ پرندے اڑ رہے ہیں (اور عموماً پرندے پانی کے قریب اڑتے ہیں) ان کو اندازہ ہوا کہ یہاں کہیں پانی ضرور ہے، کچھ لوگوں کو بھیجا کہ دیکھ کر آئیں پانی کہاں ہے؟ دیکھا کہ یہاں ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہیں، ان سے اجازت لی کہ ہم لوگ یہاں آنا چاہتے ہیں، آپ کی اجازت ہے؟ فرمایا کہ اجازت تو ہے؛ لیکن پانی پر تمہارا کچھ حق نہیں رہے گا پانی ہمارا ہے، چناں چہ وہ قافلے والے وہیں آ کر بس گئے۔ (بخاری شریف ۱/۴۷۵)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پہلی شادی

حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو کر جوانی میں داخل ہو گئے، تو انہی میں سے ایک عورت سے آپ نے شادی کر لی، گویا وہاں پر ایک چھوٹی سی آبادی بس گئی۔

دسیوں سال گذرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام سے بچوں کی خبر گیری کرنے کے لئے تشریف لائے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دولت خانہ پر تشریف لائے؛ لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار وغیرہ کی غرض سے جنگل گئے ہوئے تھے، اہلیہ سے معلوم کیا کہاں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا حال چال ہیں؟ زندگی کیسی گذر رہی ہے؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ بڑی تنگی میں گذر بسر ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب وہ

آئیں تو میرا سلام کہنا، اوران سے یہ بھی کہنا کہ اپنی چوکھٹ بدل دیں۔ چناں چہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے، تو گھر میں معلوم کیا کہ یہاں کوئی آیا تھا؟ اہلیہ نے کہاں کہ ہاں! اس اس صفت کے ایک بڑے میاں آئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ کہہ گئے ہیں؟ اہلیہ نے کہا کہ سلام کہہ کر گئے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ: ''اپنی چوکھٹ بدل دیں''۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ معلوم ہے وہ کون تھے؟ وہ ہمارے والد محترم تھے، اور یہ کہہ گئے ہیں کہ میں تمہیں طلاق دے دوں، چوکھٹ بدلنے کا مطلب یہی ہے، چناں چہ ان کو طلاق دے دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شادی

پھر آپ نے قبیلۂ بنو جرہم کے سردار مضاض بن عمرو جرہمی کی صاحب زادی سیدہ سے سے شادی کی۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۱۸۵)

اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی طرح تشریف لائے، اتفاق سے اس وقت بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر میں نہیں تھے، پوچھا کہ کہاں گئے ہیں؟ اہلیہ محترمہ نے کہا کہ روزی روٹی کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں، اہلیہ محترمہ نے ان کا بڑا اعزاز واکرام فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ ''اپنی چوکھٹ مضبوطی سے پکڑے رہیں''۔ چناں چہ اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے آثار دیکھ کر معلوم کیا کہ کوئی آیا تھا؟ اہلیہ نے کہا کہ ہاں ایک بوڑھے میاں آئے تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ ہمارے والد محترم تھے، اوران کی بات کا مطلب یہ ہے کہ: ''اب ہم اور تم ساتھ رہیں گے''۔ (بخاری شریف ۱/۴۷۴-۴۷۵) اس طرح سے گویا کہ وہاں پر نسل چل پڑی۔

ذبیح اللہ لقب کیوں پڑا؟

اسی درمیان وہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھایا گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح فرمارہے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب یہ سنا تو کہا کہ بالکل

منظور ہے، آپ مجھ کو اس میں تکلف کرنے والا نہیں پائیں گے، چناں چہ انہوں نے برضاء ورغبت اپنے کو قربانی کے لئے پیش کیا، اسی وجہ سے ان کو "ذبیح اللہ" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں جنت کا مینڈھا عطا فرمایا، ہمارے یہاں جو قربانی ہوتی ہے یہ اسی کی یادگار ہے۔ (اس کا ذکر قرآنِ کریم میں سورۂ "والصّٰفّٰت" میں ہے۔) (زادالمعاد مکمل ۲۴، البدایہ والنہایہ ۱/۱۷۵-۱۷۷)

بیت اللہ کی تعمیر کا حکم

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو ہمارا گھر طوفانِ نوح میں ختم ہو چکا تھا، اور اس کے آثار ظاہر نہیں رہے تھے، اب تم دونوں باپ بیٹے مل کر اس کی تعمیر کرو، چناں چہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رہنمائی میں ان آثار پر جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں دب گئے تھے، بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی، اس کا بھی قرآن کریم میں ذکر ہے۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ: ۱۲۷)

دعائے ابراہیمی

جب تعمیر مکمل ہوگئی تو دونوں نے دعا فرمائی، بالخصوص سیدنا خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کئی دعائیں فرمائیں۔ ایک دعا یہ فرمائی کہ اے ہمارے رب ہماری یہ چھوٹی سی محنت قبول فرمالیجئے، اے ہمارے رب ہمیں اپنا تابع دار بنا دیجئے، اور ہماری نسلوں کو بھی اپنا تابع دار بنا دیجئے، اور فرمایا کہ اور ہمیں ہمارے مناسک اور زندگی گذارنے کے طریقے ہمیں بتلا دیجئے، اور ہمیں اپنی جانب رجوع ہونے کی توفیق عطا فرمائیے۔

اس کے بعد ایک اہم دعا یہ فرمائی کہ:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ،	اے ہمارے رب اس قوم میں ایک ایسا نبی مبعوث فرمائیے، جو ان پر آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ان کو حکمت کی تعلیم دے، اور لوگوں کا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (البقرة: ۱۲۹) — تزکیہ کرے، بے شک تو زبردست اور حکمت والا ہے۔

اس اہم دعا کا مصداق ہمارے آقا سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چناں چہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لوگ پوچھتے کہ حضرت آپ اپنے بارے میں بیان فرمایئے! تو آپ فرماتے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے ثمرات میں سے ہوں، انہوں نے جو دعا مانگی تھی ان کی دعا کی تکمیل میری بعثت کے ذریعہ سے ہوئی۔ (دلائل النبوۃ ۱/۸۰)

خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چلا، اس درمیان کسی اور نبی کا ثبوت نہیں ملتا، صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس خاندان میں نبوت سے سرفراز فرمایا۔

جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری نسل حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ذریعہ پھیلی، ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے، اور ان کے گیارہ بھائی اور تھے، بنی اسرائیل میں سیکڑوں انبیاء علیہم السلام اسی نسل سے تشریف لائے۔

دستورِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا کہ تمام انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں تشریف لائے، ان سب کو اعلیٰ حسب ونسب بھی عطا فرمایا۔ (بخاری شریف ۱/۴) تا کہ کوئی ذلت اور حقارت کی نظر سے ان کو نہ دیکھ سکے، ساتھ میں ان کو جسمانی اعتبار سے بھی قوت عطا فرمائی، حسن و جمال بھی عطا فرمایا، اور اخلاقِ فاضلہ بھی عطا فرمائے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں ایک آیت ہے، جس کو ہم لوگ تو پڑھتے ہیں:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ. (التوبة: ۱۲۸) — تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تمہارے ہی میں سے ہے۔

لیکن اس آیت کی ایک قرأت اس طرح بھی ہے:

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفَسِكُمْ. تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ بہترین خاندان میں سے ہے۔

اور یہ بہترین خاندان وہی ہے جو اوپر جا کر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے مل جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام، پھر ان کے ۱۲/ صاحب زادے ہوئے، جن میں سے ''نابت'' اور ''قیذر'' نام کے صاحب زادوں سے تمام عرب کی نسل چلی ہے۔ (مستفاد: البدایہ والنہایہ ۱/۱۸۵) اور یہ ننہالی خاندان قبیلۂ بنو جرہم سے (جو یمن کا ایک قبیلہ تھا) جا کر مل جاتا ہے۔ اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے جو ددھیالی سلسلے ہیں ان کے اندر ''عدنان'' تک تو آپ کا نسب بالکل ثابت ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے والد محترم کا نام ہے عبداللہ، اور دادا کا نام ہے عبدالمطلب، اور پردادا کا نام ہے ہاشم، اور ان کے والد کا نام ہے عبد مناف، اور ان کے والد ہیں قُصَی، اور ان کے والد کا نام ہے کلاب۔

کلاب پر جا کر آپ کا ددھیالی سلسلہ اور والدہ محترمہ حضرت آمنہ کا سلسلہ اوپر جا کر مل جاتا ہے، گویا والد اور والدہ دونوں کا خاندان یہی ہے۔ والدہ کے خاندان میں آپ کے نانا کا نام ہے وہب، اور پرنانا کا نام ہے عبد مناف، اور ان کے والد کا نام ہے زہرہ، اور ان کے والد ہیں کلاب۔

پھر کلاب سے لے کر عدنان تک دس بارہ آباء، اور عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک آپ کے چالیس آباء ہیں؛ لیکن ان کی تفصیل محقق طور پر نہیں ملتی، گویا کہ یہ سمجھئے کہ ۶۰/ یا ۶۵/ پیڑھیاں آپ کے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ السلام کے درمیان گذر گئی ہیں۔ (سیرت النبی وغیرہ)

قریش کی وجہِ تسمیہ

آپ کے نسب کے سلسلہ میں جو کہا جاتا ہے کہ آپ قریشی خاندان سے تھے، تو یہ قریش کیا

چیز ہے؟ دراصل آپ کے آباء واجداد میں ایک نام فہر بن مالک کا نام ملتا ہے، قریش کے بہت سے معنی بیان کئے گئے، ایک معنی یہ ہے کہ سمندر کا ایک جانور ہوتا ہے جو دوسروں پر غالب آ جاتا ہے، اوراس سے سمندر کے تمام جانور ڈرتے ہیں۔ فہر بن مالک نے اپنے زمانہ کے اندر مکہ معظّمہ میں ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کی تھی کہ تمام قبائل اس کے ماتحت ہو گئے، اس وجہ سے ان کا لقب ''قریش'' پڑ گیا۔ چناں چہ ان کے بعد جتنے بھی خاندان کے لوگ آتے رہے، وہ اپنے کو ''قریشی'' لکھتے رہے، اس بنا پر آپ کے خاندان کو ''قریشی'' یا ''قرشی'' کہا جاتا ہے۔ اور عرب کا نہایت معزز خاندان تھا کل بھی اور آج بھی، یہ پیغمبر علیہ السلام کا خاندان ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۲۴)

ہاشم ابن عبد مناف

اوران میں آپ کے جو پردادا ہیں، جن کا نام ہے ''ہاشم''، یہ نہایت شریف النفس اوراعلیٰ کردار کے مالک اورنہایت حسین وجمیل تھے، اوران کی پیشانی سے نورِ نبوت چمکتا تھا؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے سلسلہ میں نبی کی پیدائش مقدر فرما رکھی تھی، ان کا نام ''ہاشم'' پڑا، اور ہاشم کے معنی آتے ہیں: ''شوربے میں روٹی چور کر ثرید بنانا''۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ حج کرنے کے لئے مکہ معظّمہ آتے، تو یہ بڑے بڑے برتنوں میں ثرید بنا کر حاجیوں کو کھلاتے تھے، اور یہ بڑی عزت کی بات تھی؛ اس لئے ان کا نام ہاشم پڑ گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۳۰)

آپ کے دادا عبد المطلب کا اصل نام

''ہاشم'' تجارت کرنے کی غرض سے ملک شام جاتے تھے، تو راستہ میں مدینہ منورہ پڑتا تھا، ایک مرتبہ قافلہ کا مدینہ منورہ میں پڑاؤ ہوا، وہاں ان کی ملاقات ایک نہایت پاک باز شریف خاتون ''سلمیٰ'' سے ہوئی، جو خاندانِ بنو نجار کی نہایت معزز خاتون تھیں، انہوں نے ان کو نکاح کا پیغام دیا، خاندان والوں نے اس شرط پر قبول کیا کہ یہ آپ کے ساتھ نہیں جائیں گی؛ بلکہ یہیں رہیں گی، چناں چہ ہاشم نے اس شرط کو منظور کر لیا اور نکاح ہو گیا، اس کے بعد وہ اگلے سفر پر چلے گئے، اتفاق

سے ملک شام میں ''غزہ'' نامی مقام پر ان کی وفات ہوگئی، اِدھر جو نکاح ہوا تھا، اس سے استقرار حمل ہوا، تو ان کے یہاں ایک بیٹا تولد ہوا جس کا نام ''شیبہ'' رکھا گیا، شیبہ عربی میں سفید بال کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ان کی پیدائش ہوئی تو ان کے پیدائشی طور پر کچھ بال سفید تھے، تو لوگوں نے نام ہی شیبہ رکھ دیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۳۲)

یہ خبر مکہ معظّمہ پہنچی، ہاشم کے خاندان میں ان کے بھائی مطلب تھے، جب شیبہ آٹھ سال کے ہوگئے، تو خاندان والوں میں مشورہ ہوا کہ شیبہ تو ہمارا بچہ ہے، ہم کو اسے لے کر آنا چاہئے، تو مطلب کو بھیجا گیا جو ہاشم کے بھائی تھے، چناں چہ وہ مدینہ منورہ آئے، اور اس آٹھ سالہ بچہ کو اونٹ پر بٹھا کر مکہ معظّمہ چلے گئے، جب مکہ پہنچے تو لوگوں نے دیکھا کہ مطلب کے ساتھ ایک بچہ بیٹھا ہوا آرہا ہے؛ کیوں کہ وہ حقیقت سے واقف نہیں تھے، تو لوگوں نے ان کو ''عبدالمطلب'' (مطلب کا غلام) کہنا شروع کردیا، اس وجہ سے ان کا نام ہی عبدالمطلب پڑ گیا، اکثر و بیشتر لوگ شیبہ کا نام ہی نہیں جانتے، تو آپ کے دادا کا اصل نام تھا شیبہ؛ لیکن اس وجہ سے عبدالمطلب نام پڑ گیا، اور یہ عبد المطلب اخلاقِ فاضلہ، اصابت رائے اور قوتِ فیصلہ کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت وقار اور رعب ودبدبہ عطا فرمایا تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۳۳) ان کے صاحب زادے ہیں عبداللہ، جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ماجد ہیں۔

چاہِ زم زم کے بارے میں خواجہ عبدالمطلب کا خواب

پچھلی صدیوں میں زم زم کے کنوئیں پر بنو جرہم اور قریش کی لڑائی ہوئی تھی، قبیلۂ بنو جرہم کو جب قوت حاصل نہیں ہوئی، تو انہوں نے اس کنوئیں کو پاٹ دیا تھا، اور سالوں سے اس کا نام ونشان ختم تھا، اور یہ معلوم نہیں تھا کہ زم زم کہاں ہے؟ تو خواجہ عبدالمطلب کو خواب میں دکھلایا گیا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ کنواں کھودو، اور اس کے نام کبھی ''برۃ''، کبھی ''مظنونۃ'' وغیرہ آتے، اور اخیر میں تیسرے یا چوتھے دن یہ دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے کہ زم زم کھودو، اور جگہ بھی بتلائی کہ یہاں کھودنا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اس طرح سے خواب دکھلایا گیا،

اس لئے اب زم زم کھودنا ہے، لوگوں نے کہا کہ ایسا مت کرو؛ لیکن ان کو یقین کامل تھا، اس لئے انہوں نے زم زم کا کنواں اپنے بڑے بیٹے حارث کے ساتھ مل کر کھودا، اور تھوڑی سی کھدائی کے بعد ہی وہ مینڈھ نکل آئی جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں تھی، دوسرے لوگوں کو اس پر بڑا حسد ہوا، انہوں نے اس کو خراب کرنا شروع کر دیا، جب عبدالمطلب بہت پریشان ہو گئے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: ''الٰہ العالمین! یہ پینے والوں کے لئے تو ٹھیک ہے؛ لیکن جو اس سے برا چاہے اس کا میں ذمہ دار نہیں''، چناں چہ جس جس نے اس کے ساتھ برا چاہا تو وہ بیمار ہونے لگا، اس طرح سے حاسدین کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ (دلائل النبوۃ ۱/۸۶-۸۷)

خواجہ عبدالمطلب نے اس وقت یہ منت مانی کہ ابھی تو میرا ایک ہی بیٹا ہے، ان لوگوں سے مقابلہ میرے لئے دشوار ہے، اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس جوان بیٹے عطا فرمائے تو میں ایک بیٹے کو اللہ کے راستہ میں قربان کروں گا، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے عطا فرمائے، اور سب کے سب ماشاءاللہ خوب رو، طاقت ور تھے، جو اپنے والد محترم کے دست و بازو بن گئے۔ (دلائل النبوۃ ۱/۹۸)

والد ماجد کی قربانی کی نذر

ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اب اپنی نذر اور منت تو پوری کرو، چناں چہ ان کو خیال آیا کہ ہاں میں نے نذر مانی تھی، تو اب یہ ہوا کہ ان دس بیٹوں میں سے کس کی قربانی کریں؟ لہٰذا قرعہ اندازی کی، اتفاق سے قرعہ میں عبداللہ (جو سب سے چھوٹے بیٹے تھے) کا نام آیا، چناں چہ انہوں نے بلا تکلف نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا اور قربانی کے ارادہ سے انہیں لے جانے لگے، تو بہنیں بھائی کو دیکھ کر رونے لگیں کہ ہمارے بھائی کو کہاں لے جا رہے ہو؟ بالآخر مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ آپ ایسا کیجئے کہ ان کے ساتھ دس اونٹوں کو رکھئے، اور پھر قرعہ ڈالئے، اگر دس اونٹوں کا نام نکل آئے، تو ان کے بدلہ میں دس اونٹوں کی قربانی کر دی جائے، یہ رائے ان کو پسند آئی۔ قرعہ اندازی کی گئی تو دس اونٹوں کے بجائے پھر عبداللہ ہی کے نام نکلا، مگر بہنوں نے کہا کہ بیس پر قرعہ کیجئے، چناں چہ بیس پر قرعہ ڈالا تو پھر عبداللہ کا نام نکلا، بالآخر

جب تک سو اونٹ پورے نہیں ہوئے برابر عبداللہ ہی کے نام کا قرعہ نکلتا رہا، جب سو پورے ہو گئے تو اونٹوں کا قرعہ نکلا، چناں چہ سو اونٹوں کو قربان کر کے عبداللہ کی جان بچی۔ (دلائل النبوۃ ۱/۹۹-۱۰۰)

تمام انبیاء علیہم السلام کا سلسلۂ نسب حرام سے پاک رہا

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے، کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کے اندر نکاح کے اعتبار سے کوئی بگاڑ ہو، یعنی حرام نسل سے کوئی نبی دنیا میں مبعوث نہیں ہوا، اور ہمارے آقا و مولا فخر عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو سید الانبیاء اور سید الاولین والآخرین ہیں۔ آپ نے خود فرمایا کہ:

وُلِدْتُّ مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سَفَاحٍ. (البداية والنهاية ٢/٦٥٨)

میری ولادت اور پیدائش نکاح کے ذریعہ سے ہوئی ہے نہ کہ حرام کاری سے۔

اوپر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام تک نہایت طیب اور حلال سلسلہ ہے، اس میں ذرہ برابر بھی فحش و فواحش کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

حضرت آمنہ

آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا نکاح قبیلۂ بنو زہرہ کی معزز ترین خاتون "حضرت آمنہ" سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے ملاپ سے ہمارے آقا و مولا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بظاہر اسباب دنیا میں وجود بخشا، حضرت آمنہ خود فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے اس زمانہ میں جب کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام میرے بطن میں تھے کبھی کوئی بوجھ محسوس نہیں کیا، اور عجیب برکتیں اس زمانہ میں ظاہر ہوتی رہیں، اور ایسے خواب دکھائے جاتے رہے کہ جس میں صاف طور پر یہ اشارہ تھا کہ تمہارے پیٹ میں جو ذات پرورش پا رہی ہے وہ کوئی معمولی شخص نہیں ہے، وہ اپنے دور کا نبی، اللہ تعالیٰ کا مقرب ترین بندہ، ہادئ عالم ہے۔ اور یہ حضرت آمنہ کے لئے بڑی خوش نصیبی کی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب ترین پیغمبر کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف عطا

فرمایا، جس وقت آپ کی پیدائش ہوئی تو پورا گھر روشنی سے بھر گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۵۲)

حضور کی پیدائش کے وقت کا حال

دوسری جانب یہ ہوا کہ کسریٰ (فارس کے علاقہ کے بادشاہ کا نام) کے آتش کدہ میں ایک آگ جل رہی تھی، جہاں آگ کی پوجا ہوتی تھی، جو سالوں اور صدیوں سے جل رہی تھی کبھی بجھی نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوتے ہی وہ آگ بجھ گئی، اوراس کے محل کے چودہ کنگورے فوراً ٹوٹ کر گر پڑے، اورایک نہر ''ساویٰ'' کے نام سے جاری تھی وہ اچانک خشک ہوگئی، وہاں لوگوں میں کھلبلی مچ گئی کہ یہ تو عجیب وغریب واقعات پیش آئے اور تحقیقات شروع ہوئیں، جس کی تمام تفصیل سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جو پرانی کتابوں کے جاننے والے تھے، انہوں نے آکر یہ خبر دی کہ دراصل آخری نبی کی پیدائش ہوچکی ہے، اور چودہ کنگورے کے گرنے کا مطلب یہ ہے کہ چودہ پیڑھیوں اور بادشاہوں کے بعد کسریٰ کی حکومت ہمیشہ کے لئے دنیا سے فنا ہوجائے گی، اور باقی نہیں رہے گی، چناں چہ یہی ہوا کہ جواس زمانہ میں بادشاہ تھااس کے ۱۴/ بادشاہوں کے بعد کسریٰ کی حکومت کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۵۵ وغیرہ)

پیدائش کی تاریخ

آپ کی پیدائش ماہِ ربیع الاول میں ہوئی، اس میں اصحابِ سیر کا اختلاف ہے کہ پیدائش کی تاریخ کونسی تھی؟ بعض نے کہا ۲/، بعض نے ۵/، بعض نے ۹/، اور بعض نے ۱۲/ کہا ہے۔

بہر حال شریعت میں جو اصول ہیں ان کے اعتبار سے محض کسی تاریخ کی اہمیت نہیں؛ البتہ مہینہ ربیع الاول ہی کا متعین ہے، ربیع الاول کو خاص طور پر ان تاریخوں اور ان ایام میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی یاد اور آپ کی سیرت کا تذکرہ اور آپ کے زمانہ کے حالات کا تذکرہ ہمارے لئے بہر حال سعادت کی بات ہے۔

جس وقت آپ کی پیدائش ہوئی، تو تمام خاندانِ قریش کے اندر خوشی پھیل گئی؛ چوں کہ

آپ کے والد ماجد پہلے ہی وفات پا چکے تھے؛ اس لئے آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے آپ کے لئے عقیقہ کا انتظام کیا، تمام خاندانِ قریش کو دعوت دی اور آپ کا نام ''محمد'' رکھا گیا، اور والدہ نے آپ کا نام ''احمد'' رکھا، اور اس نام کے بارے میں ان کو خواب میں بتلا دیا گیا تھا کہ آپ کے یہاں جو بیٹا پیدا ہوگا اس کا نام تم ''احمد'' رکھنا۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کو خبر دے دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی تشریف لائیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ قرآنِ کریم میں سورۂ صف میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

خواجہ عبدالمطلب نے آپ کا نام ''محمد'' رکھا؛ چوں کہ مکہ میں ایسے نام کا تذکرہ نہیں تھا؛ اس لئے لوگوں نے کہا کہ آپ نے تو عجیب وغریب نام رکھا ہے، انہوں نے کہا کہ نہیں میرا بیٹا محمد ہے۔ یہ دونوں (احمد اور محمد) نام ''حمد'' سے ماخوذ ہیں، حمد کے معنی اللہ کی تعریف کرنا، اور احمد کا مطلب ''اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا''۔ اور محمد کا مطلب ''جس کی بہت تعریف کی جائے''۔ چناں چہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام پر یہ دونوں باتیں صادق آتی ہیں، آپ بھی قابلِ تعریف ہیں، اور آپ کی زبانِ مبارک سے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف نکلی ہے کسی اور کی زبان سے اس انداز میں نہیں نکلی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۶۱-۶۲)

خواجہ عبدالمطلب کی نگاہ میں آپ کا مقام ومرتبہ

سردار مکہ خواجہ عبدالمطلب اگر مجلس میں بیٹھے رہتے، تو کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی؛ لیکن پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام جب تشریف لاتے، تو ان کے برابر میں بیٹھتے، کسی کو اگر ناگواری ہوتی تو دادا کہتے کہ اس میرے بیٹے کی الگ ہی شان ہے، اور نہایت تعلق کا اظہار کرتے رہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۸۶)

اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ پہلے ہی وفات پا چکے تھے، بعد میں آپ کی پیدائش ہوئی، اس لئے دادا کو بہت زیادہ پیار تھا، نیز آپ کے والد سے بھی دادا کو بہت پیار تھا؛ کیوں کہ سو اونٹ قربان کر کے ان کی جان بچی تھی، اور پھر جوانی کی عمر (بعض روایات میں ہے کہ کل

۱۸/سال کی عمر) میں مدینہ کے سفر کے دوران ان کی وفات ہوگئی تھی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۴۶)

خلاصۂ کلام

آج کی ان باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ پیغمبر علیہ السلام کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور آپ کا تعلق خاندانِ قریش سے ہے، جو فہر بن مالک کے بعد سے قریش کہلائے جانے لگے، اور یہ پورا خاندان اپنے اخلاق، کردار، طاقت اور قوت کے اعتبار سے اس وقت بھی ممتاز تھا، اور آج بھی ممتاز ہے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادتِ مبارکہ اس مہینہ میں ہوئی جسے ربیع الاول کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد آپ کے بچپن اور بعثت سے پہلے کے حالات ان شاء اللہ وہ کل کی مجلس میں بیان کیے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں سے نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اس مہینہ میں ہمیں کثرت سے درود شریف کا ورد رکھنا چاہیے؛ تاکہ اس کی برکات سے ہم فیض یاب ہوسکیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

شاندار بچپن، پاکیزہ جوانی
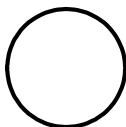
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالضُّحٰی ○ وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ○ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○ [الضحیٰ: ۱-۵]

محترم بزرگو اور بھائیو! آج کی مجلس کا موضوع یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات اور آپ کو نبی بنائے جانے سے پہلے جو حالات اور واقعات پیش آئے ان سے روشناس کرایا جائے۔

دریتیم

کل یہ بتلایا گیا تھا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد ماجد

وفات پا چکے تھے، گویا کہ آپ یتیمی کی حالت میں دنیا میں تشریف لائے، اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی حکمت ہے کہ عموماً والد بچہ کی تربیت کا کام کرتا ہے، اور بچے کو اچھا بنانے میں بظاہر والد کا بڑا دخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد کو اپنے پاس بلا لیا؛ تا کہ کل جب آپ کے اخلاقِ فاضلہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں اور آپ کے حالات سے لوگ واقف ہوں، تو کسی کو یہ کہنے کی مجال نہ رہے کہ باپ کی تربیت کا بڑا اچھا اثر ہوا جس کے نتیجہ میں ایسا بیٹا وجود میں آیا، باپ تو رہے ہی نہیں تو تربیت کیا کرتے، کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملا، تو یتیم بنانے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ پھر جب چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ ماجدہ وفات پا گئیں؛ تا کہ کل کوئی یہ نہ کہہ دے کہ والدہ نے بڑا اچھا سکھلایا؛ کیوں کہ وہ تو سیکھنے کی عمر ہی نہیں تھی، آٹھ سال کی عمر ہوئی تو دادا عبدالمطلب وفات پا گئے، گویا کہ آپ کا بچپن دنیاوی سہاروں کے بغیر گذرا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمالات اور اخلاقِ فاضلہ عاداتِ طیبہ اور بے نظیر علوم سے نوازا۔

آپ نے کس کس کا دودھ پیا؟

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد کچھ دنوں تک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے آپ کو دودھ پلایا، اور اسی دوران آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ کا دودھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی ثویبہ کا دودھ نوش فرمایا؛ اسی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچا اور خالہ زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۲۶۷)

قبیلۂ بنوسعد میں رضاعت

عرب اور بالخصوص قریش کے خاندان کے اندر یہ دستور تھا کہ بچوں کو پیدا ہونے کے بعد دودھ پلانے کے لئے گاؤں دیہات میں کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا؛ تا کہ دیہات کی صاف شفاف آب وہوا میں بچہ پلے بڑھے، اور عرب کی اصلی زبان کو وہ سیکھ لے؛ کیوں کہ دیہات

کی عربی زبان اس زمانہ میں اصلی عربی تھی، اور عربی کا اصلی لہجہ قبائل میں پایا جاتا تھا۔ یہ عام دستور تھا کہ چھوٹے بچوں کو دیہات کی عورتیں دودھ پلانے کے لئے آیا کرتی تھیں، اور خاندان والوں سے بچوں کو لے کر اپنے یہاں چلی جاتی تھیں، خاندان والے ان کو دودھ پلانے کے عوض میں حق الخدمت دے دیا کرتے، مال دار خاندان کا بچہ ہوتا تو زیادہ ملتا اور غریب خاندان کا ہوتا تو کم۔

چناں چہ قبیلۂ بنو سعد کی عورتیں سال بھر میں ایک مرتبہ بچوں کو لینے کے لئے آتیں، حسبِ دستور اس مرتبہ بھی آئیں؛ عورتیں آتیں اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھتیں، جب یتیم ہونے کے بارے میں علم ہوتا تو منع کر دیتیں، یہ سوچ کر کہ جب ان کے والد ہی نہیں تو ہمیں حق الخدمت کیا ملے گا؟ تمام عورتوں نے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ کر (یتیم ہونے کی وجہ سے) منع کر دیا کہ ہم ان کو نہیں لے جائیں گے؛ کیوں کہ ہم کو کچھ نہیں ملے گا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ

انہی عورتوں میں ایک خوش نصیب، سعادت مند خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں، جن کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ قبیلۂ بنو سعد سے تعلق رکھتے تھے، نیز یہ بہت ہی غریب خاندان کے تھے، کھانے پینے کو بھی نہیں تھا اور حضرت حلیمہ سعدیہ خود اتنی کمزور تھیں کہ اپنے گود کے بچہ کو بھی پیٹ بھر دودھ نہیں پلا سکتی تھیں، وہ بھوک اور نیند نہ آنے کی وجہ سے تڑپتا رہتا، ان کی حالت دیکھ کر کسی نے ان کو اپنا بچہ نہیں دیا، قافلہ جانے کا وقت آ گیا، تو حضرت حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ سب تو بچوں کو لے کر جائیں اور میں خالی گود جاؤں یہ مجھ کو پسند نہیں ہے، جب کوئی نہیں ملتا تو وہ یتیم بچہ ہی لے جاتے ہیں، چناں چہ وہ حضرت آمنہ کے پاس آئیں، اور درخواست کی کہ یہ بچہ ہم کو دے دیا جائے۔

آپ کی برکتوں کا ظہور

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کا ہماری گود میں آنا تھا کہ برکتوں کا ظہور ہم نے کھلی آنکھوں دیکھا، چناں چہ جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لیا، تو اللہ تعالیٰ نے سینہ کے اندر دودھ بھر دیا، کئی دنوں سے دودھ بالکل خشک تھا، حضور کے گود میں آتے ہی اللہ نے دودھ

بھر دیا، حضور نے بھی سیراب ہو کر نوش فرمایا اور آپ کا رضاعی بھائی جو میری گود میں تھا اس نے بھی اچھی طرح پیٹ بھر کر پیا، اور سکون واطمینان سے سویا، حالاں کہ دودھ نہ ہونے کی وجہ سے کئی دنوں سے وہ سو نہیں سکا تھا۔ اور ہماری وہ اونٹنی جس کے تھن دودھ نہ ہونے کی وجہ سے لٹک چکے تھے، میرے شوہر جب اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ تھن خوب بھرے ہوئے ہیں، اور جب دودھ دوہا تو برتن پورا بھر گیا، اور ہم سب نے خوب جی بھر کے پیا، اور رات میں اچھی طرح آرام سے سوئے، تو میں یہ کہتی کہ یہ سب اس سعید اور خوش نصیب بچہ کی برکت ہے۔

نیز آپ فرماتی ہیں کہ جب ہم مکہ معظّمہ آئے تھے تو ہماری سواری نہایت کمزور اور لاغر تھی، کمزوری کی بنا پر قافلہ سے پیچھے چلتی تھی؛ لیکن جب ہم نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو لے کر چلے تو وہ سواری سب سے آگے بھاگی چلی جارہی تھی، ساتھ والی عورتیں کہنے لگیں اری حلیمہ! جب تم آرہی تھیں اس وقت تو تمہاری سواری کا یہ حال نہیں تھا، اور اب قافلہ سے آگے تیز چلی جارہی ہو؟ حلیمہ نے فرمایا کہ میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، یہ اس بچہ کی برکت ہے جس کو تم نے یتیم سمجھ کر چھوڑ دیا، یہ یتیم نہیں؛ بلکہ دریتیم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں سراپا برکت رکھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۶۷۷-۶۷۸ وغیرہ)

بکریوں کا بھر پیٹ واپس آنا

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ہمارے قبیلہ میں جانے کی وجہ سے وہ قبیلہ جو انتہائی قحط زدہ تھا، اور پورے قبیلہ کے لوگ قحط سے پریشان تھے؛ لیکن ہمارے گھر میں ایسی برکتیں ظاہر ہوئیں کہ جو ناقابلِ بیان ہیں۔ تمام قبیلہ والوں کی بکریاں چرنے جاتیں، تو خالی پیٹ واپس آتیں؛ لیکن ہمارے گھر کی بکریاں چرنے جاتیں، تو پیٹ بھر واپس ہوتیں۔ لوگ کہتے کہ جس چراگاہ میں حلیمہ اپنی بکریوں کو چرانے کے لئے بھیجتی ہیں تم بھی وہیں بھیجا کرو، حلیمہ فرماتیں کہ یہ چراگاہ کی خصوصیت نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس بچہ کی برکت ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۶۷۸)

بچپن میں عدل وانصاف کا حال

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو دو سال تک دودھ

پلایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی طبعیت میں انصاف رکھا تھا، آپ فرماتی ہیں کہ حضور ہمیشہ میری ایک ہی پستان سے دودھ پیتے تھے، دوسری پستان میں دودھ بھرا رہتا، میں آپ کے منہ سے لگانے کی کوشش کرتی؛ لیکن آپ اس کو قبول نہیں فرماتے تھے؛ کیوں کہ اس کو آپ اپنے رضاعی بھائی کا حق سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بچپن میں بھی عدل وانصاف آپ کی طبعیت اور جبلت میں رکھا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے گھر آپ کی دوبارہ واپسی

دوسال کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لائیں؛ لیکن جی یہ چاہتا تھا یہ دریتیم کچھ دن اور ہمارے ساتھ رہے، تو حلیمہ نے حضرت آمنہ سے درخواست کی کہ اگر چہ مدتِ رضاعت پوری ہوگئی ہے؛ لیکن اگر آپ کی اجازت ہوتو ہم پھران کو اپنے گھر لے جائیں، حضرت آمنہ نے فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی عجیب شان ہے، ٹھیک ہے لے جایئے، چناں چہ حضرت حلیمہ سعدیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ پھر لے آئیں، دوبارہ پھر ڈیڑھ یا دوسال تک حضرت حلیمہ کے یہاں آپ رہے۔

واقعہ شقِ صدر

ایک دن ایسا واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ کے بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کو چرانے کے لئے جنگل تشریف لے گئے، ان بچوں میں سے اچانک دو بچے دوڑتے ہوئے آئے، اور حضرت حلیمہ سے کہنے لگے کہ ہمارے مکی بھائی کو قتل کردیا گیا، دو آدمیوں نے آکر ان کو لٹایا اور سینہ چاک کردیا۔ آج کل کے زمانہ کی سائنسی ترقی تو تھی نہیں کہ آپریشن کے بعد بھی آدمی بچنے کی امید رکھے، اس زمانہ میں سینہ چاک ہونے کا مطلب تو یہ ہوا کہ آدمی قتل ہوگیا، اس کی زندگی کو کون سوچ سکتا تھا؟ چناں چہ حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں دوڑے ہوئے آئے، مگر دیکھا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سہمے ہوئے ایک جگہ کھڑے ہیں، دونوں نے سینہ سے لگایا، معلوم کیا کہ بیٹا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ: ''دو آدمی آئے تھے، مجھے لٹایا میرا سینہ چاک کیا، اس میں سے دل کو نکال کر چاک کیا، زم زم کے پانی سے دل کو دھویا اور کچھ حصہ دل میں سے نکال کر الگ کردیا، اور یہ کہا کہ یہ

شیطان کے وسوسہ والا حصہ تھا، اس کے بعد دل کو ملایا اور اپنی جگہ رکھ کر سینہ کو سی دیا“۔ (مسلم شریف ۹۲/۱، البدایہ والنہایہ ۶۸۰/۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت دکھلائی، نہ خون نکلا نہ تکلیف ہوئی اور اللہ نے ایسا آپریشن کرادیا کہ جو آپ کی شایانِ شان تھا، اس کو شقِ صدر کہا جاتا ہے؛ تاکہ آپ شیطان کے شر سے پوری زندگی محفوظ رہیں، نبی کے لئے یہ ضروری ہے۔

ہم اور آپ تو شیطان کے شر سے متأثر ہوسکتے ہیں، ہمارے دلوں میں غلط خیال آسکتے ہیں، زبان سے شیطان غلط بات نکلواسکتا ہے، غصہ میں بے قابو کرسکتا ہے؛ لیکن اللہ کا جو نبی اور پیغمبر ہوتا ہے اس کے اوپر شیطان کا بس نہیں چل سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ساتھ میں ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے، جس کو ہمزاد کہا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے معلوم کیا کہ حضور! کیا آپ کے ساتھ بھی پیدا ہوا تھا؟ فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی پیدا ہوا؛ لیکن: فَاَسْلَمَ (مجھے کیا گمراہ کرتا وہ تو خود ہی مسلمان ہوگیا) ایک دوسری روایت میں ہے کہ: فَأُسْلَمُ (مجھے اس کے شر سے اللہ نے محفوظ کردیا)

دوسری اور تیسری مرتبہ شقِ صدر

بعض روایات میں ہے کہ آپ پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی اس وقت شقِ صدر ہوا۔ اور تیسری مرتبہ جب آپ معراج کے لئے تشریف لے جارہے تھے اس وقت بھی شقِ صدر کر کے جنت سے لایا گیا علم وحکمت سے بھرا ہوا ایک طشت تھا، اس سے آپ کے دل کو بھر دیا گیا، اس کے بعد آپ معراج کے لئے تشریف لے گئے۔ (مسلم شریف وغیرہ)

الغرض بچپن میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت حلیمہ سعدیہ کو ڈر ہوا کہ اگر کچھ ہوگیا، تو ہمارے سر پڑ جائے گا؛ لہٰذا آپ کو حضرت آمنہ کے پاس واپس لائیں، والدہ ماجدہ فرمانے لگیں کہ تم تو بڑے شوق سے لے گئی تھیں، اب واپس کیوں لے آئیں؟ تو پورا قصہ سنایا، تو حضرت آمنہ کو یہ سن کر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہوا، اور فرمایا کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو میں نے ایک نور دیکھا تھا، جس کی وجہ

سے بصرہ تک کا علاقہ روشن ہوگیا تھا، یہ عجیب وغریب بچہ ہے اس پر شیطان کا بس نہیں چل سکتا، آپ فکرمت کیجئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۷۸)

والدہ ماجدہ کا انتقال

اس کے بعد حضرت آمنہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس رکھ لیا، یہ تقریباً چار سال کی عمر کی بات ہے۔ دو سال تک آپ والدہ ماجدہ کے ساتھ رہے، جب آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ نے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کیا؛ کیوں کہ وہاں ان کا ننہیالی خاندان تھا، وہاں ایک مہینہ تک رہیں اور آپ بھی والدہ کے ساتھ رہے۔ اسی دوران بیماری شروع ہوگئی، مکہ معظّمہ کی جانب واپسی ہوئی، تو مقام ''ابواء'' میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا، اور وہیں پر آپ کی تدفین عمل میں آئی، اس وقت پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر کل چھ سال کی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۸۳)

خواجہ عبدالمطلب کی کفالت اور ان کا انتقال

والدہ ماجدہ کی باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی نگراں تھیں، وہ آپ کو لے کر مکہ معظّمہ آئیں، اور دادا عبدالمطلب کے حوالہ کیا، اب آپ اپنے دادا کی کفالت میں آ گئے؛ لیکن آٹھ سال کی عمر میں آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بیٹے ابوطالب کو وصیت کی کہ میرے اس خوش نصیب، سعادت آثار پوتے کی تم پوری طرح نگہبانی کرنا۔ (البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۸۶)

چچا کی کفالت اور ملک شام کی جانب پہلا سفرِ تجارت

چناں چہ آپ چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے، خواجہ ابوطالب سردار تھے؛ لیکن عیال دار آدمی تھے، مال دار آدمی نہیں تھے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ان کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے، اور جب آپ کی عمر تقریباً ۱۲/ سال اور کچھ مہینہ کی ہوئی تو عرب کے دستور کے مطابق ابوطالب تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے، وہ سامانِ سفر تیار کرنے لگے، حضور چوں کہ بچے تھے؛

اس لئے پریشانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے کا ارادہ نہیں تھا؛ لیکن حضور کو جب معلوم ہوا کہ چچا جان تجارت کے لئے لمبے سفر پر جا رہے ہیں، تو آپ کو تکلیف ہوئی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، تو ابوطالب نے یہ سوچا کہ ان کو اکیلے چھوڑنے میں پریشانی اور تکلیف ہوگی، آپ کو اپنے ساتھ لے لیا۔

بحیرہ راہب سے ملاقات

قافلہ مقام بصریٰ سے گذرتا تھا، وہاں پر ایک راہب رہتا تھا جس کا نام ''بَحیرہ'' یا ''بُحیرہ'' تھا، بعض لوگوں نے ''سرجس'' اور بعض نے ''جرجیس'' کہا ہے۔ یہ عبادت گذار شخص تھا جو اپنی خلوت گاہ سے باہر نہیں نکلتا تھا، اور کسی نے اس کو لوگوں سے ملتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، ہمیشہ عبادت میں لگا رہتا۔ جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو لوگوں نے عجیب وغریب حیرت زدہ بات دیکھی کہ یہ راہب خود اپنے عبادت خانہ سے اتر کر باہر آیا، اور قافلہ والوں کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔ جب اس کی نظر نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام پر پڑی، تو آپ ہی پر نظر جمالی، لوگوں نے اس سے معلوم کیا کہ بھائی کبھی آپ نے اتنا اہتمام نہیں کیا اور آج آپ اس طرح سے کر رہے ہیں، تو اس نے لوگوں سے بتلایا کہ یہ جو صاحب زادے ہیں، یہ تمام عالم کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول بننے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو رحمتِ عالم بنائے گا، اور میں نے اس کا اندازہ اس سے لگایا کہ یہ جہاں جہاں سے گذر رہے تھے، تمام شجر وحجر ان کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے، اور جس جگہ سے یہ گذر رہے ہیں تو بادل ان پر سایہ کر رہا ہے، ان کے شانہ پر مہرِ نبوت ہے، اور اس نے معلوم کیا کہ ان کا کفیل کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ ابوطالب ہیں۔ اس راہب نے کہا کہ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ ان کو یہاں سے آگے مت لے جایئے، یہودیوں میں کچھ شریر اور خبیث لوگ ہیں، اگر وہ ان کو پہچان جائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچائیں؛ کیوں کہ ان کو حسد اور عناد ہوگا، اس لئے کہ ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ آخری پیغمبر ان کے خاندان میں پیدا ہو، اور یہ پیدائش ہوگئی بنو اسماعیل میں۔ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان کو وہاں مت لے جایئے۔ چناں چہ خواجہ ابوطالب نے حضور کو کسی کے ہاتھ وہیں سے واپس کر دیا، یہ آپ کا

پہلا سفرِ تجارت ہے، جو آپ کا اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ہوا۔ (تلخیص: البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۸۸)

حرب الفجار میں آپ کا کردار

اس کے بعد جب آپ کی عمر مبارک ۱۵/ یا ۲۰/ سال کی ہوئی تو عرب میں ''حرب الفجار'' کے نام سے ایک جنگ چھڑی، اس میں دو گروپ تھے: ایک جانب قریش اور کنانہ کے لوگ تھے، اور دوسری جانب قیس عیلان کے لوگ تھے، یہ خوں ریز جنگ کئی مہینوں تک چلتی رہی، پیغمبر علیہ السلام نے بعض ایام اس میں اس طرح حصہ لیا کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر ترکش سے نکال کر ہاتھ میں پکڑاتے تھے، بالآخر اس جنگ کا انجام آپس میں صلح پر ہوا۔ (البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۹۴)

حلف الفضول

اس کے بعد جب آپ کی عمر مبارک ۲۰/ سال سے اوپر ہوئی تو ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلہ زبید کا ایک شخص سامانِ تجارت لے کر مکہ معظّمہ میں آیا، مکہ کے ایک سردار ''عاص بن وائل'' نے اس سے سامان تو خرید لیا؛ لیکن پیسے نہیں دئے، اس بے چارے نے بہت سے لوگوں سے سفارش کی، مگر سبھی نے ہاتھ کھڑے کردئے کہ ہم اس معاملہ میں نہیں پڑ سکتے، تو اس نے پہاڑی پر کھڑے ہوکر کچھ اشعار پڑھے اور اپنی مظلومیت بیان کی کہ میں یہاں آکر لٹ گیا اور مجھ سے سامان لے لیا اور پیسے نہیں دئے، تو زبیر بن عبد المطلب نے ہمت کرکے عبداللہ بن جدعان کے گھر ایک میٹنگ کی، اس میں قریش کے تمام سرداروں کو جمع کرکے یہ تجویز رکھی کہ ''ہم آپس میں عہد کرتے ہیں کہ اس شہر میں اگر کسی بھی شخص کے ساتھ ظلم ہوگا، تو ہم سب مل کر مظلوم کا ساتھ دیں گے اور مظلوم کا حق دلا کر رہیں گے اور ظالم کا بالکل ساتھ نہیں دیں گے''۔ اس عقد کو ''حلف الفضول'' کہا جاتا ہے۔ (الروض الانف مع ابن ہشام ۱/ ۲۴۲)

حلف الفضول کہنے کی وجہ

فضول کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خاندانِ بنو جرہم میں صدیوں پہلے تین آدمیوں نے اسی طرح

کا ایک عقد کیا تھا، جن میں سے دو کا نام ''فضل'' تھا، اور ایک کا نام ''فضیل'' تھا، چوں کہ تینوں کے نام میں ''فضل'' ہے، اس لئے عربی زبان میں اس طرح کے عقد کو ''حلف الفضول'' کا نام دیا گیا ہے۔اس میٹنگ میں اسی عقد کی تجدید کی گئی۔ (الروض الانف ۱/۲۴۲)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام اس عقد میں شریک تھے، اور یہ معاہدہ حضور کو ایسا پسند تھا کہ اسلام کے آنے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ: ''عبداللہ بن جدعان کے گھر پر جو معاہدہ ہوا وہ مجھے دنیا کے تمام مال وزر سے زیادہ پسند ہے، اور آج بھی اگر اس طرح کا کوئی معاہدہ کرے گا، تو میں اس پر دستخط اور اس کی تائید کرنے کے لئے تیار ہوں''۔ اس سے آپ کی شرافت واعلیٰ کردار اور انصاف پروری، اور اللہ تعالیٰ نے طبعیت کے اندر جو استقلال اور اعتدال رکھا تھا اس کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ کا ملک شام کی جانب دوسرا تجارتی سفر

جب آپ کی عمر مبارک ۲۵/سال کی ہوئی اور تمام خاندان میں آپ کی صداقت، امانت، وفاداری اور شرافت کا شہرہ ہوا، تو عرب کی ایک نہایت ہی معزز ترین خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو بڑی مال دار تھیں اور جن کے دو شوہر اس سے پہلے وفات پا چکے تھے، ان سے کچھ اولادیں بھی تھیں، گویا دو شوہروں کی بیوہ تھیں؛ لیکن عزت، شرافت اور مال ودولت کی وجہ سے مکہ معظّمہ کے بڑے بڑے سرداران کو نکاح کا پیغام دے چکے تھے، مگر انہوں نے کسی کا بھی پیغام قبول نہیں کیا تھا) نے آپ کی امانت ودیانت اور صدق ووفا کو دیکھ کر خود ہی یہ پیش کش کی کہ میرا ایک غلام ''میسرہ'' ہے، میں آپ کو مال دیتی ہوں، آپ ان کے ساتھ تجارت کے لئے چلے جایئے، جتنا میں دوسروں کو نفع دیتی تھی، اس سے زیادہ آپ کو نفع دوں گی، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی اس پیش کش کو قبول فرمالیا، اور میسرہ کے ساتھ آپ تجارت کے لئے تشریف لے گئے۔

میسرہ کا بیان ہے کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے نشانیاں دیکھیں، علامات دیکھیں، آپ کے ذاتی اخلاق واوصاف کے علاوہ ظاہری طور پر بھی میں نے یہ احساس کیا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کے

ساتھ خصوصی معاملہ ہے۔اس زمانہ میں سفر پیدل یا اونٹنی پر ہوتا تھا،ٹھہرنے کی جگہ بھی درخت کے علاوہ کچھ نہیں، جنگل بیابان میں کیکر کے درخت، جن میں چھن چھن کر دھوپ آتی تھی۔میسرہ نے دیکھا کہ جب آپ کی سواری چلتی تو ساتھ ساتھ بادل کی ایک ٹکڑی بھی آپ پر سایہ کئے ہوئے چلتی تھی۔میسرہ نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نے بھری دوپہر کے اندر پیڑ کے نیچے قیام فرمایا،سورج تو اپنی جگہ پر نہیں رہتا کبھی ادھر سے آیا کبھی اُدھر سے آیا؛ لیکن جدھر آپ تشریف فرما تھے پیڑ اسی جانب جھک جاتا تھا؛ تاکہ آپ کے اوپر سے سایہ ہٹ نہ جائے،ان چیزوں کا خود انہوں نے مشاہدہ کیا۔

نسطورا راہب سے ملاقات

اسی طرح راستہ میں پرانی کتابوں کا جاننے والا عبادت گذار ''نسطورا'' نامی ایک راہب ملا،اس نے بھی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھ کر اسی طرح کی باتیں کہیں جیسے پہلے والے راہب ''بحیرہ'' نے کہی تھیں۔(البدایہ والنہایہ ۱/۶۹۸)

بہرحال نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام سفرِ تجارت پورا کر کے جب واپس تشریف لے آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جتنا نفع اور اسفار میں ہوتا تھا،اس سے کہیں زیادہ نفع لاکر آپ نے دیا۔تو حضرت خدیجہ بہت زیادہ متأثر ہوئیں،اور اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم بننے کی سعادت حاصل کریں۔

حضرت خدیجہ کا پیغام نکاح

چناں چہ خود حضرت خدیجہ نے اپنی سہیلی (جن کا نام نفیسہ تھا) کے ذریعہ سے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو پیغام نکاح بھیجا، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے چچا جناب ابوطالب سے مشورہ کیا تو ان کو بھی بڑا تعجب ہوا کہ اس میں تو بظاہر کوئی جوڑ ہی نہیں ہے؛ لیکن جب یہ اندازہ ہوا کہ بات بن سکتی ہے تو بات طے ہوگئی، رشتہ اور نکاح ہوگیا، پیغمبر علیہ السلام نے اس زمانہ کے اعتبار سے ۲۰/اونٹ مہر میں ادا فرمائے۔(البدایہ والنہایہ ۱/۶۹۹)

پیغمبر علیہ السلام کی ازدواجی زندگی پر ایک نظر

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے جو وفاداری نبھائی ہے وہ بے نظیر ہے، حضرت خدیجہ سے نکاح کے وقت آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر ۲۵ رسال کی تھی، اور حضرت خدیجہ دو شوہروں سے بیوہ ہو کر ۴۰ رسال کی ہو چکی تھیں۔ ۲۵ رسال یہ اور پھر ۱۵ رسال بعد آپ کو نبوت ملی، اس کے دس سال بعد حضرت خدیجہ کی وفات کا سانحہ پیش آیا، گویا ۲۵ رسال نبی اکرم ﷺ نے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کو اپنے نکاح میں رکھا، اور ان کی زندگی میں آپ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں فرمائی، اس کے بعد ہی آپ نے دیگر شادیاں کیں۔ آپ ﷺ کی جتنی بھی اولادیں ہوئیں، (سوائے ایک صاحب زادے حضرت ابراہیمؓ کے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے) وہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئیں۔ جن میں تین صاحب زادے ہیں: (۱) قاسم (۲) طیب (۳) طاہر۔ (ان تینوں کی بچپن ہی میں وفات ہوگئی) اور چار صاحب زادیاں ہیں: (۱) حضرت زینب (۲) حضرت رقیہ (۳) حضرت ام کلثوم (۴) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہن۔ (البدایہ والنہایہ ۱/ ۶۹۹)

ان چار صاحب زادیوں میں سے تین صاحب زادیاں (پہلی تین) آپ کی زندگی میں وفات پاگئیں، اور آپ کی چھوٹی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے آپ کی وفات کے چھ مہینے بعد وفات پائی، اور آپ کی پوری دنیا کے اندر جو نسل چلی ہے، وہ تمام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں (جو حضرت خدیجہ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں) اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی، شاید ہی کسی خاندان میں ایسی برکت ہوئی ہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دو صاحب زادے ہیں: (۱) سیدنا حضرت حسن (۲) سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ پوری دنیا کے اندر ان دونوں کی نسل پائی جاتی ہے، کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ان کی نسل کے لوگ موجود نہ ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا ثمرہ ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کے تعدد ازدواج کی بحث

میں عرض کر رہا تھا کہ بہت سے غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں اور ان خبیث عیسائی مبلغین نے

تو اپنی کتابوں میں مغلظات بھر رکھی ہیں کہ یہ دیکھو پیغمبر نے نو-نو اور گیارہ- گیارہ شادیاں کیں۔

تو ان کو دیکھنا چاہئے کہ شادی کرنے کی عمر کونسی ہوتی ہے؟ آپ کی صداقت اور امانت کا حال یہ تھا کہ بلاشبہ آپ عرب کی کسی بھی حسین ترین نوجوان، نوخیز دوشیزہ کو ایک نہیں؛ بلکہ دسیوں دوشیزہ کو آپ اپنے نکاح میں رکھ سکتے تھے، کوئی انکار نہ کرتا؛ بلکہ لوگ خوشی سے اور سعادت سمجھ کر کے آپ کے خاندان سے ربط قائم کرنے کے لئے آپ کو اپنی لڑکیاں دیتے؛ لیکن آپ نے پوری جوانی کا زمانہ ایک ایسی عورت کے ساتھ گذارا جو دو شوہروں کی بیوہ تھیں۔ خود یہ بات ثابت ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ کو پیش کش کی تھی جب آپ نے اسلام کی دعوت پیش کی کہ ہماری لڑکیاں حاضر ہیں، جو چاہو اور جس سے چاہو تمہارا نکاح کرا دیا جائے؛ لیکن یہ دعوت کا کام چھوڑ دو، پیغمبر علیہ السلام نے اس معاملہ میں کوئی مداہنت نہیں فرمائی؛ بلکہ پچاس باون سال کا زمانہ ایک عورت کے ساتھ گذار دیا۔

اس کے بعد حضرت سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (وہ بھی بیوہ تھیں) سے نکاح فرمایا، پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا، پھر اور ازواجِ مطہرات نکاح میں آئیں۔ ان تمام ازواجِ مطہرات میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا نکاح فرمانا اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں تھا؛ بلکہ دین کی ضرورت کی تکمیل کے لئے تھا، بعض ازواجِ مطہرات کا تو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست نکاح فرمادیا، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح (جو پہلے حضرت زید بن حارثہؓ جو آپ کے متبنی تھے ان کے ساتھ ہوا تھا) آسمانوں پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ. (الاحزاب: ۳۷)

پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض، تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا؛ تا کہ نہ رہے مسلمانوں پر تنگی۔

چناں چہ آپ نے کوئی مجلس نکاح ان کے لئے منعقد نہیں فرمائی، آیت کے نازل ہونے کے بعد ان سے براہِ راست تعلق قائم فرمایا، حالاں کہ آپ کے دل میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان

سے نکاح ہو، اس کو آپ بھی سمجھتے تھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ لے پالک کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں، ان کی زوجہ مطلقہ کو آپ کے نکاح میں داخل فرمایا؛ تاکہ قیامت تک کے لئے یہ رسم بالکل ختم ہو جائے۔

اسی طرح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح میں لیا گیا، یہ عرب کے سردار حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی تھیں، ابوسفیان وہ ہیں جنہوں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے دو بڑی بڑی جنگیں سپہ سالار بن کر لڑی ہیں، جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آگئیں، تو قدرتی طور پر وہ ڈھیلے پڑ گئے کہ یہ تو ہمارے داماد ہو گئے، ان سے کیسے لڑا جائے؟ اس میں بھی حکمتِ خداوندی تھی۔

متعدد نکاح فرمانے کی ایک اور حکمت

اسی طرح عورتوں کے جو مسائل ہوتے ہیں، تو وہ براہِ راست انہیں معلوم کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اس لئے آپ کے حرم محترم میں ایسی ازواجِ مطہرات کی ضرورت تھی جو اعلیٰ درجہ کی عقل مند ہوں، عورتوں کے مسائل سنیں، حضور تک پہنچائیں، حضور ان کو جواب دیں اور وہ ان عورتوں کو سمجھائیں، اس مقصد کے تحت آپ نے متعدد نکاح فرمائے؛ لیکن جب تک کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باحیات رہیں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ (مسلم شریف ۲۸۴/۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی نہایت فہم وفراست والی خاتون تھیں، ایسی فہم وفراست بھی بہت خال خال عورتوں کو نصیب ہوتی ہے، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام ان کو زندگی بھر یاد فرماتے رہے، ان کا جب تذکرہ آجاتا یا ان کی کوئی سہیلی آجاتی، تو حضور ان کا بڑا اکرام فرماتے تھے، کبھی کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برا لگ جاتا۔

ایک مرتبہ تو فرمانے لگیں کیا آپ اس عورت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں کہ جس کو مرے ہوئے بھی ایک لمبا زمانہ ہو گیا، اور اب اللہ تعالیٰ نے ان سے زیادہ حسین وجمیل عورتیں آپ

کو عطا فرمادیں مگر آپ انہیں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ (مسلم شریف ۲؍۲۸۴) مگر حضور کیوں نہ یاد فرماتے؟ ان کی پیغمبر علیہ السلام کو سنبھالنے اور سہارا دینے کے لئے جو دین کے لئے خدمات ہیں وہ عجیب وغریب ہیں۔

بیت اللہ شریف کی تعمیرِ نو

اس کے بعد جب آپ کی عمر مبارک ۳۵؍سال کی ہوئی تو مکہ معظّمہ میں ایک اہم واقعہ پیش آیا، بیت اللہ شریف جو آج ہمیں نظر آتا ہے، یہ اس طرح کا نہیں تھا؛ بلکہ یہ اس طرح بنا ہوا تھا کہ نو گز اس کی اونچی اونچی دیواریں تھیں اور چھت نہیں تھی، پرانا زمانہ ہونے کی وجہ سے دیواریں جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھیں، اس کے اندر کچھ قیمتی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، چوروں نے نقب لگا کر انہیں چرالیا، کسی وقت سیلاب آیا جس کی وجہ سے اس کی بنیادیں کمزور پڑ گئی تھیں۔

چناں چہ قریش کے لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ بیت اللہ شریف کمزور اور بوسیدہ ہوتا جارہا ہے، اس کو نیا بنایا جائے، چناں چہ بات طے ہوگئی اور مشورہ ہوا کہ دیکھو یہ اللہ کا مبارک گھر ہے، اس میں حرام اور مشتبہ آمدنی کا ایک پیسہ بھی نہیں لگائیں گے، جتنا بھی ہوسکے حلال کمائی کا لگایا جائے۔ زناکاری، سود اور سٹے کی آمدنی اس میں نہیں لگ سکتی، یہ اللہ کا گھر ہے۔ وہ لوگ جو کہ کافر اور بت پرست تھے اور ان میں ہر طرح کی برائیاں اور خرابیاں پائی جاتی تھیں، وہ بھی حلال وحرام کے بارے میں جانتے تھے کہ اللہ کے گھر میں حرام نہیں لگ سکتا ہے۔

چناں چہ چندہ جمع ہوا، اولاً بنیادوں کو نکالا گیا اس کو زمین کے برابر کیا پھر اس کو اٹھایا گیا، لیکن چندہ کم پڑ گیا اتنا نہیں ہوسکا کہ پورا بیت اللہ شریف بن جائے، اب کیا کریں؟ چندہ اور ہوتا نہیں؛ کیوں کہ آج کل کے زمانہ جیسی وسعت نہیں تھی۔ تو مشورہ میں یہ طے ہوا کہ جو حطیم والا حصہ ہے (یہ جو گول دائرہ ہے جو لوگ حج کو گئے انہوں نے دیکھا ہوگا، دراصل اس میں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبریں ہیں، اس کو مقام حجر کہتے ہیں، اور حطیم میں تقریباً چھ ہاتھ کا جو آنے جانے کا راستہ ہے، یہ اصل بیت اللہ میں داخل تھا، یہی دراصل حطیم ہے جو بیت اللہ کے حکم میں ہے) (فتح

الملہم) تو مشورہ میں یہ بات آئی کہ ہمارے پاس پیسہ کم ہے دیوار بنا کر چھت نہیں ڈالی جاسکتی؛ اس لئے یہ چھ ذراع کا حصہ جانبِ حجر میں چھوڑ دیا جائے، جب کبھی وسعت ہوگی تو بنالیا جائے گا۔اس چھوڑنے پر بھی اللہ کی حکمت رہی کہ ہم جیسے غریبوں کو بھی وہاں جانے کا موقع مل گیا، ورنہ تو بیت اللہ کے اندر ہم جیسا غریب کوئی جا ہی نہ پاتا، تو اللہ نے ایسی حکمت کی کہ اس حصہ کے چھوٹنے سے عام آدمی بھی بیت اللہ میں جاسکتا ہے؛ کیوں کہ وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔ پہلے چھت نہیں تھی تو ۶ ر ستون ان لوگوں نے اندر بنائے اور اس کے بعد چھت ڈال دی گئی۔ (سیرت ابن ہشام ۱؍۲۳۷)

حجرِ اسود کے تنصب میں آپ ﷺ کا حکیمانہ فیصلہ

تعمیر کے دوران ایک اہم مرحلہ یہ آیا کہ جب حجرِ اسود تک دیواریں پہنچیں، تو حجرِ اسود کو کون لگائے؟ اس پر جھگڑا شروع ہوگیا، جاہلوں کا قبیلہ تو تھا ہی، ذرا ذرا سی باتوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنادیا جاتا کہ فلاں قبیلہ والوں نے حجرِ اسود رکھا ہماری بے عزتی کردی، اسی پر تلواریں تن گئیں، پانچ چھ دن تک یہ مسئلہ گرما گرم رہا کہ حجر اسود کون لگائے؟ حالاں کہ ایسی کوئی بڑی بات تو تھی نہیں تعمیر میں کوئی بھی لگا سکتا ہے، مگر اسی میں ہٹ دھرمی شروع ہوگئی۔

بالآخر ان میں سے ایک سردار امیہ بن المغیر ۃ نے یہ کہا کہ آخر کب تک لڑتے رہوگے، اور کہا کہ طے کرو کل صبح جو آدمی پہلے نمبر پر مسجد میں آئے اس کو ہم اپنا حکم بنالیں گے، جو وہ کہے اس کا فیصلہ ہم سب تسلیم کریں گے، لوگوں نے کہا یہ رائے سب سے بہتر ہے۔اب صبح کا انتظار ہونے لگا، چناں چہ صبح دیکھا کہ سب سے پہلے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے تو دیکھتے ہی سب کے سب کہنے لگے کہ ہاں یہ آدمی سچا اور امین آ گیا، اور ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور معلوم کیا کہ کیا قصہ ہے؟ بتلایا کہ یہ جھگڑا چل رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک چادر لے آؤ، چادر لائی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں کتنے قبیلے ہیں؟ چناں چہ بتلایا گیا، آپ نے فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنا ایک ایک نمائندہ لے آئے، جب سب کے نمائندے آ گئے، تو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو یہ حجرِ اسود رکھا ہے، اگر آپ سب مل کر مجھے اپنا نمائندہ بنادو، تو میں اس

کو چادر میں رکھ دوں، سب نے کہا بہت اچھا اور آپ نے فرمایا کہ میں نے خود نہیں؛ بلکہ آپ ہی کی طرف سے رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس چادر کو سب اٹھالیں تو سب نے پکڑ لی، جب اس جگہ پہنچے جہاں پر پتھر لگانا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو آپ ہی کی طرف سے میں پھر اس کو لگا دوں، سب نے کہا کہ بہت اچھا، آپ نے چادر سے اٹھا کر اس کو نصب کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ایک بہت بڑی لڑائی ختم کرادی۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۱/۲۴۶)

تو نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ نہایت اکرام واعزاز کا زمانہ تھا، جس مجلس میں آپ پہنچ جائیں وہاں آپ کی عزت وتکریم ہوتی، آپ کے پاس لوگ امانت جمع کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نوعمری اور نوجوانی کے زمانہ میں بھی سراپا عفیف، پاک دامن، باحیا اور باکردار بنایا۔

گانے کی آواز سے نیند کا طاری ہوجانا

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بکریاں چرانے گیا ہوا تھا، میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں مجلس میں دیکھ کر آتا ہوں کیا ہورہا ہے تم میری بکریاں سنبھالو، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لے آئے تو دیکھا کہ گانے کی آواز آرہی ہے، آپ نے معلوم کیا کہ کیا ہورہا ہے؟ بتلایا گیا کہ شادی ہورہی ہے، جیسے ہی گانے کی آواز آپ کے کان میں پڑی، تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند طاری فرمادی، پوری رات آپ سوتے رہے؛ تا آں کہ جب سورج طلوع ہوگیا تب بیدار ہوئے؛ تاکہ آپ کے کان میں گانے کی آواز نہ آسکے۔ (حاشیہ دلائل النبوۃ ۱/۱۲۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس زمانہ میں بھی ایسی حفاظت فرمائی؛ تاکہ کل کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ اچھا آج نبی بن کر آگئے ہو، کل تو پارٹی میں ہمارے ساتھ تھے، کسی کو کہنے کی مجال نہیں۔

ستر کھلنے سے آپ کا بے ہوش ہوجانا

اسی طرح جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہورہی تھی، تو آپ بھی پتھر لا لاکر اس میں لگا رہے تھے، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا! یہ جو لنگی پہن رکھی ہے، اس کو

کندھے پر رکھ لو؛ تاکہ کندھا پتھر سے چھل نہ جائے؛ کیوں کہ ان لوگوں کے یہاں ننگا رہنا کوئی عیب کی بات نہیں تھی، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا جیسے ہی ستر کھلا فوراً آپ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، پھر فوراً آپ کھڑے ہوئے اور تہبند زیب تن فرمایا، اس کے بعد سے آپ کو کبھی بے لباس نہیں دیکھا گیا۔ (مسلم شریف ۱۵۴/۲)

اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں تھا کہ ہمارا محبوب ایسی صورت میں رہے جو لوگوں اور فرشتوں کو ناگوار گزرے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کا بچپن بھی قابلِ رشک گزروایا اور جوانی بھی نہایت شاندار، پاکیزہ اور صاف ستھری گزری، آپ کی کسی بات پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی، اللہ تعالیٰ نے ایسی صاف شفاف زندگی عطا فرمائی۔ اسی وجہ سے جب مکہ معظّمہ کے لوگ آپ کی باتوں کا انکار کرتے تھے، تو قرآنِ پاک میں فرمایا گیا کہ آپ کہئے: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً مِنْ قَبْلِهِ﴾ (یونس: ۱۷) میں تمہارے لئے کوئی اجنبی آدمی نہیں ہوں، چالیس سال کا زمانہ تمہارے درمیان میں نے گزارا ہے، میری زندگی کا ایک ایک دن ایک ایک رات تمہارے سامنے کھلی کتاب کے مانند ہے۔

کوئی شخص آپ کو محمد کے نام سے نہیں پکارتا تھا؛ بلکہ آپ کا لقب ''امین، صادق'' پڑ گیا تھا، یعنی امانت دار، سچے، جھوٹ سے نفرت کرنے والے، بے حیائی اور بت پرستی سے نفرت کرنے والے، کسی ایک غلط بات میں بھی آپ نے نہ نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد ساتھ دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبعیت کے اندر ایسی خوبیاں رکھی تھیں، اچھے اخلاق رکھے تھے۔ کوئی بھی پریشان حال آتا تو آپ اس کی مدد فرماتے، کوئی مسافر نظر آتا آپ اس کی رہنمائی کرتے، کوئی بوڑھا شخص بوجھ کی وجہ سے پریشان ہوتا آپ اس کا بوجھ اٹھالیتے، یہ آپ کی صفاتِ عالیہ تھیں، تو ہمارے آقا ومولیٰ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بچپن بھی قابلِ رشک تھا۔

قابلِ تقلید زندگی

آج ہمیں بھی اپنے بچوں کا بچپن ایسا ہی بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، یاد رکھئے گا کہ آدمی

بچپن ہی سے بنتا ہے، اور بچے کی جیسی نشو ونما ہوگی، جیسا ماحول ملے گا، بڑے ہوکر ایسے ہی اثرات اس کے اندر سرایت کریں گے۔ دنیا کی ہر چیز کی ترتیب اللہ نے بنائی، جو بڑا ہونے والا ہوتا ہے بچپن سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی کے آثار، فضیلت کے آثار، شرافت کے آثار، عزت کے آثار بچپن سے ہی ظاہر تھے، آپ کی بچپن کی زندگی بھی ہمارے لئے قابلِ تقلید وقابلِ اتباع ہے، جوانی کی زندگی بھی قابلِ اتباع۔ جوانی کا زمانہ جذبات کا زمانہ ہوتا ہے، آدمی جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتا، لذتوں اور غفلتوں میں پڑ جاتا ہے، مثل مشہور ہے: ''جوانی دیوانی''۔ جوان شخص کچھ کرنے پر آتا ہے تو کر کے رہتا ہے، اچھے برے کو نہیں سمجھتا؛ لیکن پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ جوانی کی زندگی بھی قابلِ رشک ہے، اور جوانوں کے لئے اس میں عبرت ہے کہ ہماری جوانی بھی ایسی ہی عفت والی ہونی چاہئے۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے امت کے جوانوں کو وصیت فرمائی کہ اگر تم نے جوانی پاکیزگی والی، عزت والی، تقویٰ والی، اور اللہ کی عبادت والی گزاری تو میں قیامت کے دن کی ضمانت لیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ (مسلم شریف ۱/۳۳۱)

جوانوں کے لئے کھڑکی کھلی ہوئی ہے، سیٹ بک کراؤ، قیمت کیا ہے؟ جوانی کی عبادت واطاعت۔ لذتوں میں مت پڑو، یہ لذتیں چٹکیوں میں ختم ہوجائیں گی، کام آنے والی چیز زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی وہ زندگی ہے جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقہ پر گذاری جائے۔

اللہ تعالیٰ بچوں اور جوانوں کو صلاح وفلاح سے نوازے، اور پوری زندگی عافیت کے ساتھ گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

وحی کی ابتداء، دعوت کا آغاز
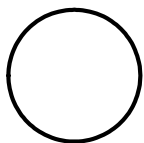
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى ○ [النجم: ٣-٤]

بعثتِ مبارکہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب عمر مبارک ۴۰ رسال کی ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، نبوت ایک منصب اور مقام ہے، جو تمام مخلوقات میں سب سے اونچا منصب شمار ہوتا ہے، اور یہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ جو آدمی اپنی محنت سے یا کوشش سے حاصل نہیں کرسکتا۔

مثلاً دنیا میں کوئی شخص عالم بننا چاہے تو کورس، کتابیں پڑھ لے، استاذ کے پاس رہ لے، محنت کر لے، امتحان پاس کر لے، تو اس کو عالم ہونے کی ڈگری مل جائے گی۔ اسی طرح دنیوی علوم کا حال ہے کہ ڈاکٹری پڑھ کر آدمی ڈاکٹر بن جاتا ہے، انجینئر نگ پڑھ لینے سے انجینئر بن جاتا ہے، حکومت کے منصب پر آدمی پہنچنا چاہے تو محنت وکوشش کرتا ہے، لوگوں کو تیار کرتا ہے، گروپ اور پارٹی بناتا ہے، تو حکومت کا منصب مل جاتا ہے۔

لیکن نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ آدمی اپنی مرضی سے نبی بن جائے یہ ناممکن ہے، نبی تو وہی بنے گا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اس مقام ومرتبہ کے لئے منتخب فرمائے گا، اور خود نبی کو بھی نبی بننے سے پہلے پتہ نہیں رہتا کہ مجھے نبی بنایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اچانک نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی تربیت پہلے سے فرماتے ہیں؛ تاکہ ان کی زندگی میں کوئی ایسی بات نہ پائی جائے کہ کل جب نبی بنے تو کوئی انگلی اٹھائے؛ لیکن نبوت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ. (الانعام: ١٢٥) اللہ خوب جانتا ہے جہاں بھیجے اپنا پیغام۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا بچپن اور آپ کی جوانی بہت صاف شفاف، بہترین پاکیزہ گزری ہے، اور آپ اس معاشرہ میں جو سراپا بت پرستوں کا معاشرہ تھا، بتوں کی پوجا ہوتی تھی، شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور گھر گھر میں پی جاتی تھی۔ جوا، سٹہ، زناکاری اور بے حیائیاں برسرِ عام تھیں؛ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام چیزوں سے مبرا منزہ اور پاکیزہ تھے، قریب بھی نہیں گئے، اور بت پرستی کی نفرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈال دی تھی۔

اسی کے ساتھ ساتھ نبوت ملنے سے پہلے مکہ معظّمہ میں کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ جنہوں نے بت پرستی سے نفرت کا اظہار کیا، اور اس زمانہ میں مذہبِ حق (نصرانیت) کو اختیار کیا، اور بعض نے دینِ ابراہیمی پر اپنے کو جمایا۔

زید بن عمرو بن نفیل کی ایک راہب سے ملاقات

انہیں میں سے ایک صاحب زید بن عمرو بن نفیل تھے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ان سے ملے اور فرمایا کہ اپنی قوموں کو دیکھتے نہیں؟ یہ لوگ اپنے ہی ہاتھوں سے بت بناتے ہیں اور خود انہیں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہے؟ یہ بت تو خود اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں، تو ہمیں تمہیں کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں؟ تو زید بن عمرو نے کہا مجھے بھی ان سے نفرت ہے، اور میں دینِ حق کی تلاش میں اِدھر اُدھر گیا تو مجھے ایک مسیحی راہب نے یہ بتلایا کہ تم اپنے وطن واپس جاؤ؛ کیوں کہ وہاں آخری نبی کے ظہور ہونے کا وقت قریب آچکا ہے، اور وہ جب تشریف لائیں، تو تم ان پر ایمان لانا، تو زید بن عمرو نے کہا کہ میں منتظر ہوں؛ لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا؛ البتہ میں اپنے کو دینِ ابراہیمی پر قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ اور کہا کہ: اَنَا عَلٰی دِیْنِ اِبْرَاھِیْمَ ۔ (میں دین ابراہیمی پر ہوں) لیکن پیغمبر علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہی ان کی وفات ہوگئی؛ کیوں کہ انہوں نے یہ اعلان کردیا تھا کہ میں دین ابراہیمی پر ہوں اس لئے وہ نجات پائیں گے۔ (الروض الانف ۱/۲۸۳)

اسی طرح ورقہ بن نوفل ان کے علاوہ اور بھی چند ایسے حضرات تھے کہ جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی رمق عطا فرمادی تھی، اور یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب آخری رسول کا سورج طلوع ہونے والا ہے، اندھیریاں چھٹنے والی ہیں، نور پھیلنے والا ہے، اور خود پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو ایسے خواب دکھلانے شروع کئے گئے کہ جن کی تعبیر اس طرح صادق آتی تھی جیسے صبح کی روشنی، جو رات میں دیکھا صبح ویسے ہی نظر آیا، یہ سلسلہ چلتا رہا۔

آپ کا غارِ حراء میں جانا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تنہائی پسندی ڈال دی، تو لوگوں سے الگ ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی زمین وآسمان کی پیدائش، اس کی قدرت وصفاتِ عالیہ میں غور وفکر کرنے کی جانب طبعیت راغب ہوئی، تو آپ نے بیت اللہ شریف سے ہٹ کر ایک پہاڑ جس کو "جبلِ نور" کہا جاتا ہے، اس پہاڑ کی چوٹی کے

پاس ایک غار ہے جس کو ''غار حراء'' کہتے ہیں، اس غار میں آپ تشریف لے جانے لگے، کئی کئی دن آپ وہاں مقیم رہتے، اور اپنے ساتھ کھانے پینے کے لئے کچھ توشہ لے جاتے، جو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنا کر دے دیا کرتیں، جب وہ ختم ہو جاتا، تشریف لے آتے اور پھر لے کر چلے جاتے، کئی کئی دن آپ وہاں پر مقیم رہتے تھے۔ (بخاری شریف ۲/۱، مسلم شریف ۸۸/۱)

غار حراء کو منتخب فرمانے کی وجہ

علماء نے لکھا ہے کہ اس جگہ کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بیت اللہ شریف وہاں سے سیدھا نظر آتا تھا، (اور واقعی اس کا جائے وقوع ایسا ہے کہ اگر درمیان سے عمارتیں ہٹ جائیں تو آج بھی بیت اللہ شریف نظر آئے گا) دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں پر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی عبادت کیا کرتے تھے، اس لئے بھی آپ نے اس جگہ کو منتخب فرمایا۔

جب آپ کی عمر مبارک ۴۰ر سال یا ۴۰ر سال ۶ر مہینہ کی ہوئی (اگر چالیس سال مانی جائے تو ربیع الاول کا مہینہ ہوتا ہے، کیوں کہ آپ کی پیدائش ربیع الاول میں ہوئی، اور اگر ۴۰ر سال ۶ر مہینہ کی مانی جائے تو رمضان المبارک کا مہینہ پڑتا ہے، دونوں اقوال ہیں۔ اور ربیع الاول کی کونسی تاریخ؟ بعض نے ۸ر اور بعض نے ۱۲ر ربیع الاول کہا ہے، اور رمضان المبارک کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے، بعض نے ۱۷ر، بعض نے ۲۱ر اور بعض نے ۲۴ر کہا ہے، اور زیادہ تر محدثین نے رمضان المبارک کو ترجیح دی ہے؛ اس لئے کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا۔)

وحی کا آغاز

سب سے پہلی وحی آپ پر غارِ حراء میں نازل ہوئی، اس لئے قرینۂ قیاس یہ ہے کہ رمضان المبارک کا یہ قصہ ہے) تو جب آپ غار حراء میں تشریف فرما تھے، تو اچانک آپ کے پاس سید الملائکہ (فرشتوں کے سردار) حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے، اور آپ سے فرمایا

کہ: اِقْـرَأْ۔ پڑھئے! (بعض روایات میں ہے کہ وہ ایک ریشم کے کپڑے پرلکھی ہوئی آیات لائے تھے) اور فرمایا کہ اسے پڑھئے! پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: مَـا اَنَـا بِـقَارِی. یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کیسے پڑھوں؟ ایسے شخص کو کہ جو پڑھا ہوا نہ ہو اور اس کے سامنے کتاب کھول کر رکھ دیں کہ پڑھو تو وہ کیا کہے گا؟ کیا وہ پڑھ سکتا ہے؟ ہمارے لئے پڑھا ہوا نہ ہونا یہ ایک عیب کی بات ہے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کے لئے امی ہونا قرآنِ کریم میں آپ کی صفت بیان کی گئی ہے: اَلـنَّبِیُّ الْاُمِّیْ. (ایسے نبی جو امی ہیں جو پڑھے لکھے نہیں ہیں، یہ ان کے لئے شرافت اور عزت کی بات ہے، آپ کہیں گے کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ آپ فرمارہے ہیں: مَـا اَنَـا بِقَـارِی (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) یہ شرافت کیسے ہے؟ لیکن بات اصل میں یہ ہے کہ اگر آپ پڑھے ہوئے ہوتے پھر آپ قرآنِ کریم پیش فرماتے اور اچھی باتوں کو بتلاتے، تو سب کہنے والے کہتے کہ انہوں نے علم حاصل کیا، پرانی کتابوں کو پڑھ کر یہ اپنے الفاظ میں بیان کر رہے ہیں۔

کسی کے پاس پڑھنے لکھنے کے لئے جاتے تو لوگ کہتے کہ استاذ نے بڑا اچھا علم سکھلایا کہ ایسی باتیں ان کی زبان سے نکل رہی ہیں جس کا کوئی جواب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کو منقطع کردیا، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے پرانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ تو آپ نے فرمادیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کیسے پڑھوں؟

دیگر حضرات نے یہ فرمایا کہ مـا انا بقاری کا مطلب یہ ہے کہ اچانک فرشتہ کو دیکھ کر آپ وحشت میں پڑ گئے، اور اس وحشت کی وجہ سے آپ فرمانے لگے کہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں پڑھوں۔ آدمی جب رعب میں آجائے تو دماغ کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ کیا کروں؟

جبرئیل علیہ السلام کا آپ کو بھینچنا

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے پکڑ کر بھینچ دیا، اور اتنی زور سے دبایا کہ جان نکلنے کو ہوگئی، پھر فرمایا کہ: اقرأ، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے

پھر کہہ دیا: ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کیسے پڑھوں؟) تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ بہت زور سے بھینچا، اس کے بعد فرمایا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (القلم: ١-٤)

پڑھیئے! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھیئے! اور آپ کا رب نہایت کریم ہے جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے سکھلایا۔ اور انسان کو ایسی باتیں بتلائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔

حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو لوگ علم سیکھتے ہیں اس کا سب سے بڑا ذریعہ قلم ہے، قلم کے بغیر کام نہیں چلتا؛ کیوں کہ قلم ہی کے ذریعہ سے کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ آج تو سب کمپیوٹر سے لکھا جاتا ہے، تو کمپیوٹر بھی تو قلم ہی ہے اس کی صورت بدل گئی، ہے قلم ہی۔ چناں چہ قلم کے ذریعہ سے تمام علوم دنیا میں محفوظ ہیں، پڑھے جاتے ہیں، نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں، صدیوں پہلے کتابیں لکھی گئیں، آج ہم ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اگر کتابیں نہ لکھی جاتیں تو فائدہ کیسے ہوتا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ لوگوں کو بغیر قلم کے سکھلاتے ہیں، وحی کے ذریعہ سے اپنی جانب سے علم عطا فرماتے ہیں۔

نبی اور عام انسانوں میں فرق

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اگرچہ انسان تھے اور انسانی صفات ان میں پائی جاتی تھیں؛ لیکن ان میں اور عام انسانوں میں فرق یہ تھا کہ عام انسانوں پر وحی نہیں آتی، نبیوں پر وحی آتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے بذریعۂ وحی قائم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت نازل فرماتے ہیں۔ کچھ ایسی وحی ہوتی ہے جو پڑھی جاتی ہے جس کو وحی متلو کہا جاتا ہے، جیسے قرآنِ مقدس۔ اور کچھ ایسی وحی ہوتی ہے جو نبی کی زبان سے صادر ہوتی ہے، اس کو وحی غیر متلو اور احادیث کہا جاتا ہے، نبی کا ہر فرمان سو فیصد برحق ہوتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی باتوں کو لکھنے کے لئے ایک صحابی نے کاپی بنائی؛ چناں چہ جو حضور فرماتے وہ اس کو لکھ لیتے۔ بعض صحابہ نے پیغمبر علیہ السلام سے شکایت کی کہ یہ صحابی آپ کی ہر بات کو لکھ لیتے ہیں، کبھی آپ غصہ میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں ہوتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری زبان سے کوئی بات (غصہ میں ہو یا خوشی میں) غلط نہیں نکل سکتی، اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کی غلط باتوں سے پوری طرح حفاظت فرماتے ہیں، ورنہ نبی اور غیر نبی میں کیا فرق ہوگا؟

قابلِ توجہ بات

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی ہے، اس کا سب سے پہلا لفظ "اقــرأ" ہے، گویا تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ، اور ہم لوگ تعلیم ہی میں سب سے زیادہ بے توجہی کا معاملہ کرتے ہیں؛ کیوں کہ ﴿اِقْـرَأْ بِـاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ پڑھئے! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ خالق کی معرفت بھی ضروری ہے، اور خالق کی معرفت اسی دین سے آئے گی جس کو علم دین، علم شریعت اور کتاب وسنت کہا جاتا ہے۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب یہ صورت پیش آئی، تو آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اور آپ وہاں سے سیدھے گھر تشریف لے آئے، اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ:

زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ إِنِّيْ خَشِيْتُ عَلىٰ نَفْسِيْ. (مسلم شریف ۸۸/۱) مجھے کملی اڑھا دیجئے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔

حضرت خدیجہ کا آپ کو اطمینان دلانا

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کی

صورت پیش آئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پوری امت اور انسانیت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں کہ آپ نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو ڈھارس دلائی، اور بڑے شان دار الفاظ استعمال کئے۔ فرمایا کہ:

كَلَّا وَاللّٰـهِ لَا يُـخْزِيْكَ اللّٰـهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَـصِـلُ الرَّحْـمَ، وَتَـقْرِيْ الضَّيْفَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُكْسِبَ الْـمَـعْـدُوْمَ وَتُـعِـيْـنُ عَـلـىٰ نَوَائِبِ الْحَقِّ. (مسلم شريف ۸۸/۱)

قسم ہے اللہ کی، اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں فرمائیں گے، آپ رشتہ داریوں کو جوڑتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، فقیر کو آپ کما کر دیتے ہیں، کسی بھی مصیبت میں آپ مددگار بن جاتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کی خدمت میں

اس کے بعد پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو عیسائی ہو گئے تھے اور انہوں نے عبرانی زبان سیکھ لی تھی، اور انجیل کو عربی زبان میں نقل کیا کرتے تھے، بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے) کے پاس لے گئیں، اور پورا قصہ سنایا کہ آج یہ صورتِ حال پیش آئی، تو حضرت ورقہ نے مکمل تفصیل سن کر فرمایا کہ خوش خبری قبول کیجئے، یہ جو شخص آپ کے پاس آئے تھے، جنہوں نے آپ سے کہا: اقرأ - یہ وہی فرشتہ ہے جو سیدنا حضرت موسیٰ اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وحی لاتے تھے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ: ”کاش! میں اس وقت زندہ رہتا اور آپ کی مضبوط مدد کرتا، جب آپ کو آپ کے شہر والے یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے“۔ (گویا ہجرت کی جانب اشارہ کیا) (بخاری شریف ۳/۱، مسلم شریف ۸۸/۱)

ورقہ بن نوفل کی باتوں پر حیرت کرنا

نبی علیہ السلام یہ سن کر حیرت میں پڑ گئے کہ چالیس سال تک لوگوں نے مجھے سر پر بٹھایا، نام لینا کوئی گوارا نہ کرتا، امین وصادق کہہ کر پکارا جاتا، کسی مجلس میں چلا جاؤں، صدر مقام پر بٹھایا جاتا،

لوگ میری اتنی عزت واحترام کرتے ہیں، ایسا دن بھی آئے گا کہ یہاں سے نکلنا پڑے گا۔

أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ ؟ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟

حضور کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، ورقہ نے فرمایا ہاں ایسا ہوگا، اور جو شخص بھی آپ جیسی دعوت لے کر دنیا میں آیا ہے، اس کو ان حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ (بخاری شریف ۱/۳)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کو اس کے آباء واجداد کے مذہب سے ہٹانا آسان کام نہیں ہے، اور وہ جاہلانہ معاشرہ جو صدیوں سے جہالت میں پڑا ہوا تھا، اس کو راہِ حق پر لانا ہنسی کھیل کی بات نہیں ہے۔

وحی کا سلسلہ ٹوٹ جانا

بہر حال نبی علیہ السلام پر یہ پہلی وحی نازل ہوئی، اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور کچھ عرصہ تک منقطع رہا؛ لیکن وحی کی ایسی عجیب وغریب چاشنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں پیدا کر دی کہ اب آپ منتظر رہنے لگے کہ وہ صورت دوبارہ کب پیش آئے، اور نہ آنے کی وجہ سے طبعیت پر ایسی گرانی سی ہوتی کہ آپ یہ چاہتے کہ پہاڑ پر جا کر اپنے کو گرا لیں، وحی کیوں نہیں آ رہی ہے؟ یا تو پہلی وحی سے ایک رعب سا طاری ہو گیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے وحی روک کر کے شوق میں اضافہ فرما دیا، اور آپ کی نظر وحی کے انتظار میں ہر وقت آسمان کی جانب رہنے لگی۔ (مسلم شریف ۱/۸۹)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دوبارہ حاضری

اسی درمیان آپ مکہ کی وادی میں چلے جا رہے تھے، اچانک آواز آئی: ''یا محمد''! ادھر اُدھر آگے پیچھے دیکھا کوئی نظر نہیں آیا، پھر آواز آئی، پھر دیکھا، لیکن کوئی نظر نہیں آیا، پھر آواز آئی تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، وہ اس صورت میں ہے کہ ان کے ۶۰۰ / بازو ہیں، اور تمام مشرق ومغرب ان سے بھرا ہوا ہے، یہ دیکھ کر حضور پر ایک غشی سی کی کیفیت طاری ہو گئی، اور اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ. (المدثر: ١-٥)

اے کملی والے، اب آپ کھڑے ہوئے لوگوں کو جہنم سے ڈرائیے، اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے، اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے، ان بتوں سے آپ علیحدگی اختیار کرلیجئے۔

یہ دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس کے بعد پھر تا زندگی یہ سلسلہ جاری رہا۔
(مسلم شریف ۱/۸۹)

بعض روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو وضو کرایا، اور نماز سکھلائی، یہ وہ پانچ نمازیں نہیں ہیں جو معراج میں فرض ہوئیں؛ بلکہ اس سے پہلے ہی آپ نے نمازیں پڑھنی شروع فرمادی تھیں؛ لیکن وہ صرف دو وقتوں کی نمازیں دو دو رکعتیں تھیں، صبح فجر کی اور شام عصر کی۔ اور غالباً ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ میں اسی جانب اشارہ ہے۔

چپکے چپکے اسلام کی دعوت

جب یہ آیت: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دینی شروع کردی؛ اس لئے کہ اگر آپ اعلان فرماتے تو جو سردارانِ مکہ تھے وہ ہرگز اس کو قبول نہ کرتے؛ اس لئے کہ شرک اور بت پرستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور آپ جانتے ہیں کہ مذہب کا تبدیل کرنا آدمی کے لئے سب سے مشکل ترین کام ہے۔ آدمی آسانی سے ہر چیز کرلیتا ہے؛ لیکن مذہب نہیں بدلتا، کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، اور وہ لوگ جو صدیوں سے ایک مذہب مانتے چلے آئے تھے، انہوں نے اپنے الگ الگ معبود بنا رکھے تھے، بیت اللہ شریف میں ۳۶۰/ بت رکھ دئے تھے، وہ سب بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت پر کیسے راضی ہوتے، اس لئے پیغمبر علیہ السلام نے شروع میں نہایت حکمتِ عملی سے دعوت کا کام شروع کیا۔

حضرت خدیجہ کا اسلام

سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی دعوت پر

لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف عطا فرمایا کہ آپ کے ہاتھ پر پہلی شخصیت اسلام لانے والی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے، انہوں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۵۴-۱۵۵)

ورقہ بن نوفل اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسلام

اس کے بعد ورقہ بن نوفل ایمان لائے، اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جو آپ کے بھتیجے تھے، اور آپ ہی کی کفالت میں آپ کے ساتھ رہتے تھے) کل دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۵۵)

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اسلام

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، جن کو ڈاکوؤں نے مکہ کے بازار میں لاکر بیچ دیا تھا، وہ شدہ شدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں آئے، اور حضرت خدیجہ نے ان کو پیغمبر علیہ السلام کو ہبہ کردیا، ان کے والد کا نام حارثہ بن شراحیل تھا، وہ اپنے قبیلہ میں بیٹے کی یاد میں بہت پریشان رہتے تھے، اور قبیلہ کے سامنے سے حاجیوں کے قافلے گذرتے تھے تو بیٹے کی یاد کے غم میں اشعار پڑھتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر کسی کو ہمارے نورِ نظر زید کا پتہ ہو تو ہم کو بتلاؤ، تو حج کے قافلہ والے ان کی تلاش میں رہتے، چناں چہ ایک قافلہ نے مکہ معظّمہ آکر پتہ لگالیا، تو انہوں نے واپسی میں ان کے والد کو خبر کی کہ آپ کا بیٹا مکہ میں ہے، چناں چہ حارثہ اور ان کے بھائی کعب (حضرت زید کے چچا) مکہ معظّمہ آئے، اور تلاش کرتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچے، اور عرض کیا کہ حضرت ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمارا بیٹا آپ کے پاس ہے، آپ جتنا فدیہ لینا چاہیں لے لیں؛ لیکن بیٹا ہمارے حوالے کردیں، (یہ بعثت سے پہلے کی بات ہے) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ پیسہ وغیرہ کی کوئی بات نہیں؛ لیکن زید کو میں اختیار دیتا ہوں چاہے تو وہ آپ کے ساتھ چلا جائے اور دل چاہے تو

میرے ساتھ رہے، میں زبردستی آپ کے ساتھ نہیں بھیج سکتا اس کی مرضی ہے، چناں چہ وہ لوگ بہت خوش ہوئے کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے حضرت زید کو بلایا، جب سامنے آئے تو معلوم کیا کہ ان کو جانتے ہو؟ حضرت زید نے فرمایا کہ یہ میرے والد ''حارثہ'' اور یہ میرے چچا ''کعب'' ہیں، حضور نے فرمایا کہ یہ تمہیں لینے آئے ہیں، اور میرا معاملہ بھی تمہارے سامنے ہے، میں تمہیں سو فیصد اختیار دیتا ہوں چاہے میرے ساتھ رہو، اور چاہے تو ان کے ساتھ چلے جاؤ، تمہاری خوشی ہے جس پر تم راضی اسی میں ہم بھی راضی ہیں، تو حضرت زید بن حارثہ نے فوراً بلاتوقف کہہ دیا کہ میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا، میں تو آپ ہی کی خدمت میں رہوں گا، وہ باپ اور چچا چیخ اٹھے کہ ارے زید! اس غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو؟ تمہیں آزاد رہنے کا موقع مل رہا ہے، اور تم غلام رہنا پسند کرتے ہو؟ حضرت زید نے فرمایا کہ آپ کو معلوم نہیں، میں نے حضرت میں کیا بات دیکھی ہے؟ میں تو یہیں رہوں گا۔ پیغمبر علیہ السلام کو اتنی خوشی ہوئی کہ حضور نے حضرت زید کا ہاتھ پکڑا اور میدان میں جا کر جہاں لوگ جمع تھے، اعلان فرمایا کہ: ''آج سے زید آزاد ہے اور میں ان کو اپنا بیٹا بناتا ہوں''، آپ نے ان کو اپنا لے پالک اور متبنی بنایا، اور جب تک وہ حیات رہے ان سے آپ بے انتہا محبت فرماتے رہے، ان کے بعد ان کے صاحب زادہ حضرت اسامہ سے بھی نہایت محبت فرماتے رہے، تو یہ زید بن حارثہ تیسرے نمبر پر اسلام میں داخل ہوئے، یہ سب آپ کے گھر کے لوگ تھے۔ (الاصابہ ۲/۴۹۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسلام

اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں میں ایمان کی دعوت پیش کی، جن میں آپ کے پہلے ہی سے سب سے زیادہ قریبی رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے کسی کے سامنے ایمان کی دعوت پیش کی تو اس نے ضرور کچھ نہ کچھ توقف کیا اور سوچنے کی مہلت مانگی، سوائے ابوبکر کے، جیسے ہی میں نے دعوت دی فوراً ہاتھ پھیلا دیا کہ بس میں بھی اسلام میں داخل ہوتا ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۳۱)

اس اعتبار سے تمام امت کے بڑے مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، غلاموں اور آزادشدہ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اسلام

اس کے بعد پھر اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے تاجر اور ملنسار تھے، لوگوں میں ان کا بڑا اعتماد تھا، ان کی کوششوں سے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، اسی طرح حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اسلام لائے، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے، یہ سب اکابر درجہ کے (السابقون الاولون جنہیں کہا جاتا ہے) صحابہ ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے، ان کا شمار بڑے مستجاب الدعوات صحابہ میں ہوتا ہے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (جن کو حضور نے امین ہذہ الامۃ کا لقب دیا ہے) اسلام لائے، حضرت ارقم بن ابی الارقم بھی اسلام میں داخل ہوئے، اور ان کا گھر پیغمبر علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں مرکز بنا، جس کو دار ارقم کہا جاتا ہے، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ اور عبداللہ بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسلام

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کرایہ پر جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے، یعنی کسی کے ملازم تھے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں سے گذرے، تو حضور نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ دودھ وغیرہ کا انتظام ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت میں تو بکریوں کا مالک نہیں ہوں، میں تو امین ہوں،

میں آپ کو دودھ کیسے پلاسکتا ہوں؟ تو حضور نے فرمایا کہ ایسی بکری لاؤ جس میں بالکل دودھ نہ ہو، اور وہ دودھ دینے کے قابل بھی نہ ہو؛ کیوں کہ بکری جب تک گابھن نہ ہوتو وہ دودھ دینے کے قابل نہیں ہوتی، ایسی بکری لے کر آؤ، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسی ہی بکری پیش فرمادی، پیغمبر علیہ السلام نے دعا مانگی اور اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے، چناں چہ اس کا دودھ نکال کر سب نے پیٹ بھر کر پیا، پھر آپ نے تھن سے فرمایا کہ خشک ہوجا! وہ بکری جیسی تھی ویسی ہی ہوگئی اور دودھ کا کوئی قطرہ نہ نکلا۔ تو اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمایا؛ کیوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایسی عجیب وغریب بات جو کسی آدمی کے بس کی نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور نصرت کی دلیل ہے۔

اس طرح سے ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی، اور عام طور پر لوگ اس سے زیادہ واقف بھی نہ تھے، یہ لوگ خفیہ طور پر الگ الگ جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے، اور ان کو کوئی قوت حاصل نہیں تھی، مکہ کے سردار عام طور پر ان باتوں سے دور اور کنارہ کش تھے؛ لیکن الحمد للہ ایک ایک دو دو ہو کر جماعت بڑھتی رہی۔

قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ. (الشعراء: ۲۱۴) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

اب یہ کام کیسے ہو؟ چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے قریبی رشتہ داروں کی دعوت کی، جس میں صرف چالیس لوگ حاضر ہوئے، اور کھانا صرف ایک پیالہ یا ایک ڈونگہ تھا، نبی اکرم علیہ السلام نے ایک بوٹی پر کچھ پڑھ کر اس میں ڈال دیا، جس کی برکت سے چالیس آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا تناول کیا اور سالن میں کچھ کمی بھی نہ ہوئی، پھر ایک پیالہ میں دودھ لایا گیا، آپ نے اس پر دم کیا جس کی برکت سے اس کو سب نے پی لیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوگئے تو آپ کچھ کہنا چاہتے تھے؛ لیکن آپ کے چچا ابولہب (جو سب سے زیادہ آپ کا مخالف تھا) نے کہا کہ آپ لوگ جانتے

ہیں، محمد نے کھانے پر جادو کر دیا، ان سے بڑا جادوگر تو میں نے کوئی نہیں دیکھا، اور یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا، جس کی بنا پر ساری مجلس ختم ہوگئی، اور آپ کچھ نہیں کہہ پائے۔

دوبارہ کھانے کی دعوت

اس کے بعد پھر آپ نے کھانے کی دعوت پر لوگوں کو جوڑا، جب وہ کھانا کھا چکے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت پیش فرمائی، اور سمجھایا کہ جس راستہ پر تم لوگ ہو یہ راستہ صحیح نہیں ہے، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں، اور اگر تم نے نہیں مانا تو پھر تم کو کوئی بچا نہیں پائے گا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے اپنے تمام خاندان والوں کا نام لے کر اعلان فرمایا کہ اے بنی فلاں ......، تا آں کہ اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی نام لیا، اور فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا.

(مسلم شريف ١/١١٤)

پیاری فاطمہ! تم خود (ایمان لاکر) اپنے کو جہنم سے بچانے کا انتظام کرو، ورنہ میں تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا۔

اس لئے کہ باپ ہونا الگ بات ہے، باپ ہونے کی وجہ سے دنیاوی حیثیت سے عزت مل جائے یا دنیاوی اعتبار سے نفع پہنچ جائے، ممکن ہے؛ لیکن آخرت میں محض کسی کا باپ ہونا کام نہیں دے گا؛ بلکہ ایمان وعمل ضروری ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تمام خاندان والوں کو یہ بتلا دیا کہ یہ مت سمجھنا کہ ہمارا پیغمبر علیہ السلام سے تعلق ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیں نجات دے دیں گے، یہ نہیں ہوسکتا، ایمان ضرور لانا پڑے گا۔ اعمالِ صالحہ کرنے پڑیں گے، جہنم سے بچنے کا انتظام خود کرنا پڑے گا۔

صفا پہاڑی پر تمام لوگوں کا اقرار

اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اعلان کیا: یا صباحاہ! (اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی اہم بات ہوتی تو پہاڑ پر چڑھ کر پکار لگاتے تھے) لوگوں نے معلوم کیا کس کی آواز ہے؟ کہا گیا کہ محمد کی، قریش اور سب خاندان کے سربرآوردہ لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے،

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھئے! میں اوپر کھڑا ہوں تم نیچے کھڑے ہو؟ اگر میں یہ کہوں کہ دشمن پوری تیاری کے ساتھ موجود ہے اور وہ تمہارے اوپر اچانک حملہ کرنے کا پلان بنارہا ہے، کیا تم میری تصدیق کروگے؟ تمام موجودہ لوگوں نے بغیر کسی توقف کے یہ کہا کہ ہم نے آپ کی پوری زندگی کبھی بھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا، یعنی جب بھی آپ نے بات کہی تو سچی بات کہی ہے۔ جب سب لوگوں نے اقرار کرلیا تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرارہا ہوں، اگر تم نے شرک سے توبہ نہیں کی، اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا، اگر تم نے میری رسالت کو قبول نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا ہے۔

ابولہب نے واک آؤٹ کیا

جب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی، تو ابولہب نے ناگواری سے ہاتھ جھٹکے، اور یہ کہا:

تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا.   تمہارا ایسا ویسا ہو، کیا تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟

اور یہ کہہ کر مجلس سے واک آؤٹ کر کے چلا گیا، اسی سلسلہ میں سورت نازل ہوئی، اور فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ.   ابولہب کے ہاتھ تباہ و برباد ہوں۔

(تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۴۶۸)

چچا ہونے کے باوجود ایسی حرکت کرتا ہے، قابلِ لعنت ہے۔ بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح انفرادی اور اجتماعی طور پر، مجمع میں اور لوگوں کے پاس جاکر دین کی دعوت پیش کرتے اور اس میں آپ کے چچا ''ابوطالب'' جو ایمان نہیں لائے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں محبت ڈال دی تھی کہ پیغمبر علیہ السلام کی نصرت وحمایت کریں گے اور پیچھے سے تعاون کریں گے، وہ چوں کہ مکہ کے سردار تھے؛ اس لئے پیغمبر علیہ السلام کو ان کی وجہ سے ایک طرح کی قوت حاصل تھی، اور گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پشت پناہ بنارکھا تھا، مگر وہ خود اسلام نہیں لا سکے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو دکھلانا تھا کہ حضور جس کو چاہیں اپنی مرضی سے اسلام میں داخل کردیں، یہ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اللہ جس کو چاہیں گے وہ ہدایت پائے گا۔ ورنہ آپ کی عین خواہش تھی کہ یہ محترم چچا

جنہوں نے پوری زندگی حمایت کی ہے، یہ تو نجات پا جائیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے دکھلایا کہ نہیں، ہدایت صرف اور صرف ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ. (القصص: ٥٦)

آپ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں یہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت دے سکتے ہیں۔ (مسلم شریف ۱/۴۰)

آپ کی مخالفتیں

جوں جوں اسلام کی ترقی ہورہی تھی اسی اعتبار سے مکہ معظّمہ میں مخالفتیں بھی بڑھ رہی تھیں، اور پیغمبر علیہ السلام کو جن تکلیفوں سے گذرنا پڑا ہے ان کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اور ہم لوگ اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ ایک نہایت شریف اور عزت دار آدمی کو لوگ منہ پر برا بھلا کہیں، کیا دل پر گذرتی ہوگی؟ کئی مرتبہ پیغمبر علیہ السلام کے چہرۂ مبارکہ پر ان ملعونوں نے تھوک دیا (نعوذ باللہ من ذالک) (الروض الانف ۲/۴۰)

آپ کی پیٹھ پر اونٹ کا اوجھ رکھ دیا

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں تشریف لائے، تو قریش کے غنڈوں کا ایک جتھا بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے آپس میں یہ بات کہی کہ فلاں محلّہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کیا اچھا ہو جب محمد سجدہ میں جائیں تو لاکر ان کے اوپر لاددیں؟ اس امت کا سب سے بدترین، بدنصیب اور ملعون شخص ''عقبہ بن ابی معیط'' اٹھا، اور کہا کہ میں اس کام کو انجام دیتا ہوں، گیا اور کھینچ کر لایا، اور جب حضور سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے آپ کے اوپر اوجھ کو ڈال دیا۔ وہ اتنا بھاری تھا کہ پیغمبر علیہ السلام خود اٹھ نہیں پائے، اور ان خبیثوں کا یہ ٹولا بیٹھا ہوا مذاق بناتا رہا، اور کسی کی اٹھانے کی مجال نہیں تھی، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی نے خبر کی کہ آپ کے والد محترم کے ساتھ کسی نے ایسا کیا ہے، وہ آئیں کسی طرح اس کو دھکا دے کر ہٹایا، تب آپ کو سکون ہوا۔ پیغمبر علیہ السلام کو اس قدر اذیت ہوئی کہ آپ نے وہیں پر بددعا کے لئے ہاتھ اٹھادئے،

اوران ملعونوں (جو بیٹھے ہوئے ٹھٹھول کررہے تھے) کا ایک ایک کا نام لے کرآپ نے بدعا کی تو سب کا ٹھٹھول جاتا رہا؛ کیوں کہ یقین تھا کہ حضور نے جس کے خلاف بددعا کردی ہے اس کی خیر نہیں۔ (مسلم شریف ۲/۱۰۸)

آپ کا بددعا کرنا

ایک خبیث نے آپ کے ساتھ شرارت کی، تو آپ نے اس کے لئے بددعا کردی کہ اے اللہ العالمین! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرمادے، (وہ عتبہ کالڑکا تھا) چناں چہ وہ سفر میں گیا، ایک جگہ قافلہ ٹھہرا، تو دیکھا کہ شیر غرارہا ہے، اس نے کہا کہ مجھے اس شیر سے بچاؤ؛ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے بددعا کررکھی ہے، تو لوگوں نے اس کو قافلہ کے بالکل بیچ میں سلایا، تو شیر رات میں سب کو سونگھتا اور دیکھتا ہوا آیا اور اس شخص کو کہ جس کے بارے میں حضور نے فرمایا تھا، چیر پھاڑ کر ختم کردیا۔

اسی طرح آپ کے اوپر کوڑا کرکٹ ڈالا گیا، فقرے کسے گئے، مجنون کہا گیا، جادوگر کہا گیا، شاعر کہا گیا، الغرض ستانے کے جو بھی طریقے ہوسکتے تھے اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ایمان لاتے تھے، ان کے ساتھ اذیتوں کا معاملہ رہتا۔

اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون

حضرت عمار بن یاسر، ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، یہ تینوں حضرات کفار مکہ کے عتاب کا نشانہ بنے۔ ابوجہل لعین ومردود نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرم گاہ میں برچھی ماری، جس کی وجہ سے وہ شہید ہوئیں اور اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون کہلائیں۔ قصور صرف اور صرف یہ تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ (حیاۃ الصحابہ ۱/۳۰۸)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیہ بن خلف کا عمل

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے آقا ''امیہ'' نے اس قدر ستایا، تپتی ہوئی

ریت پر لٹایا، پتھر رکھ کر کے جس سے سارا بدن جھلس جاتا، ان کے پیروں میں رسی باندھ کر غنڈوں اور نوجوانوں کو کہہ دیتا کہ ان کو کھینچ کر لے چلو، پتھریلی زمین ہے، گرمی کا زمانہ ہے، بدن چھل رہا ہے، خون نکل رہا ہے، لیکن ان کی زبان پر ایک ہی لفظ ''احد-احد'' (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، پیغمبر رسول ہیں) تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۶۴) ہر قربانی برداشت کی؛ لیکن جو دین رگ وریشہ میں اتر چکا تھا، اس کو چھوڑنا گوارا نہیں فرمایا۔ انہوں نے صرف ایک نظریہ پیش کیا کہ اللہ ایک ہے، اور یہ معبود جن کے سامنے تم سر جھکاتے ہو، بے اصل اور بے بس ہیں، جب یہ بے بس ہیں، تو تمہارے نفع ونقصان کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟

ایک اہم سوال

آج ہم مہذب دنیا سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان بے چاروں کا قصور کیا تھا؟ انہوں نے کسی کا مال ہڑپ نہیں کیا، کسی کی حکومت غصب نہیں کی، کسی کو ستایا نہیں، کسی کے اوپر ظلم نہیں کیا، انہوں نے ایسا کیا قصور کیا جس کی وجہ سے ان کو ستایا جا رہا تھا؟ جس کی وجہ سے ان کے خلاف پلاننگ کی جا رہی تھی، ان کی زندگی اجیرن کی جا رہی تھی۔

لوگ جتھے بنا کر ابوطالب کے پاس آتے تھے اور کہتے کہ اپنے بھتیجہ کی آپ حمایت چھوڑ دیجئے۔ ایک مرتبہ ان پر اتنا اثر ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کو بلایا اور کہا کہ: ''میاں بھتیجے! تم میری حالت دیکھ رہے ہو میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میرے اوپر زیادہ بوجھ مت ڈالو، ذرا کچھ نرمی اختیار کرو''؛ چناں چہ پیغمبر علیہ السلام کو چچا کی باتوں سے بہت رنج ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ: ''چچا جان سن لیجئے! اگر دنیا والے میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اور مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک نہ پہنچاؤں، مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا، آپ کو حمایت کرنی ہے کریں، نہ کرنی ہو تو نہ کریں، میرا مالک اللہ ہے''۔ یہ کہہ کر وہاں سے روتے ہوئے اٹھ گئے، چچا کو خیال آیا پھر بلایا اور کہا: ''میاں بھتیجے! سن لو میری جان میں جب تک جان ہے، تمہاری حمایت

کروں گا اور تمہیں کسی کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ (الروض الانف مع سیرت ابن ہشام ۲/۷-۸)

ایک مرتبہ مشرکین جتھا بنا کر ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ یہ ''عمارہ'' ولید کا بیٹا ہے، یہ عرب کا سب سے خوب رو اور سب سے خوب صورت جوان ہے، سب سے سمجھ دار ہے، آپ اسے بیٹا بنا لیجئے، اور اپنے بھتیجہ کو ہمارے حوالے کر دیجئے، ہم اس کو قتل کر دیں گے، (نعوذ باللہ من ذلک) ابو طالب بولے: ''اچھا! بڑے انصاف کی بات کر رہے ہو، تمہارے بیٹے کو میں پالوں اور اپنا پلا ہوا بھتیجہ تمہارے حوالے کر دوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا''۔ (الروض الانف ۲/۹)

آپ کا حاجیوں کے خیمہ میں تشریف لے جانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر ان خیموں میں چلے جاتے، جہاں لوگ آ کر ٹھہرتے تھے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام آگے آگے تشریف لے جا رہے ہیں، اور ان کے پیچھے ایک بھینگا شخص یہ کہتا ہوا جا رہا ہے کہ اس کی باتیں مت سننا، یہ جادوگر ہے اس کا دماغ اپنے حال پر نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں، ایک ایسا آدمی جو خالص خیر خواہی چاہتا ہے، اسے یہ ہرزہ گوئی سن کر کیسی اذیت ہوتی ہوگی؟ کیوں کہ حضور کا کوئی ذاتی فائدہ تو نہیں تھا۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میں تم سے کوئی چیز نہیں مانگتا، میں تو صرف اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ جہنم سے بچ جاؤ، اس کے علاوہ آپ کی اور کوئی غرض نہیں تھی۔ قرآنِ کریم میں ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ. (الشعراء: ۳) گویا کہ آپ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے۔

ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی فکر آپ پر ایسی سوار تھی، یہی فکر امت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سابقین اولین جنھوں نے اس نازک موڑ پر اسلام قبول کیا اور ''اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ'' کا کلمہ بلند کیا اور تمام تر تکلیفوں کے

باوجود اسی پر جمے رہے، اور استقامت کا ثبوت دیا، ان کی زندگیاں ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں۔

ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا ہے، کیا ہمارے اندر بھی لوگوں کو دین کی طرف بلانے اور دعوت کی ایسی ہی فکر ہے؟ کیا ہمارے اندر بھی ایمان کی ایسی ہی مضبوطی ہے کہ نہ لالچ ہلا سکے اور نہ دھمکی ہٹا سکے؟ کیا ہمارے دلوں میں بھی پیغمبر علیہ السلام کی ایسی ہی محبت اور جانثاری ہے، جیسی محبت ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں سمائی ہوئی تھی؟ اس کا ہمیں جائزہ لینا ہے۔ ان واقعات کا منشا حالات سنانا نہیں ہے؛ بلکہ ان واقعات سے جو تأثر ہوتا ہے، جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، ان کو دیکھ کر اپنی زندگی کا جائزہ لینا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان ویقین عطا فرمائیں، سیرت پر چلنے کے جذبات ہمارے چھوٹوں بڑوں کے اندر عام فرمائیں، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتوں سے نوازیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

معجزاتِ نبویؐ
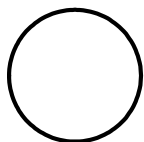
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً ○ [بنی اسرائیل: ۸۸]

معجزات کی ضرورت کیوں؟

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کا ایک اہم پہلو آپ کو عطا کردہ معجزات ہیں، جنہیں آج کی مجلس میں بیان کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ایسی نشانیاں عطا فرمائی ہیں، جن کو دیکھ کر آدمی آپ کے پیغمبر ہونے کا یقین کرلے، اور یہ بہت ضروری چیز ہے۔

مثلاً ہمارے پاس آ کر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے وزیر اعظم نے بھیجا ہے، تو ہم بغیر کسی دلیل کے اس کو وزیر اعظم کا قاصد نہیں مان سکتے؛ بلکہ اس کا آئی ڈی پروف دیکھیں گے، اور کوئی ایسی تحریر دیکھیں گے جس سے یقین آ جائے، اس کے بغیر یقین کرنا بڑا مشکل ہے۔ عرب کے اندر یہ دستور تھا کہ اگر لوگ کسی کو کوئی پیغام دے کر بھیجتے، تو کوئی نشانی دیتے؛ تا کہ لوگ مان لیں کہ یہ بات سچ کہہ رہا ہے۔

ایک مثالی واقعہ

مثال کے طور پر ایک مرتبہ عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام مدینہ منورہ میں صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، تو آپ اچانک مجلس سے اٹھ کر تشریف لے گئے اور کافی دیر ہوگئی واپس نہیں آئے، تو صحابہ کو فکر ہوئی؛ کیوں کہ مدینہ کے قرب وجوار میں یہودی رہتے تھے، تو سب لوگ تلاش میں نکل پڑے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تلاش کرتے کرتے ایک باغیچے کے قریب پہنچا؛ لیکن اندر جانے کا کوئی راستہ مجھے نظر نہیں آیا، ایک نالی سی دکھائی پڑی، جس میں سے میں سمٹ کر (جس طرح لومڑی وغیرہ سمٹ کر اندر گھستی ہے) اندر گھس گیا، اندر جا کر دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام وہاں تشریف فرما ہیں۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ! تم یہاں کیسے آئے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت! پورے مدینہ میں کہرام اور کھلبلی مچی ہوئی ہے، لوگ متفکر اور تلاش کر رہے ہیں، میں بھی تلاش کرتے کرتے یہاں تک پہنچا، تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارکین ان کے ہاتھ میں دئے، اور فرمایا کہ یہ میرے نعلین لے جاؤ اور راستہ میں جو بھی تم سے ملے اس سے کہنا کہ:

مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. جس نے کلمہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ پڑھا وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ (مسلم شریف ۱/۴۵)

اس واقعہ کو سنانے کا مقصد یہ ہے کہ حضور ویسے بھی بھیج سکتے تھے کہ ابو ہریرہؓ جاؤ اور یہ بتلا دو، لیکن آپ نے اپنے نعلین ساتھ دئے؛ تا کہ سننے والے کو یقین آ جائے کہ واقعی یہ حضور کے پاس سے آ رہے ہیں؛ کیوں کہ حضور کے نعلین کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کیسے ہیں؟ بہر حال کسی بڑے

کی جانب سے جب کسی کو قاصد بنایا جائے تو اس کا اطمینان دلانا ضروری ہے، اس کے بغیر لوگ مان نہیں پائیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مسلم شریف کی روایت ہے:

مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ. (مسلم شریف ۸٦/۱)

دنیا میں کوئی بھی نبی ایسے تشریف نہیں لائے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی ایسی نشانی نہ دی ہو، جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائیں۔

چناں چہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے، تو پتہ چلے گا کہ ہر نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کوئی نشانی عطا فرمائی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، کتنے دنوں تک ان کو جلانے کے لئے آگ دہکائی گئی، اور سب نے مل کر ان کو آگ میں ڈال دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْداً وَسَلَاماً عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ. (الانبياء: ٦٩)

ہم نے آگ سے کہہ دیا کہ آگ! تم میرے پیارے ابراہیم کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک کا سبب بن جاؤ۔

جو آگ جلانے والی ہے اسی آگ کو اللہ تعالیٰ نے سلامتی کی چیز بنا دیا، ایک معجزہ صادر ہوا۔ معجزہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ: ’’جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہو‘‘۔

اسی طرح سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جب نبوت عطا فرمائی تو معلوم کیا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى. قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى. قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى. قَالَ

موسیٰ آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لئے اور بہت سے دوسرے کام اس سے کر لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو زمین پر ڈالو، پس وہ ڈالتے ہی پھنپھناتے ہوئے

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى. (طٰہٰ: ۱۷-۲۱)

سانپ میں تبدیل ہوگئی، حکم ہوا آپ اسے پکڑ لیجئے اور مت ڈرئے، ہم اس کو پہلے کی طرح تبدیل کردیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالئے، تو یہ چمکتا ہوا نکلے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دونشانیاں عطا فرمائیں، اور ان نشانیوں نے اتنا کام کیا کہ جب جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اس عصا نے جادوگروں کے تمام ڈنڈے اور رسیوں کو کھا کر ختم کردیا، اور سب جادوگر ایمان میں داخل ہوگئے اور سجدہ میں گر پڑے، اور ان کو اندازہ ہوگیا کہ ان (موسیٰ علیہ السلام) کے پاس جو طاقت ہے وہ خدائی طاقت ہے، تمام دنیا بھی مل کر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (سورۂ اعراف وغیرہ)

اسی طرح سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا تھا، اس کو گرم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ (سورۂ انبیاء: ۸۰)

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی حکومت عطا فرمائی تھی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو ملی اور نہ ان کے بعد کسی کو ملی، انسان، حیوان، جنات، چرند، پرند اور ہوا تمام چیزوں پر ان کی حکومت چلتی تھی، ایسی عجیب وغریب حکومت کہ جس کا انسان تصور ہی نہیں کرسکتا۔ (سورۂ ص: ۳۵)

اسی طرح سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کو ایک تو بغیر باپ کے پیدا کیا، جو بجائے خود ایک معجزہ ہے، پھر آپ نے بچپن میں عقل مندوں والی اتنی اچھی گفتگو فرمائی، یہ بھی ایک نشانی ہے، جب بڑے ہوئے تو کسی مادرزاد اندھے پر ہاتھ پھیر دیا وہ دیکھنے والا بن گیا، کوڑھی پر ہاتھ پھیر دیا وہ ٹھیک ہوگیا، برص کے مریض پر ہاتھ پھیر دیا وہ ٹھیک ہوگیا، کسی مردہ سے کہہ دیا: قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ وہ مردہ کھڑا ہوگیا۔ مٹی کا پرندہ بنا کر پھونک دیا وہ اڑتا ہوا چلا گیا، تمام دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ پھر زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا، قیامت کے قریب پھر تشریف لائیں گے۔

یہ تمام معجزات ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے، مگر ان انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ موجود تھے، صرف انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، ہم نے

نہیں دیکھا، صرف سنا ہے اور ایمان ویقین ضرور ہے؛ کیوں کہ قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ ہے، اس لئے آنکھ بند کرکے ایمان لائے، مگر دیکھا کسی نے نہیں، کیوں کہ یہ معجزے خاص وقت میں خاص لوگوں کے سامنے صادر ہوئے، یا انبیاء علیہم السلام کی زندگی تک محدود رہے اور جب وہ پردہ فرما گئے تو وہ معجزے بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ لیکن ہمارے آقا ومولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوْتِيْتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالىٰ إِلَيَّ.

مجھے اللہ تعالیٰ نے جو سب سے بڑا معجزہ عطا فرمایا وہ اپنی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری جانب بھیجی ہے۔ (یعنی قرآنِ مقدس)

وحی خداوندی تا قیامت باقی رہنے والی ہے، اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اگرچہ پردہ فرما چکے؛ لیکن آپ کی نبوت کا سب سے بڑا معجزہ اور سب سے بڑی نشانی اور علامت آپ کی زندگی میں بھی موجود تھی اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی موجود ہے اور تا قیامت باقی رہے گی، جسے دیکھ دیکھ کر لوگ ایمان لاتے رہیں گے، اور امت کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا؛ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا:

فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مسلم شريف ۸٦/۱)

مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ امتیوں کی تعداد میری امت کی ہوگی۔

چناں چہ ایک روایت میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں، گویا کہ پریڈ ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ ایک پیغمبر تشریف لائے، اور ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ دوسرے پیغمبر تشریف لائے ان کے ساتھ دو تین آدمی ہیں، پوری زندگی میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے۔ کوئی پیغمبر تشریف لائے اور ایک آدمی بھی ان کے ساتھ نہیں، پوری زندگی ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا، اکیلے ہی تشریف لا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا جلوس آرہا ہے، میں نے سمجھا کہ شاید یہ میری امت ہوگی، تو کہا گیا کہ یہ آپ کی نہیں؛

بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے۔ پھر کہا گیا کہ آپ ادھر اوپر نظر اٹھا کر دیکھئے! تو دیکھا کہ بہت زبردست مجمع ہے، فرمایا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ جنت میں جانے والی سب سے زیادہ تعداد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہوگی۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۷)

اور بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جنت کی کل آبادی کا نصف حصہ امتِ محمدیہ پر مشتمل ہوگا''۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۷)

اعجاز قرآنِ کریم

قرآنِ مقدس آپ پر عربی زبان میں نازل ہوا، اور ان لوگوں کو آپ نے پڑھ کر سنایا جو اپنے کو عرب اور دوسروں کو عجم (گونگا) کہتے تھے، یہ پورا علاقہ عربی زبان کے ادیبوں، فصیحوں اور بلغاء سے بھرا ہوا تھا، حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور باندیاں عربی میں شاندار اشعار کہتے تھے، اور قصیدوں کے مقابلے ہوتے تھے، اور ایک ایک آدمی بہت شاندار انداز میں سیکڑوں اشعار کہہ دیا کرتا تھا۔ آج بھی جو لوگ عربی ادب سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصل عربی وہ ہے جو زمانۂ جاہلیت کے شعراء سے منقول ہے، اسی کو دلیل بنایا جاتا ہے، یہ لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کی عربی بولتے تھے، پڑھنے لکھنے کے بجائے کہنے کا ماحول زیادہ تھا، اور یہ لوگ اپنے جذبات وافکار کا اظہار عربی اشعار کے ذریعہ کرتے تھے۔ اس لئے قرآنِ کریم کو کسی اور زبان کے علاوہ عربی زبان ہی میں پیش کیا گیا؛ لیکن وہ تمام شعراء، بلغاء، فصحاء اور ادباء قرآنِ پاک کی اس بات کا جواب دینے سے عاجز رہے کہ قرآن جیسی دس سورتیں، قرآن جیسی ایک سورت یا قرآن جیسی ایک آیت بھی پیش کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت قوت کے ساتھ اعلان فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا. (بنی اسرائیل: ۸۸)

اے پیغمبر آپ یہ (برملا) کہہ دیجئے! کہ اگر تمام انسان اور جنات جمع ہوجائیں اور (کوشش کرلیں) کہ قرآن جیسی کوئی آیت یا سورت لے آئیں (تو وہ کان کھول کر سن لیں کہ) اس جیسی

نہ سورت لاسکتے ہیں اور نہ آیت لاسکتے ہیں؛

اگرچہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے

معاون بن جائیں۔(قیامت تک یہ چیلنج ہے)

بعض بے وقوفوں نے ان آیتوں کے بعد کوشش کی کہ تک بندی کی جائے اور قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کی جائے، تو ایک صاحب نے ﴿القارعة ما القارعة﴾ کے جواب میں سورت ﴿الفیل ما الفیل و ما ادرٰك ما الفیل﴾ بنائی، اس نے جب اپنی قوم کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ہی اس کو بے وقوف بنایا کہ کہاں تیری یہ احمقانہ باتیں اور کہاں وہ قرآنِ مقدس؟ وہاں قیامت سے ڈرایا جارہا ہے، اور تم یہاں ہاتھی کا بے کار ذکر کررہے ہو، اس کا اس سے کیا لینا دینا؟ انہیں کی قوم نے رد کردیا۔ تو جس زمانہ میں بھی کوئی بے وقوف اٹھا اور قرآنِ کریم کے مقابلہ میں کوئی عربی عبارت لانے کی کوشش کی، تو خود اسی کے لوگوں نے اس کو ذلیل کردیا کہ کہاں یہ قرآنِ مقدس اور کہاں تیری یہ بکواس؟

آج کل بھی کچھ احمقوں نے یہ حرکت کی ہے کہ انٹرنیٹ پر ''الفرقان'' کے نام سے قرآن کی طرح سورتیں بنا کر ڈال دیں کہ یہ قرآن کا نیا ایڈیشن آگیا ہے؛ لیکن ایسی کوششوں سے قرآنِ کریم پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے۔ قرآن ان باتوں سے مٹ نہیں سکتا، قرآنِ کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے، اور جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرے، دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔

قرآنِ کریم کا بے باکانہ انداز

اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم اتارا، اور اس کی آیتیں لوگوں میں عام ہونی شروع ہوئیں، تو اب اس کے حقائق سامنے آئے، اور اس کی گفتگو بالخصوص جو توحید، شرک اور بت پرستی کی تردید کے بارے میں ہے وہ بالکل لوہا لاٹ ہے، جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ دنیا میں لکھنے والا جب کوئی چیز لکھتا ہے تو دس مرتبہ سوچتا ہے کہ کوئی ایسا جملہ نہ لکھا جائے، جس سے کل میرے اوپر اعتراض ہو، ہر مصنف لکھنے سے پہلے احتیاط کرتا ہے، اس کو ڈر ہوتا ہے؛

کیوں کہ زبان سے کہی ہوئی بات کے مقابلہ میں لکھی ہوئی بات زیادہ پائیدار ہوتی ہے؛ لیکن قرآنِ پاک کی بات ایسی لوہا لاٹ ہے، جو اللہ ہی کہہ سکتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا، اتنی مضبوط اور مستحکم کہ ہلائے نہ ہلے۔ ایک جگہ شرک کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ، اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ، وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ. (الحج: ۷۳)

اے لوگو ایک مثال بیان کی جارہی ہے کان کھول کر سنو! جو اللہ کے علاوہ دوسروں سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں (ان کی عبادت کرتے ہیں) اگر یہ تمام مل کر ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے، اور اگر مکھی (ان کا چڑھایا ہوا پرشاد) چھین کر لے جائے تو اس کو بھی واپس نہیں لے سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور (بودے) ہیں۔

بت پرستی کے خلاف اس سے زیادہ معقول بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور جس کے دل میں تھوڑا سا بھی انصاف ہے، تو یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے، میں نے تو یہ بات کبھی سوچی ہی نہیں تھی۔ جب ایسی ایسی آیتیں نازل ہونی شروع ہوئیں تو اس مرکز میں جو کہ بت پرستی کا مرکز تھا؛ گویا بھونچال آگیا، اور مجلسوں کے اندر تذکرے ہونے لگے کہ یہ تو بڑی عجیب بات آگئی، ہم تو ان کے مقابلہ میں ٹک نہیں پائیں گے۔

ولید بن المغیرہ کی بکواس

حج کے دن جوں جوں قریب آئے تو قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے، تو ان لوگوں کو یہ خطرہ ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اپنی باتیں ان لوگوں تک پہنچائیں گے، اور وہ لوگ متأثر ہو جائیں گے؛ لہٰذا ایک مشترکہ اور متحدہ موقف اختیار کرو کہ جب قوم اور قبائل کے لوگ آئیں، تو سب کی جانب سے ایک ہی جواب ہو۔ اب ان میں آپس میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ کس سے مشورہ کیا جائے؟ تو ان میں ایک بڑا اخرانٹ تھا جس کا نام ولید بن المغیرہ تھا یہ لوگ اس کے پاس پہنچے اور کہا

کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہے، انہوں نے ہمارا ناطقہ بند کر دیا اور جواب دینا مشکل ہے؛ لٰہذا ایک مشترکہ رائے آنی چاہیئے تو کہا کہ بہت خوب، ایک میٹنگ بلاؤ، چناں چہ ایک پنچایت کی اور آپس میں مشورہ ہوا کہ کیا طے کیا جائے؟ تو ایک رائے سامنے یہ آئی کہ سب مل کر یہ کہیں کہ یہ محمد جو ہیں ان کا دماغ درست نہیں ہے، یہ مجنون ہے۔ تو ولید بن المغیر ہ نے کہا کہ کیسی باتیں کرتے ہو؟ لوگ تمہیں ہی کہیں گے کہ پاگل ہیں، محمد کی باتیں تو بڑی عقل مندی کی ہیں، میں نے سن رکھی ہیں، کوئی انہیں مجنون کہے گا تو وہ خود ہی مجنون کہلائے گا، یہ چلنے والی بات نہیں ہے۔ دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ جو بھی آئے اس سے کہا جائے کہ یہ شاعر ہیں، اور شاعرانہ باتیں کرتے ہیں، ولید نے کہا کہ نہیں، میں نے تو بہت سے شاعروں کا کلام سنا ہے، اور شاعروں کے اشعار کی جتنی بھی اقسام ہیں، میں ان سب سے واقف ہوں، ان کا کلام شاعرانہ نہیں ہے، یہ بات بھی نہیں چلے گی۔ پھر ایک آواز یہ آئی کہ سب یہ کہیں کہ یہ کاہن ہے، کاہن جو جنتر منتر پڑھا کرتے تھے، یہ انہیں جیسا جنتر منتر ہے۔ ولید نے کہا میں کاہنوں کے پاس بھی بہت گیا ہوں، کسی کاہن کے پاس ایسی باتیں نہیں ہوتیں، کہاں کاہنوں کی بے ربط اور لغو بکواس اور کہاں ان کا عاقلانہ کلام؟ جب سب رائیں اس نے ٹھکرا دیں تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے تو یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی، اب آپ کچھ مشورہ دیجیئے۔

جب اس کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آیا، تو آخر اس نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ اگر کہہ سکتے ہو تو یہ کہ:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ. (المدثر: ٢٤) اور کچھ نہیں، یہ تو جادو ہے، چلا آتا۔

قرآنِ پاک میں سورۂ مدثر میں اس واقعہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۱۳۹۱ مکمل)

ولید بن المغیر ہ نے لوگوں کو صحیح راہ دکھلانے کے بجائے اور زیادہ غلطی پر آمادہ کیا تھا؛ اس لئے آگے قرآنِ پاک میں اس کے اس فعل شنیع پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ﴾ (میں اس کو جلتی آگ میں ڈالوں گا)

ایک طرف تو مخالفتیں تھیں؛ لیکن دوسری طرف عجیب بات یہ تھی کہ انہیں چوری چھپے قرآنِ کریم سننا بھی اچھا لگتا تھا؛ کیوں کہ اچھی زبان کے وہ لوگ دلدادہ تھے۔ مجلسوں میں مخالفت کرتے

اور باہر سے کوئی آدمی آتا تو تاک میں رہتے، اور کہتے کہ خبردار! محمد کے پاس مت چلے جانا، اور روئیاں لے کر رکھتے اور کہتے جب ان کے قریب سے گذر ہو تو کان میں لگا لینا۔ اور راتوں میں پیغمبر علیہ السلام کے گھر کی دیوار کے قریب کان لگا کر خود قرآنِ کریم سنتے تھے۔

ابوجہل وغیرہ کا چھپ کر قرآنِ کریم سننا

روایات میں آتا ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان بن حرب (اس وقت مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے) اور اخنس بن شریق، یہ تینوں قریشِ مکہ کے بڑے لیڈر تھے۔ رات میں قرآن سننے کے لئے حضور کے گھر کے پاس پہنچے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے تھے، سکون کا وقت ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی زبانِ مبارک، جس قرآن پر لاکھوں تلاوتیں قربان، کیا لطف، حلاوت اور لذت ہوتی ہوگی کہ ان بے ایمانوں پر اثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چپکے چپکے آئے تھے؛ لیکن جب صبح میں واپس ہوئے تو تینوں ٹکرا گئے، تینوں کی نظریں جھک گئی اور نہ آنے کا وعدہ کیا کہ آج تو آ گئے؛ لیکن آئندہ نہیں آئیں گے۔ اگلے دن پھر یہی ہوا؛ کیوں کہ سب نے وعدے کر لئے تھے، اس لئے سب یہی سمجھے کہ کوئی نہیں آئے گا، پھر پہنچ گئے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم سننے کی تڑپ پیدا ہوگئی تھی، چناں چہ جب فارغ ہوئے تو پھر ٹکرا گئے، نظریں اور زیادہ جھک گئیں۔ تیسرے دن بھی ایسے ہی ہوا۔ چوتھے دن اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پہلے ابوسفیان کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ سن لیا اس میں کیا شان وشوکت، حلاوت اور تراوٹ ہے؟ پھر ابوجہل کے پاس گیا اور معلوم کیا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ (ان کی ضد اور عناد دیکھئے) تو ابوجہل کہنے لگا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا اور بنو ہاشم کا جھگڑا اور مقابلہ چل رہا ہے، بنو ہاشم کے لوگوں نے مہمانوں کو کھانا کھلایا، تو ہم نے بھی مہمانوں کو کھانا کھلایا، بنو ہاشم نے حاجیوں کی خدمت کی، تو ہم نے بھی حاجیوں کی خدمت کی، ہمارے اور ان کے پوائنٹ برابر ہوتے رہے، جو وہ کرتے رہے ہم بھی کرتے رہے۔ اب ان کے یہاں نبی پیدا ہوگیا، تو ہم کہاں سے نبی لے آئیں؛ لہٰذا میں تو جیتے جی مانوں گا نہیں۔ اس کو یقین ضرور تھا؛ لیکن محض اس وجہ سے نہیں مانتا۔ (الروض الانف مع ابن ہشام ۲/۸۱-۸۲)

یہ ہے برادری واد، جس نے اس کو ہدایت سے باز رکھا، ورنہ قرآن کی چاشنی ایسی تھی کہ راتوں رات اٹھ کر سننے جارہا ہے، یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ وہ لوگ جو مجلسوں میں مخالفت کررہے ہیں، وہ بھی سننے کے لئے بےتاب ہیں۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام

قبیلۂ دوس کے ایک بڑے سردار حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ تھے، ایک مرتبہ مکہ معظّمہ تشریف لائے، مخالف لوگ ان کے پیچھے لگ گئے، اوران کی ذہن سازی کی کہ خبردار! یہاں ایک بڑا جادوگر پیدا ہوگیا ہے، محمد اس کا نام ہے اس کے پاس مت چلے جانا، اور کان میں روئی رکھنا؛ کیوں کہ اس کی بات میں ایسا اثر ہے کہ جو اس کی باتوں کو سمجھ لیتا ہے وہ انہیں کا ہو جاتا ہے۔ یہ بے چارے تو خالی الذہن تھے، ان کے کہنے میں آگئے اور بڑی احتیاط برتی۔ ایک دن دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تو بھی بڑا محروم ہے، تو کتنا بڑا آدمی اور قوم کا سردار، اچھے برے کو جاننے والا، اور تو نے خواہ مخواہ کانوں میں روئی ٹھوس رکھی ہے، ارے اسے باہر نکال، سن لے! اگر اچھی بات ہوگی تو سن لینا، بری بات ہوگی تو رد کردینا، یہ سن کر تو دیکھیں کیا ہے؟

چناں چہ انہوں نے کانوں سے روئی نکالی اور آئے، جب قرآن سنا تو بڑے متأثر ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو چند سورتیں سنائیں، اس کی حقانیت دل میں اتر گئی، فوراً اسی وقت کلمۂ شہادت: ’’أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله‘‘ پڑھا، اور یہ فرمایا کہ میں اپنی طرف سے بھی اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت لیتا ہوں؛ لیکن آپ میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ میرے پاس ایک ایسی علامت ہوجائے جس کو دیکھ کر میری قوم کے لوگ ایمان لے آئیں، حضور نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی علامت عطا فرمادیجئے۔ چناں چہ یہ حضور سے رخصت ہوکر چلے، جیسے ہی مکہ معظّمہ سے باہر نکلے تو ان کی پیشانی پر خود بخود ایک ٹارچ نما روشنی پیدا ہوگئی، انہوں نے دیکھا کہ اندھیری رات ہے اور ٹارچ کی طرح روشنی ظاہر ہورہی ہے، تو

انہوں نے اللہ سے دعا کی الٰہ العالمین! یہ لائٹ جو چہرہ پر لگ گئی ہے، کہیں لوگ اسے مثلہ نہ سمجھیں، اس لئے لائٹ اس کے علاوہ کہیں اور دے دیجئے، چناں چہ دعا کے اثر سے وہ لائٹ وہاں سے نکل کران کے کوڑے کے کونے پرآ گئی۔

جب یہ اپنی قوم کے پاس پہنچے، تو لوگ ان کی لائٹ پر انگلیاں رکھتے تو اسے اندر کا حصہ دکھائی دینے لگتا۔ شروع میں تو ان کی قوم اسلام نہیں لائی، صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے؛ لیکن بعد میں حضور کی دعاؤں کی برکت سے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما چکے تھے، اس وقت تقریباً ۷۰-۸۰/ لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ (اسد الغابہ ۲/ ۴۶۰-۴۶۱)

چند وجوہ اعجازِ قرآن

الغرض مکہ معظّمہ میں اس طرح کی صورتِ حال تھی، جو اس بات کی دلیل تھی کہ قرآنِ پاک اور پیغمبر علیہ السلام کی جو گفتگو ہے، وہ لوگوں کے لئے نہایت عجیب وغریب اور ایسی تھی کہ جس کا کوئی توڑ اور جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ قرآنِ پاک کے اندر کئی چیزیں ایسی ہیں جس سے کھلے طور پر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت کا ثبوت ملتا ہے:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ آپ غور فرمائیے کہ قرآنِ پاک میں پرانے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بالتفصیل موجود ہیں، اور آپ یہ جانتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے کوئی کتاب پڑھی نہیں ہے، کسی استاذ کی شاگردی اختیار نہیں کی، کسی راہب کے پاس آپ مدت تک نہیں رہے، اس کے باوجود آپ کی زبانِ مبارک سے ان واقعات کا سچے اور سو فیصد صحیح نکلنا، یہ دلیل ہے کہ یہ قرآنِ کریم آپ کا اپنا کلام نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسی کو قرآنِ پاک میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى. (النجم: ٤-٥)

یہ پیغمبر اپنی مرضی سے کچھ نہیں بول رہے ہیں؛ بلکہ یہ وحی ہے جو اللہ کی طرف سے اتری ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ. (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵)

یہ رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے۔ روح الامین اسے لے کر آئیں ہیں۔ آپ کے قلبِ اطہر پر اس کو واضح عربی زبان میں اتارا گیا ہے؛ تا کہ آپ دنیا والوں کو عذاب سے ڈرائیں۔

(۲) اسی طریقہ پر اس قرآنِ کریم میں غیب کی خبریں بتلائی گئیں، قیامت میں ایسا ہوگا، بعد میں ایسا ہوگا، اخیر زمانہ میں ایسا ہوگا، اور ظاہر ہے کہ کوئی آدمی بغیر علم کے اور بغیر اللہ کے بتلائے غیب کی باتیں نہیں بتلا سکتا، غیب کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے، وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

(۳) اسی طریقہ پر اس قرآن کریم کے اعجاز کی ایک دلیل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کے اندر جو خیالات تھے، وہ خیالات بھی قرآنِ کریم نے واضح فرمادئے، حالاں کہ کسی دوسرے کے دل کی بات کوئی نہیں جان سکتا۔ چناں چہ کچھ مواقع پر بعض صحابہ کے دلوں میں بزدلی کی باتیں پیدا ہوئیں، قرآنِ کریم نے فرمایا:

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا. (آل عمران: ۱۲۲)

تمہارے میں سے دو جماعتیں ایسی تھیں کہ جن کو بزدلی کا احساس ہوا۔

ذرا سوچئے! کس نے بتلایا اور پیغمبر علیہ السلام کو یہ خبر کس نے دی؟ ایسا کونسا آلہ تھا جس کو لگا کر آپ کو پتہ لگ گیا کہ ان صحابی کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی؟ ظاہر ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ نے ہی بتلایا۔

(۴) کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ واقعہ کیسا تھا؟ لیکن آپ کو کچھ معلوم نہیں، وحی نازل ہوئی، تو اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے آپ کو پتہ چلا، اور پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھ کر سنا دیں، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام آپ نے نہیں بنایا؛ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ایک مرتبہ مشرکین مکہ آ کر کہنے لگے کہ اس کتاب میں تو ہمارے بتوں کے خلاف بڑی سخت باتیں ہیں، آپ ایسا کریں کہ اس میں تھوڑی ترمیم کر کے معتدل بنا دیجئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ خدا کے بندو، یہ میرا کلام نہیں ہے جو میں ترمیم کروں، میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس میں ایک لفظ بھی اِدھر اُدھر کردوں۔ (سورۂ یونس:۱۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت تنبیہ ہے کہ:

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (المائدة: ٦٧)	اے رسول! جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے (پورا پورا) اس کو بندوں تک پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہیں کیا، تو آپ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والے نہیں ہوں گے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ ہے، کسی انسان کا یا کسی نبی کا اپنا ذاتی کلام نہیں ہے۔ اور پیغمبر کے بارے میں ایسی سخت بات فرمائی جس کے دل میں تھوڑا بھی شک وشبہ ہو تو وہ مٹ جائے اور ختم ہوجائے۔ فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ. لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ. ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ. فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ. (الحاقة: ٤٤-٤٧)	یہ پیغمبر اگر ہماری طرف کوئی غلط بات بھی منسوب فرمادیں (اور ایسا ناممکن ہے ہرگز نہیں ہوگا) تو ہم ان کا ہاتھ پکڑلیں گے اور ان کی شہ رگ کاٹ دیں گے، اور ہم سے ان کو کوئی بچا نہیں سکتا۔

ذرا غور کریں کیا اللہ تعالیٰ کسی ایسے کو (نعوذ باللہ) پیغمبر بنائیں گے کہ جو اللہ کی وحی میں خیانت کردے، ایسی بات ناممکن ہے، کوئی عام آدمی بھی غیر معتمد علیہ شخص کے ذمہ کوئی اہم کام نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ رسالت اور نبوت کا کام کیسے حوالہ کردیں گے؟

(۵) اسی طرح قرآنِ کریم کے اللہ کی کتاب ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، قرآنِ کریم اتنے سو سال گذرنے کے باوجود اس کے زبر زیر میں، اس کی آیات میں، سورتوں میں اور ترتیب میں کوئی رتی برابر بھی فرق نہیں آیا، دنیا میں قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔

(٦) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا یاد کرنا آسان کردیا، دنیا کی کسی کتاب کو نہ ایسے یاد کیا

جاتا اور نہ ایسے یاد رہتی ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک کو یاد کیا جاتا ہے، تیس پاروں کی کتاب ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ آج تو لوگوں کے ذہن ویسے بھی کچے ہو گئے اور ایک صفحہ بھی یاد کرنا مشکل ہوتا ہے، مگر تیس پارے یاد رہتے ہیں، دس بیس نہیں، سو نہیں، ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں لاکھ لوگ اس کے یاد کرنے والے حافظ موجود رہے ہیں، ہر جگہ، ہر شہر اور ہر ملک میں لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف رامائن، انجیل، زبور، بائبل وغیرہ کا اگر کوئی یاد کرنے والا ہوگا بھی تو لاکھوں اور کروڑوں میں ایک ہوگا؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو صحیح سے دیکھ کر پڑھنے والے بھی زیادہ نہیں ہے۔

آپ اپنے برادرانِ وطن میں دیکھ لیجئے، میرا خیال ہے کہ ہزاروں میں ایک دو بھی نہیں ملیں گے، جو اپنی مذہبی کتاب کو صحیح سے پڑھ بھی سکیں۔ اور الحمد للہ مسلمانوں میں ناظرہ خواں تو ان گنت تعداد میں موجود ہیں، یہ صرف قرآنِ پاک کی خصوصیت ہے۔ اور اللہ نے جس کی حفاظت کا وعدہ بھی کیا، اور اس کو سمجھنا بھی آسان اور یاد کرنا بھی آسان ہے، اسی لئے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو نشانی عطا فرمائی ہے وہ اپنی وحی کی شکل میں ہے، جو میرے پردہ فرمانے کے باوجود بھی دنیا میں ثابت اور قائم رہے گی، اور لوگ اسے دیکھ دیکھ کر اسلام میں حلقہ بگوش ہوں گے۔

قرآنِ مقدس؛ وجودِ اسلام کی ضمانت

اور اسلام اپنی اصلی شکل وصورت میں جو موجود ہے، اس کی ظاہری وجہ یہی ہے کہ اس کی کتاب موجود ہے، اور جب کتاب موجود تو دین بھی موجود ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کو جب تک منظور ہے یہ باقی رہے گا۔ تو پیغمبر علیہ السلام کی نبوت کے دلائل کے بارے میں یہ قرآن سب سے بڑی دلیل ہے، سب سے بڑا معجزہ قرآنِ مقدس ہے، اللہ نے یہ عظیم نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدردانی کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔ جو قرآن سے جڑے گا اور اس سے قریب ہوگا، اس کے ایمان اور دین میں خیر اور برکت کے فیصلے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

معجزۂ شق القمر

اس کے بعد کچھ ایسے قابلِ ذکر معجزات ہیں جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں پیش

آئے، جنہیں لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثال کے طور پر مکہ معظّمہ میں مشرکین نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ اس چودھویں کے چاند کے دوٹکڑے کردیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے، انہوں نے تو اس لئے کہا تھا کہ آپ کر نہیں پائیں گے اور اس طرح سے ہماری بات بنی رہے گی؛ لیکن نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، چناں چہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چاند کے دوٹکڑے ہوئے، آدھا جبل ابوقبیس کی طرف چلا گیا اور آدھا جبل قعیقان کی طرف چلا گیا۔ (مسلم شریف، تکملہ فتح الملہم ۶/۱۳۷، دلائل النبوۃ ۲۰۹)

مگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائے اور کہا کہ آپ نے ان پر جادو کردیا، نظر بندی کردی ہے؛ لیکن یہ بالکل سچا اور صحیح واقعہ ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کا ذکر آیا ہے، فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. قیامت قریب آگئی چاند کے دوٹکڑے ہوگئے۔

(القمر: ۱)

یعنی کسی کو قیامت میں شک ہو، تو سمجھ لے کہ جب پیغمبر علیہ السلام کی دعا سے چاند دوٹکڑوں میں بٹ سکتا ہے، تو اللہ کی قدرت سے دنیا کیوں نہیں لپٹ سکتی؟ یہ چاند بھی بے نور ہوگا اور یہ سورج بھی بے نور اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے کئی سالوں کے بعد عرب مسلمانوں کا ایک قافلہ ''مالابار'' کیرالہ کے ساحل پر اترا، اس شہر کا نام ''گدن کلور'' تھا، وہاں پر ''سامری'' نام کا ایک انصاف پسند بادشاہ تھا، عرب کے لوگ اس سے ملنے گئے، اور اس کو دین کی دعوت دی، چوں کہ یہ پورا علاقہ سورج اور چاند کے پجاریوں کا تھا؛ اس لئے جب انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے جب اللہ سے دعا فرمائی، تو اللہ تعالیٰ نے ''چندرما'' یعنی چاند کے دوٹکڑے کردئے، اس نے کہا کہ کیا واقعی ایسا واقعہ پیش آیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں یہ پیش آیا ہے، اس نے کہا کہ اچھا میں تحقیق کرتا ہوں، اس کی حکومت میں یہ طریقہ تھا کہ روزانہ جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا، تو ایک کاغذ پر لکھ کر محافظ خانہ میں جمع کردیا جاتا، چناں چہ اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یہ لوگ جس زمانہ کی بات کررہے ہیں، اس زمانے کے روزنامچوں کو کنگھالا جائے، اور محافظ خانہ میں ان لوگوں

کو تلاش کرنے پر لگا دیا، چناں چہ پرانے زمانہ کا روزنامچہ نکلا، جس میں یہ واقعہ درج تھا کہ ''آج رات کے وقت چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر پھر مل گئے''۔ کہاں مکہ معظّمہ اور کہاں کیرالہ کا ساحل؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صداقت کی نشانی یہاں پر بھی ظاہر فرمائی، چناں چہ وہ بادشاہ ''سامری'' اسی وقت مشرف باسلام ہو گیا، اور اس علاقہ میں اسلام کی ابتداء اسی زمانہ سے ہوئی۔ (بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۶/۱۴۲)

اسی طرح ہندوستان کے بعض علاقوں میں ایسے مندر پائے گئے، جس میں لکھا ہوا تھا کہ یہاں کا مندر اس رات میں بنایا گیا جس رات میں چندرما (چاند) کے دو ٹکڑے ہوئے۔ تو اس زمانہ میں بھی ایسی علامات موجود ہیں، جن سے اس عظیم واقعہ کی صداقت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ پیغمبر علیہ السلام کی صداقت کی ایک اہم نشانی ہے۔

پتھر کا آنحضرت ﷺ کو سلام کرنا

اسی طریقہ پر نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے پتھر کو جانتا ہوں کہ جو میری بعثت سے پہلے ہی سے جب میں اس کے پاس سے گذرتا تھا، تو کہتا تھا: ''السلام علیک یا رسول اللہ''، پتھر ہونے کے باوجود وہ مجھ کو سلام کرتا تھا۔ (مسلم شریف ۲/۲۴۵)

کنکریوں کا تسبیح پڑھنا

اسی طریقہ پر (یہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ) ایک مرتبہ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور مٹھی بند کر لی، تو ان کنکریوں نے کلمہ پڑھا: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ''، اور لوگوں نے اپنے کانوں سے سنا، یہ آپ کی رسالت اور نبوت کا معجزہ اور نشانی ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۱۲۵)

درخت کی ٹہنی کا حکم کی تعمیل کرنا

قبیلہ بنو عامر کا ایک دیہاتی شخص آیا، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا کہ کچھ دلیل تو پیش فرمائیں، ایسے کس طرح مانوں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ سامنے جو

پیڑ ہے اگر میں اس کی ٹہنی کو اپنے پاس بلالوں تو کیا تم مان جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ ہاں مان جاؤں گا، تو حضرت نے اس ٹہنی کو آواز دی اور وہ ٹہنی پیڑ سے الگ ہو کر باقاعدہ چل کر پیغمبر علیہ السلام کے پاس آ کر سجدہ میں گرنے لگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا اپنی جگہ چلی جا، وہ بے چاری پھر جا کر اپنی جگہ فٹ ہوگئی، وہ دیہاتی دیکھتے ہی اسلام لے آیا۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۶۰)

اسی طریقہ پر ایک دیہاتی اور آیا، حضور نے اس کو بھی اسلام کی دعوت پیش فرمائی، تو اس نے کہا کہ کوئی دلیل پیش فرمایئے، تو حضرت نے فرمایا کہ اگر میں اس پیڑ کو اپنے پاس بلالوں، تو کیا تم مان جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ مان جاؤں گا، تو حضرت نے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ تمہیں محمد بلا رہے ہیں، چناں چہ جب اس نے جا کر کہا تو وہ پیڑ تھوڑا سا ہلا؛ تاکہ اس کی جڑیں الگ ہو جائیں، اس کے بعد سیدھا چل کر کے حضور کے پاس آ کر سجدہ میں گر گیا، حضور نے فرمایا کہ اپنی جگہ چلے جاؤ، پھر وہ وہیں جا کر کھڑا ہو گیا، یہ دیہاتی شخص دیکھ کر کہنے لگا کہ حضور میں بھی سجدہ کرنا چاہتا ہوں۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۵۹)

اونٹ کا سجدہ کرنا

اسی طرح ایک مرتبہ صحابہ نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے شکایت کی کہ ہمارا ایک اونٹ بدک گیا اور قابو میں نہیں آ رہا ہے، حضور اس کے پاس تشریف لائے، تو دیکھا کہ سخت غصہ میں ہے، نبی اکرم علیہ السلام اس کی جانب بڑھے، تو لوگوں نے کہا کہ حضرت آگے مت جایئے، یہ غصہ میں ہے کہیں نقصان نہ پہنچادے، آپ نے فرمایا کہ فکر مت کرو، جیسے ہی اس اونٹ کی پیغمبر علیہ السلام پر نظر پڑی، سب غصہ ختم ہو گیا اور سیدھا آ کر پیغمبر علیہ السلام کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا، اور کچھ بولنے لگا، حضور نے فرمایا کہ اس کا مالک کون ہے؟ جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا کہ: ''یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ میرے اوپر بوجھ زیادہ ڈالا جاتا ہے، اور قوت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے''۔ صحابہ یہ دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضور یہ بے عقل جانور آپ کو سجدہ کر رہا ہے، ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی آپ کو

سجدہ کریں، آپ نے فرمایا: خبردار! شریعت میں اگر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی، تو میں بیوی کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے؛ لیکن سجدہ کرنا اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اندھیری رات میں عصا روشن ہونا

اسی طرح ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سخت اندھیری رات تھی، دو صحابہ حضرت عباد بن بشر، اسید ابن حضیر (دونوں کا گھر دور تھا) یہ دونوں عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں حضور کے پاس حاضر ہوئے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب واپس جاؤ تو مجھ سے مل کر جانا، (اس زمانہ میں لائٹ اور روشنی کے انتظامات تو تھے نہیں اندھری رات) پیغمبر علیہ السلام نے واپسی کے وقت ان کو ایک لاٹھی دے دی، اس لاٹھی کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے سرے پر ایک ٹارچ جل رہی تھی، جب یہ حضرات ایسی جگہ پر پہنچے جہاں پر ان کے راستے الگ ہوتے تھے، تو اس لاٹھی کے دو ٹکڑے کر لئے اب دونوں میں لائٹیں جلنے لگیں اور جب گھر پہنچ گئے تو لائٹ بند ہو گئی۔

حضرت قتادہ بن نعمان ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں مسجد میں حاضر تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے مل کر جانا، حضور نے ان کو ایک لاٹھی دی اور فرمایا کہ یہ دس گز آگے اور دس گز پیچھے تک روشنی دے گی، جب تک کہ تم گھر نہ پہنچ جاؤ، چناں چہ وہ روشنی دیتی رہی اور سکون واطمینان سے گھر پہنچ گئے۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۱۳۵)

اور یہ واقعات تو کثرت سے پیش آئے کہ کئی سو کا لشکر ہے اور پانی ندارد، کہیں سے تلاش کر کے پیالہ میں چند قطرے لائے گئے، اور حضرت نے اپنے دستِ مبارک کو اس میں ڈالا، تو انگلیوں کے بیچ سے پانی کے فوارے نکل پڑے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چودہ سو آدمیوں نے مل کر پانی پیا اور سب نے پانی کے برتن بھر لئے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایسے واقعات پیش آئے کہ ۸۰ر لوگوں نے پانی پی لیا۔ (بخاری شریف ۲/۸۴۲، مسلم شریف ۲/۲۴۵ وغیرہ)

علماء کا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام پانی میں سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ شرافت والا پانی وہ ہے، جو پیغمبر علیہ السلام کی انگلیوں سے بطور معجزہ صادر ہوا۔ اسی طرح کھانوں

میں برکت کے واقعات ہیں کہ تھوڑا سا کھانا ہے، جو پانچ دس لوگوں کے لئے بھی ناکافی ہے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کی دعا کی برکت سے بہت سے لوگوں نے پیٹ بھر کر کھالیا اور پتیلی ایسی ہی رہی جیسے اس میں سے کسی نے کھایا ہی نہ ہو۔ (مسلم شریف وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات ایسی بنائی تھی کہ انکار کی گنجائش کہیں سے کہیں تک تھی ہی نہیں، اور معجزات کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ محدثین اور اصحابِ سیر نے باقاعدہ معجزاتِ نبوی پر کتابیں مرتب فرمائیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''دلائل النبوۃ'' کے نام سے ۷؍جلدوں میں ہے، جس میں سب معجزات ہی کا تذکرہ ہے، علامہ سیوطیؒ کی ''الخصائص الکبریٰ'' ہے، جس میں سب معجزات، دلائل اور علامتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان سب کی تفصیل اگر ہمیں پڑھنی ہے تو سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

کھجور کے بے جان تنے کا بلک بلک کر رونا

ایک تو عجیب معجزہ ظاہر ہوا کہ مسجد نبوی میں پیغمبر علیہ السلام جب (منبر نہ ہونے کی وجہ سے) کھجور کے ایک تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، پھر ممبر بن گیا، تو جب پہلی مرتبہ آپ منبر پر تشریف لائے تو دیکھا کہ بچہ کے بلکنے کی طرح آواز آرہی ہے، لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہاں سے آواز آرہی ہے؟ تو دیکھا کہ وہ تنا بلک بلک کر رو رہا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کی قربت اب مجھے نصیب نہیں ہورہی ہے، حضور منبر پر تشریف لے آئے، میں اس سعادت سے محروم ہوگیا (اسی کا نام اسطوانہ حنانہ ہے یعنی بلک بلک کر رونے والا) بظاہر بے جان چیز کو بھی آپ سے اتنی محبت تھی، یہ بھی منجملہ معجزات کے ہے، پیغمبر علیہ السلام منبر سے اتر کر اس کے پاس گئے، اس کو گویا کہ سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ دو باتوں میں سے ایک قبول کرلے، اگر یہ چاہتا ہے کہ اسی طرح تروتازہ پیڑ بنا دیا جائے، جیسا کہ تو کبھی دنیا میں تھا تو اس کا انتظام کیا جائے؟ یا تو یہ چاہتا ہے کہ تو جنت میں لگا دیا جائے اور تیرے پھل اللہ کے نیک بندے ہمیشہ کھاتے رہیں؟ تو اس نے یہ قبول کیا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں زندگی پسند نہیں ہے، جنت ہی میں لگوا دیا جائے، اور حضور کے فرمانے کے

بعد اس کی آواز آنی بند ہوگئی۔ (الخصائص الکبریٰ ۲/۱۲۸ وغیرہ)

یہ معجزات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے دلائل ہیں، جنہیں سن کر کوئی منصف مزاج آدمی ذرہ برابر بھی شک وشبہ کو ذہن میں نہیں لاسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے اندر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت کا ہمیشہ اضافہ فرماتا رہے، آپ کو پوری امت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کی سنتوں پر چلنا آسان فرمائے، ہر طرح کی بدعات اور رسومات سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین

مکی زندگی کے اَہم واقعات
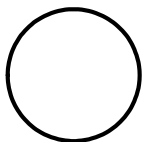
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالیٰ عليه وعلیٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَآ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ○ [بنی اسرائیل: ۱]

آج کی مجلس میں ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ان پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو کم وبیش چالیس سال کی عمر میں نبوت سے نوازا گیا، اس کے بعد آپ مکہ معظّمہ میں تقریباً ۱۳؍سال تک تشریف فرما رہے، اس سلسلہ کی کچھ باتیں پہلے آ چکی ہیں

کہ شروع میں کتنے مشکل حالات پیش آئے، اور آپ کے راستہ میں کس طرح سے رکاوٹیں ڈالی گئیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ بتدریج ایسی صورتیں پیدا فرماتے رہے کہ آپ کو قوت حاصل ہوتی رہی۔

سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

اس سلسلہ کا ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ کے چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خاندان کے بے باک بہادر اور نوجوان تھے، اور پیغمبر علیہ السلام کے خالہ زاد اور رضاعی بھائی بھی تھے، ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، اتفاق ایسا ہوا کہ وہ شکار کو گئے ہوئے تھے، اسی دوران ملعون ابوجہل نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ بڑی بدتمیزی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شکار سے واپس تشریف لائے، تو ایک باندی نے آپ کو ان سب واقعات سے آگاہ کیا کہ آج تو تمہارے بھتیجے کی ابوجہل نے بہت برائی کی، یہ سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جلال آ گیا، تیر کمان ہاتھ میں تھا وہ لئے ہوئے سیدھے ابوجہل کے پاس گئے، اور اس زور سے اس کو کمان ماری کہ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا، اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کے ساتھ ایسا ویسا کرتا ہے؛ لہٰذا میں بھی آج سے انہیں کے دین پر ہوں، اب تمہارے اندر ہمت ہو تو کچھ کر کے دکھلاؤ، جس وقت سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کا اعلان فرمایا، تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابۂ کرام کو بڑی تقویت ملی۔ ابوجہل کے حواریوں نے بدلہ لینا چاہا، ابوجہل نے خود ہی روک دیا کہ بات آگے مت بڑھاؤ، اور کہا کہ واقعی میں نے ان کے بھتیجے کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ (تلخیص: سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲/۴۴-۴۵)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر فرماتے، اسی لئے غزوۂ احد میں جب ان کی شہادت ہوئی اور ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے، تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا، اور آپ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے روز شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہوں گے، اور پیغمبر علیہ السلام نے ۷۰ر مرتبہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، ان کا جنازہ سامنے رکھا رہا اور دیگر حضرات کے جنازے لائے جاتے رہے اور ہٹائے جاتے رہے۔ تو یہ اسلام کے بہت جلیل القدر سپاہی

ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بہت قوت عطا فرمائی۔

حضرت ضماد رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

اسی سلسلہ کا ایک اہم اور دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلہ از دشنوءہ کے ایک صاحب تھے، ان کا نام ''ضماد بن ثعلبہ'' تھا، یہ زمانۂ جاہلیت میں جنات وغیرہ اتارنے (یعنی جھاڑ پھونک) کا کام کرتے تھے، یہ عمرہ یا کسی اور ارادے سے مکہ معظّمہ آئے، اس اسلام مخالف ٹولی نے ان کو گھیر لیا، اور کہا کہ ہمارے یہاں ایک عجیب شخص پیدا ہو گیا، جو عجیب عجیب باتیں کرتا ہے، اور تم علاج کر دو، تو ہم تم کو مان جائیں، چناں چہ وہ شخص خود بخود پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ میں ہوا وغیرہ کا علاج کرتا ہوں، اگر آپ فرمائیں تو آپ پر بھی آزماؤں، بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے شفا دے دی ہے، تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ خطبہ پڑھ دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ.

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور ہم اپنے نفس کے شر سے پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

یہ خطبہ سنتے ہی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، انہوں نے یہ کلمات تین مرتبہ سنے اور پھر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی باتیں سنی ہیں، مگر ایسا پر اثر کلام تو میں نے کسی سے نہیں سنا، آپ یہاں فرما رہے تھے اور اس کی تاثیر سمندر کی تہہ تک محسوس ہو رہی تھی، اور کہا کہ میں آپ کے ہاتھ پر اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام کی بیعت

کرتا ہوں۔(مستفاد: مسلم شریف ۱/۲۸۵)

حضور کا علاج کرنے آیا تھا خود ہی کا علاج ہو گیا، اب جن لوگوں نے بھیجا تھا وہ یہ سوچ کر انتظار میں بیٹھے تھے کہ ذرا دل لگی ہوگی؛ لیکن جب دیکھا کہ تدبیر الٹ گئی، تو سب کی گردنیں لٹک گئیں، بھیجا تھا اس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام کو زچ اور تنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ نے خود اسی کو ہدایت سے سرفراز فرمادیا، اس سے اسلام کو بڑی تقویت ملی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی آغوش میں

اس زمانہ میں دو شخص خاص طور پر اسلام کے لئے سخت دشمن سمجھے جاتے تھے، اور ایسا تصور تھا کہ اگر ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، تو ہوسکتا ہے کہ اور لوگوں پر اچھا اثر ہو، ان میں سے ایک ابو جہل تھا جو ہر دشمنی اور مخالفت میں آگے آگے رہتا تھا، دوسرے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور یہ دونوں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مل کر پلان بنایا کرتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیر کے دن دوپہر کے وقت دعا فرمائی کہ: ''الٰہ العالمین! عمرو بن ہشام (ابو جہل کا نام تھا) یا عمر بن الخطاب میں سے جو تجھ کو زیادہ پسند ہو، اس کے ذریعہ سے اسلام کو قوت عطا فرما''۔ پیر کے دن دعا ہوئی پھر منگل کے دن دعا ہوئی، پھر بدھ کے دن دعا فرمائی، تو یہ بشارت ملی کہ انشاء اللہ یہ دعا قبول ہوگی، اور ان میں سے ایک یعنی عمر بن الخطاب کو ہدایت نصیب ہوگی۔ لوگوں کے لئے یہ تصور سے باہر کی چیز تھی کہ عمر بھی اسلام لاسکتے ہیں؛ لیکن اللہ کے لئے دل بدلنا کوئی مشکل تو نہیں ہے۔(سیرتِ مصطفیٰ ۱/۲۵۸)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابو جہل نے برملا اعلان کیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردے گا، میں اس کو ۱۰۰/ اونٹ دوں گا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے اس سے قسم لی کہ تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو، کبھی واقعہ پیش آجائے اور تم دغا دے جاؤ، تو ابو جہل نے یقین دلایا، جب ضمانت ہوگئی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے، ۱۰۰/ اونٹوں کے لالچ کے ساتھ ساتھ دل میں حضور کی دشمنی

بھی تھی، راستہ میں نعیم نامی ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے معلوم کیا کہاں جا رہے ہو؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آج ان کا کام تمام کروں گا، بڑی مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے، ہمارے پورے خاندان، قبیلہ اور شہر میں عجیب انتشار دیکھنے میں آرہا ہے۔ نعیم نے کہا کہ اس پہلو پر بھی غور کیا کہ ان کا خاندان بنو ہاشم ہے، بدلہ لینے پر آ گیا تو کیا ہوگا؟ تو اس کو سمجھنے کے بجائے کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صابی (بددین) ہو گئے ہو، انہوں نے کہا کہ مجھے تو چھوڑو، اپنے بہن اور بہنوئی کی خبر گیری کرو۔ حضرت سعید بن زید (حضرت عمر کے بہنوئی ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں حضور نے ان کو جنت کی بشارت دی) اور بہن فاطمہ بنت الخطاب بھی اسلام لے آئی ہیں، حضرت عمرؓ کو جلال آ گیا، اور کہا کہ کیا واقعی یہ لوگ بھی اسلام میں داخل ہو چکے ہیں؟ اب حضور کے گھر جانے کے بجائے بہن اور بہنوئی کے گھر کی جانب چل پڑے، جب پہنچے تو دروازہ بند تھا، اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں صاحبان کو قرآنِ پاک پڑھا رہے تھے، انہوں نے کچھ پڑھتے ہوئے سن لیا، اور بہن کو بھی احساس ہو گیا کہ عمر آئے ہیں اور جلال میں ہیں۔ تو حضرت خباب بن الارت کو جلدی سے ایک کوٹھری میں چھپا دیا اور آ کر دروازہ کھولا، تو اندر داخل ہو کر معلوم کیا کہ کیا تم لوگ بھی بددین ہو گئے ہو؟ (الروض الانف ۱۲۰/۴-۱۲۱، البدایہ والنہایہ ۸۷/۳)

حضرت سعید بن زید نے کہا کہ بددین کیوں ہوتے؟ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دے دی، تو حضرت عمرؓ ان کو مارنے کے لئے تل گئے، اور ان کو مارنے لگے تو بیوی سے دیکھا نہیں گیا وہ بیچ میں آ گئیں، چوں کہ غصہ میں تھے اور آدمی غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے، تو اپنی بہن کو بھی مارا، جس سے خون نکل آیا، چوں کہ وہ بھی انہیں کی بہن تھیں (ان کے اندر بھی ایسے ہی جذبات تھے) انہوں نے برملا کہا کہ: ''دیکھو عمر! کچھ بھی ہو جائے اور چاہے تم ہماری بوٹی بوٹی کر دو؛ لیکن ہم اللہ کی وحدانیت اور پیغمبر علیہ السلام کی غلامی سے باز نہیں آ سکتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ سوچنے کی کوشش کی، اور کہا کہ تم یہ بتلاؤ کہ جب ہم آئے تھے تو تم کیا پڑھ رہے تھے؟ لاؤ میں بھی دیکھوں گا۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ تم اس قابل نہیں کہ تم اسے چھو بھی

سکو، تم ناپاک ہو پہلے غسل کر کے آؤ پھر ہاتھ میں لو، چناں چہ غسل کر کے آئے اور ہاتھ میں لے کر اس کو پڑھنا شروع کیا، تو دیکھا کہ سورۂ طٰہٰ ہے، جب اس کی تلاوت کی تو پڑھ کر بے قابو ہو گئے، اِدھر حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پردہ سے نکل کر آئے تو فرمایا: ''عمر! خوش خبری قبول کرو، تمہارے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کی دعا یہ تھی اور وہ قبول ہو چکی ہے''۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے حضور کی خدمت میں لے چلو، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام کوہِ صفا پر دارارقم (حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں، یہ حضور کا مرکز تھا جس کا دروازہ بند رہتا تھا) تشریف فرما تھے، حضرت عمر تشریف لے چلے، لوگوں نے بند دروازے سے دیکھا کہ عمر آرہے ہیں، دیکھتے ہی لوگوں کو تشویش ہوئی؛ کیوں کہ ان کی شدت مشہور تھی۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ فکر مت کرو اور جو صحابہ وہاں موجود تھے، انھوں نے بھی فرمایا کہ مت ڈرو، دروازہ کھول دیا جائے، اگر اسلام لے کر آتے ہیں، تو بہت اچھی بات ہے، ورنہ تو اللہ مالک ہے، چناں چہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ (الروض الانف ۲/۱۲۳، البدایہ والنہایہ ۳/۸۸)

جتنے صحابہ وہاں پر موجود تھے سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور پورے مکہ کے اندر اس کی آواز گونج گئی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کے بھرے مجمع میں تشریف لائے، اور فرمایا سن لو! میرا نام عمر ہے، میں نے حضور کا دین قبول کرلیا ہے، جس کو جو کرنا ہے کر لے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد وہ صحابہ جو چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، ان کو یہ ڈھارس پیدا ہوگئی کہ وہ برملا مسجدِ حرام میں آ کر نماز پڑھتے تھے، کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مقام عطا فرمایا۔ (الروض الانف ۲/۱۲۴)

حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''مرادِ پیغمبر'' ہیں، اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے کہ ہمیں دین کی تقویت کے لئے عمر مرحمت فرمائیے۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی تقویت کا جو کام لیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ فاروق ان کا لقب ہے، فاروق کے معنی ''حق اور باطل میں امتیاز کرنے والے'' کے آتے ہیں، جس طرح سے حضرت ابوبکر کا لقب ''صدیق'' ہے، یعنی تصدیق کرنے

میں کمال، انتہائی اعلیٰ درجہ کی تصدیق ان کی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمر! تمہارا حال یہ ہے کہ اگر کسی گلی سے گذر جاؤ، تو شیطان آتا ہوا راستہ کاٹ دیتا ہے کہ عمر آ رہے ہیں، شیطان کے اوپر بھی ایسا رعب اور دبدبہ ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ باقی رہتا، تو عمر کو نبی بنایا جاتا؛ لیکن نبوت جاری نہیں ہے۔ یہ واقعہ ۶/نبوی میں پیش آیا۔ (سیرتِ رسول کریم ۶۶)

ہجرتِ حبشہ

لیکن بہرحال پریشانی کا سلسلہ تھا اور لوگ تنگی میں تھے، طرح طرح کے حالات پیش آتے تھے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے صحابہ کو اجازت دے دی کہ اگر آپ لوگ مکہ کے علاوہ کسی جگہ جانا چاہیں تو چلے جائیں، اور وہاں پر دین پر عمل کرنے میں جو سہولتیں ہوں ان کو اختیار کرلیں۔

خبر ملی کہ حبشہ کے علاقہ میں ایک عادل، منصف اور نرم مزاج بادشاہ ہے، جس کا لقب ''نجاشی'' اور نام ''اصحمہ'' تھا۔ چناں چہ ۵/نبوی میں ایک چھوٹی سی جماعت جس میں ۱۲/مرد اور ۵/عورتیں تھیں، جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اہلیہ حضرت رقیہ (پیغمبر علیہ السلام کی صاحب زادی) بھی ساتھ تھیں، یہ جماعت مکہ مکرمہ سے نکل کر حبشہ چلی گئی۔ کفار نے پیچھا بھی کیا؛ چوں کہ حبشہ جانے کے لئے سمندر پار کرنا پڑتا ہے؛ لیکن یہ لوگ کشتی میں سوار ہو چکے تھے، اس طرح سے حبشہ پہنچ گئے، کچھ ہی دنوں بعد ان کو کسی ذریعہ سے خبر ملی کہ مکہ کے سب لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، چناں چہ وہ پھر واپس آ گئے، یہاں آ کر پتہ چلا کہ خبر جھوٹی ہے، پھر نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی بھی اگر کوئی جانا چاہے تو جا سکتا ہے، ہماری جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ (الرحیق المختوم ۱۴۱-۱۴۳)

چناں چہ دوسری مرتبہ کچھ مہینوں کے بعد پھر ایک جماعت تیار ہوئی، جس میں ۸۶/مرد اور ۱۷/عورتیں تھیں، دوبارہ یہ لوگ پھر حبشہ چلے گئے، اور نجاشی کی حکومت میں امن لے کر رہنے لگے اور وہاں ان کو ہر طرح کی آزادی، عافیت واطمینان حاصل رہی۔ (الروض الانف ۲/۹۰-۹۲، البدایہ والنہایہ ۳/۶۷-۷۳)

کفار مکہ کا تعاقب

مکہ کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان وہاں جا کر آباد ہونے لگے، تو ان کو جلن اور حسد پیدا ہونے لگا، اور انہوں نے دو آدمیوں (عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) کو تیار کیا، اور کفار مکہ نے ان کو بہت سے ہدیہ تحائف وغیرہ لے کر بھیجا کہ نجاشی سے یہ کہیں کہ یہ لوگ بددین ہیں اور ہمارے یہاں سے بھاگ کر آئے ہیں، ان کو امن مت دیجئے اور اپنے ملک سے نکال دیجئے۔ حسد کی انتہاء دیکھئے کہ انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ مسلمان دنیا کے کسی خطہ میں جا کر اطمینان سے رہ لیں، چناں چہ یہ دونوں حضرات پہنچے، اور وہاں زمین ہموار کرنی شروع کی، اس طور پر کہ نجاشی کے دربار کے جو امراء اور وزراء لوگ تھے، ان کو تحفے پیش کئے؛ تاکہ کل جب ہم اپنی درخواست پیش کریں، تو آپ لوگ تائید کرنا، اور فوراً بادشاہ سے پروانہ لکھوا دینا کہ ان کو ملک سے نکال کر باہر کردو، اور ڈر بھی رہے تھے کہ ان کو یہاں مت بلوانا، آپ کو اس لئے تحائف دئے جارہے ہیں کہ بغیر کسی تحقیق کے ان کو نکلوانے کا آرڈر کرانا ہے، وہ لوگ تو دنیا دار تھے ہی، پیسے وغیرہ لے کر کہہ دیا کہ ہاں بالکل آپ لوگوں کی حمایت کریں گے۔

چناں چہ اگلے دن جب دربار ہوا، تو یہ دونوں لوگ حاضر ہوئے، اور انہوں نے نجاشی کے سامنے اپنا مدعا رکھا کہ اتنی تعداد میں یہ لوگ ہمارے یہاں سے آگئے، اس لئے آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے، اور ہماری قوم نے آپ کی خدمت میں یہ تحفے بھیجے ہیں۔ درباریوں نے تائید کی کہ بڑے اچھے لوگ ہیں ایسے ویسے ہیں، مگر نجاشی بڑا عقل مند انسان تھا، وہ ان پر ناراض ہوگیا اور کہا کہ تحفے الگ رکھو، میں ایسی بے انصافی نہیں کروں گا، پہلے بلا کر معاملہ کی تحقیق کروں گا، میں بلا وجہ غریب مسافروں کو دربدر کیوں کروں؟ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲/۱۰۸-۱۱۰)

چناں چہ مسلمانوں کے پاس (جہاں یہ لوگ مقیم تھے) فوراً قاصد بھیجا، جب قاصد پہنچا، تو سب نے آپس میں مشورہ کیا کہ سب لوگوں کا بولنا تو ٹھیک نہیں ہے؛ بلکہ اپنا کوئی نمائندہ متعین کرلیا جائے، تمام مہاجر صحابہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ مقرر کیا کہ آپ ہماری

جانب سے گفتگوفرمائیں۔

چناں چہ حضرت جعفر پہنچے،تو دیکھا کہ مکہ سے آئے ہوئے لوگ بھی وہاں موجود ہیں، جب معاملہ پیش ہوا،تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے تین سوال کئے،اور نجاشی سے فرمایا کہ:

(۱) آپ ان سے یہ معلوم کیجئے کہ ہم لوگ جو یہاں پر آئے ہیں، کیا ہم لوگ مکہ والوں کے غلام تھے کہ ان کی اجازت کے بغیر بھاگ کر آ گئے ہیں؟ نجاشی نے معلوم کیا کہ کیا یہ لوگ بھگوڑے غلام ہیں، جو انہیں واپس کرانا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاص نے کہا کہ غلام نہیں؛ بلکہ یہ تو بہت معزز خاندان کے لوگ ہیں۔

(۲) دوسری بات آپ ان سے معلوم کریں کہ کیا ہم نے کسی کا قتل کیا ہے، جو یہ لوگ ہمیں قصاص میں بلانا چاہتے ہیں؟ نجاشی نے معلوم کیا تو کہا کہ نہیں یہ لوگ تو قتل وغیرہ کے کیس میں شریک نہیں ہیں۔ ذرا غور فرمائیں کہ کافر ہونے کے باوجود جھوٹ بولنا انہوں نے بھی گوارا نہیں کیا؛ کیوں کہ جھوٹ بولنا وہ بھی عیب سمجھتے تھے۔

(۳) تیسرا سوال یہ کیا کہ کیا ہم نے کسی کا مال چرایا ہے، اور اس کو لے کر یہاں بھاگ آئے ہیں؟ عمرو بن العاص نے کہا کہ نہیں دینار و درہم کی تو الگ بات ہے، ایک پیسہ بھی انہوں نے نہیں چرایا ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب آپ بتلایئے، یہی تین بنیادیں آدمی کی ہوسکتی ہیں کہ یا تو آدمی کسی کا غلام ہو، اگر وہ کہیں چلا جائے تو پکڑ کر لایا جائے، یا کسی کا قتل کر کے بھاگ گیا ہو اور بدلہ لینے کے لئے اسے پکڑا جائے، یا چور ڈکیت ہو، تو اسے پکڑا جائے، ہم نے تو ان تینوں میں سے کوئی کام نہیں کیا، تو واپس جانے کا کیا مطلب؟ نجاشی نے کہا اچھا ٹھیک ہے۔

اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو ان سے ناراضگی کیوں ہے؟ تو عمرو بن العاص نے کہا کہ یہ لوگ بد دین ہو گئے ہیں، اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ کر انہوں نے نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ نجاشی نے ان سے معلوم کیا کہ آپ کا دین کیا ہے؟

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی تمام نعمتوں سے سرفراز فرمائیں) نے ایسی بہترین تقریر فرمائی کہ جس میں اسلام کی تمام تعلیمات کو نہایت خوب صورت انداز میں جمع کر دیا، اور اسلام کا منشور بیان کر دیا، انہوں نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''جناب بادشاہ! ہم ایسے لوگ تھے جو شرک کرتے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، اور ہم میں سے بعض بعض کی طرف سے حلال حرام اور ناجائز امور کا ارتکاب کرتے تھے (اللہ کی مرضی کے بغیر جسے چاہا حلال کیا اور جسے چاہا حرام کیا، یعنی حلال وحرام کی کوئی تمیز ہمارے اندر نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک پیغمبر بھیجا ہمارے ہی خاندان میں سے، اور ہم اس کی وفاداری، سچائی اور امانت داری سے پہلے سے واقف تھے، ہمارا چالیس سال کا تجربہ تھا، اس پیغمبر نے آ کر ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی؛ تاکہ ہم اللہ کو ایک مانیں، اور وہ تمام معبودانِ باطلہ ہم اور ہمارے آباء واجداد جن کو پوجتے تھے، ہم سب نے ان سے براءت کر لی، اور اس پیغمبر نے ہمیں یہ بتلایا کہ یہ پتھر جنہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے، ان کا پوجنا کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے، اور اس پیغمبر نے ہمیں سچ بولنے کا، امانت کی ادائیگی کا، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا، حرام کاموں اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا، اور اس نے ہمیں بے حیائی کی باتوں سے، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے، بے قصوروں پر تہمت لگانے سے روکا، اور ہمیں ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، یہ ہمارا مذہب ہے، اور ہمارے پیغمبر کی تعلیم ہے''۔

نجاشی نے کہا یہ تو بہت اچھی بات ہے، اور اس سے اچھا کوئی مذہب نہیں ہوسکتا، میں تم کو ہرگز اپنے علاقہ سے نہیں نکالوں گا؛ کیوں کہ آپ لوگ تو ہمارے لئے باعثِ برکت ہو، تم لوگ سکون واطمینان اور مزے سے رہتے رہو۔ اور مکہ معظّمہ سے آئے ہوئے لوگوں سے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ، اور اپنے تحائف بھی لے جاؤ، تمہاری رشوت لے کر میں ان کے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکتا، ان لوگوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ پھر ان لوگوں نے سوچا کہ یہ عیسائی لوگ ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب الگ ہے اور عیسائیوں کا الگ ہے؛ لہٰذا ایسی بات اٹھاؤ جس سے ان لوگوں میں

اشتعال ہو جائے، چناں چہ اگلے دن پھر آئے اور کہنے لگے کہ ان کا عقیدہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں بہت خراب ہے، یہ آپ کے ملک میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

نجاشی نے دوبارہ پھر بلایا اور معلوم کیا کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ تو چوں کہ سورۂ مریم نازل ہو چکی تھی، جس کے شروع میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام کا واقعہ موجود ہے، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کے شروع کے دو رکوع پڑھ کر سنا دئے۔ روایات میں آتا ہے کہ قرآنِ کی ان آیات کے پڑھنے کا نجاشی اور اس کے درباریوں پر ایسا اثر ہوا (بڑے بڑے راہبین اور پوپ موجود تھے) وہ اتنے روئے کہ داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور نجاشی نے کہا کہ خدا کی قسم! جو اس میں کہا گیا ہے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام ایک تنکہ بھی اس سے زائد نہیں ہیں، اور ان دونوں لوگوں کو بے مقصد واپس کر دیا کہ یہاں سے فوراً نکل جاؤ، تم کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے، اور یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں جب چاہیں اور جیسے چاہیں رہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے، ان کو کوئی نکال نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس طرح سے مدد فرمائی۔

اور یہ نجاشی بادشاہ اسلام لے آئے تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرما چکے تھے، تو صحابہ کو ایک میدان میں جمع فرمایا اور غائبانہ ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ ان کو عطا فرمایا، کبھی پیغمبر علیہ السلام کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی؛ لیکن حضور نے مدینہ میں رہتے ہوئے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرات علماء کرام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رکاوٹوں کو دور فرما دیا تھا، گویا کہ جنازہ سامنے ہی تھا۔ یہ بادشاہ نجاشی نیک اور صالح تھے، جس کی صالحیت اور ایمان کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمانت دی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نجاشی بادشاہ کی وفات کے بعد ان کی قبر پر روشنی نظر آتی تھی۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲/۱۱۷)

سوشل بائیکاٹ

اس کے بعد اسلام کے پھیلنے کا سلسلہ جاری رہا اور لوگ رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہوتے

رہے، اور مکہ کے لوگ ہر موقع پر بالکل زچ ہوتے رہے، انہوں نے آخری حربہ یہ استعمال کیا کہ سب لوگ جمع ہوئے اور ایک پنچایت ہوئی، جس میں جناب ابوطالب پر دباؤ ڈالا گیا کہ بس بہت ہوچکا ہے، اب آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے کردیجئے، اور کہا کہ اگر آپ نے حوالے نہیں کیا، تو آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ کردیا جائے گا، خواجہ ابوطالب نے صاف منع کردیا کہ یہ نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ ان تمام شرپسندوں نے مل کر ایک دستاویز تیار کی اور اس میں یہ لکھا گیا کہ: ''جب تک بنو ہاشم کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے، ان کے خاندان والوں سے رشتہ ناطہ، آنا جانا، دعوت اور خرید وفروخت سب بند ہیں''۔ چناں چہ وہ معاہدہ نامہ لکھ کر بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کہیئے کہ بنوہاشم کے سب لوگ خواہ وہ مسلمان ہوچکے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، ان سب نے اس معاملہ میں حضور کا ساتھ دیا، اور ''شعب ابی طالب'' میں یہ لوگ تقریباً ڈھائی یا تین سال تک اسی طرح محصور رہے، اور تنگی کا معاملہ اس قدر تھا کہ کئی کئی دن گذر جاتے تھے، کوئی چیز کھانے کو دست یاب نہ ہوتی تھی، اور بچے بھوک سے بلکتے رہتے تھے، ان کے لئے بھی کچھ انتظام نہیں تھا، راتوں کی نیند اڑ گئی تھی، مکہ میں اگر کوئی تجارتی قافلہ آجاتا تو مکہ کے لوگ یہ کہتے کہ خبردار! ادھر مت چلے جانا، اور اگر کوئی چیز خریدنے آتا تو دوگنی اور چوگنی قیمت لے کر تب اسے دیا کرتے تھے، یہ صورتِ حال صرف دین کے لئے ان حضرات نے برداشت کی۔

جب معاملہ حد سے تجاوز کرگیا تو انہیں میں سے کچھ لوگ پیدا ہوئے، اور انہوں نے رات کی اندھیریوں میں کچھ غلہ وغیرہ پہنچانا شروع کیا، پھر بھی ابوجہل ملعون اس میں رکاوٹ بنتا رہا، اور ان کو ذلیل کرتا رہا۔ بالآخر پانچ سرداروں کے دل میں رحم آیا، جس میں زمعہ بن الاسود، حکیم ابن حزام، ابوالبختری اور زہیر بن ربیعہ تھے، جنھوں نے آپس میں یہ پلان بنایا کہ یہ ظلم ہمیں برداشت نہیں ہے کہ ہمارے اسی خاندان کے لوگ بچے، جوان اور بوڑھے بے چارے اس طرح پریشان

رہیں، اور ہم کھاتے پیتے رہیں، یہ بات ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی، اور اس ظالمانہ معاہدہ کو ختم ہونا چاہئے۔ چناں چہ یہ بات سامنے آئی کہ اس کو کل میٹنگ میں پیش کیا جائے، یہ سب لوگ جمع ہوئے اور زہیر بن ربیعہ نے مسئلہ اٹھایا کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی، ڈوب مرنے کا مقام ہے، تمہارے ہی خاندان کے لوگ اس طرح سے تکلیفیں جھیل رہے ہیں، آخر کب تک جھیلتے رہیں گے؟ کچھ اِدھر سے کھڑے ہوئے کچھ اُدھر سے کھڑے ہوئے، اس طرح ابوجہل حیران و پریشان ہوکر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے انہوں نے پلاننگ کی ہے۔

اُدھر (شعبِ ابی طالب میں) پیغمبر علیہ السلام نے جناب ابوطالب کو یہ خبر دی کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ دستاویز جو لکھی گئی تھی (جو بیت اللہ شریف میں لٹکی ہوئی ہے) اس میں جہاں ''اللہ'' کا نام لکھا ہوا تھا، وہ تو باقی ہے، باقی سب دستاویز کیڑوں نے کھالی ہے۔ تو ابوطالب نے ان سرداروں کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بھتیجے نے خبر دی ہے کہ وہ دستاویز اب ختم ہوچکی ہے، اسے پھاڑنے اور ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ خود ہی ختم ہوچکی ہے، اور میرا بھتیجہ نہ آج تک جھوٹ بولا ہے اور نہ بولے گا؛ لہٰذا اسی کو معیار بنالو، اگر ٹھیک ہے تو میں ''محمد'' کو تمہارے حوالے کردوں گا، اور اگر کیڑوں نے کھالی ہے تو معاہدہ ختم ہونا چاہئے، جب کھول کر دیکھا، تو جیسا حضور نے فرمایا تھا بالکل ویسا ہی نکلا، چناں چہ اس طرح سے یہ معاہدہ ختم ہوگیا، اور یہ لوگ اس محاصرہ سے باہر نکل آئے۔ تاریخ اسلام کا یہ بہت ہی کرب ناک مرحلہ ہے، یہ آسان نہیں ہے، سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اتنی شدت کے ساتھ کیسے ان لوگوں نے یہ وقت گزارا ہوگا؟

ابوطالب کی وفات

اس محاصرہ کے ختم ہوجانے کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے سب سے بڑے پشت پناہ آپ کے چچا جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ان کی وفات کے وقت آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور یہ فرمایا کہ چچا جان! صرف ایک کلمہ آپ پڑھ لیجئے؛ تاکہ میں آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں گواہی دے سکوں۔ اتفاق سے اس

وقت ابوجہل اور کفار کے خرانٹ قسم کے لوگ ابوطالب کے پاس جمع تھے، انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا، پھر تو مشکل ہو جائے گی، فوراً انہوں نے پٹی پڑھائی کہ اگر آپ اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے ہٹ گئے، تو مکہ کی لونڈیاں کہیں گی کہ بھتیجے کا کہنا مان کر باپ دادا کے دین پر بٹہ لگا کر چلا گیا، حضور اصرار کرتے رہے اور وہ ابوطالب کو ملامت کرتے رہے، بالآخر ابوطالب کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ: ''مجھے جہنم میں جانا گوارا ہے؛ لیکن لوگوں کی بے عزتی گوارا نہیں ہے''۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

حضور وہاں سے غمزدہ واپس تشریف لے آئے؛ کیوں کہ آپ کو بہت خواہش تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آ کر خبر دی کہ ہمارے والد محترم کا انتقال ہو گیا ہے، حضور نے فرمایا کہ جاؤ! گڑھا کھود کر انہیں دبا دو، اور قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ. (القصص: ٥٦)

بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، ہدایت اسی کو ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔

حضور نے فرمایا کہ دیکھو جب تک مجھے منع نہیں کیا جائے گا، میں برابر ابوطالب کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، کرتے رہے؛ لیکن قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی. (التوبة: ١١٣)

نبی اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی مشرک کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو؟

حضور سے پوچھا گیا کہ ابوطالب نے آپ کی بڑی حمایت کی، تو کیا آپ آخرت میں ان کے لئے کچھ کام آئیں گے؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! اتنا کام آؤں گا کہ میری وجہ سے ان کو جہنم کے سب سے نیچے والے درجہ کے بجائے سب سے کنارے درجہ پر رکھا جائے گا، اور ان کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کے پیروں کے نیچے ایک انگارہ رکھا جائے گا؛ لیکن اس انگارہ کی گرمی ایسی ہوگی کہ دماغ ایسے کھولے گا جیسے پتیلی انگیٹھی پر رکھ کر کھولتی ہے، اور وہ یہ سمجھیں گے کہ مجھے سب

سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالاں کہ یہ جہنم کا سب سے ہلکا عذاب ہوگا؛ لیکن جہنم سے نکل نہیں پائیں گے؛ کیوں کہ حالتِ شرک میں دنیا سے گئے ہیں، حضور پر ان کی وفات کا بہت صدمہ اور اثر ہوا۔ (الرحیق المختوم ۱۸۱، سیرتِ رسول کریم ۵۶)

وفات ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

اس کے تقریباً ۵/۶ دن کے بعد آپ کی نہایت غم گسار، شریکِ زندگی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی، پے در پے یہ دونوں غم انتہائی جاں گسل تھے، اسی لئے اس سال (۱۰/ نبوی کے سال) کو (عام الحزن) کہا گیا ہے۔ حضور کے یہ دو سہارے ایسے تھے جن کی کوئی مثال نہیں، ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی ۲۵/ سال کی رفاقت رہی، اس وقت حضور ﷺ کی ۵۰/ سال کی عمر تھی، اس جدائی پر آپ کو بڑا صدمہ ہوا۔ (الرحیق المختوم ۱۸۲)

سفرِ طائف

بعد ازاں کچھ دنوں کے بعد آپ نے طائف جانے کا ارادہ فرمایا، اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، آپ اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو لے کر طائف تشریف لے گئے، وہاں تین سردار تھے، ایک کا نام عبد یا لیل، دوسرے کا مسعود، تیسرے کا حبیب تھا۔ وہاں پر ان تینوں کا دبدبہ تھا، پیغمبر علیہ السلام ان تینوں سے جا کر ملے اور اپنی دعوت پیش کی، تو تینوں نے بڑی بے رخی اختیار کی۔

ایک نے تو کہا کہ اچھا! پورے عرب میں آپ کے علاوہ اللہ کو نبی بنانے کے لئے کوئی ملا ہی نہیں تھا، نعوذ باللہ آپ ہی رہ گئے تھے؟

دوسرے نے کہا کہ میں تو آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا؛ اس لئے کہ اگر آپ سچے ہیں، تو میں عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا، اور اگر جھوٹے ہیں، تو میں جھوٹے سے بات ہی نہیں کرتا، اس طرح کی باتیں کر کے حضور کے پیچھے علاقہ کے غنڈوں لفنگوں کو لگا دیا، وہ آپ کے پیچھے تالیاں بجاتے، پتھر مارتے اور آپ کو اس قدر پتھر وغیرہ مارے کہ آپ کے جوتے خون سے تر بتر ہو گئے۔

آپ نے ان کا کیا بگاڑا تھا، کیا قصور کیا تھا؟ کیا آپ نے ان کی حکومت لینے کی کوشش کی؟ مال لینے کی کوشش کی؟ عزت لینے کی کوشش کی؟ صرف ایک دین کی دعوت پیش کرنے کے لئے آپ وہاں تشریف لے گئے؛ لیکن ان لوگوں نے جو سلوک کیا، وہ انسانی ظالمانہ تاریخ میں ایک سیاہ دن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ (سیرت رسول کریم ۵۶)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام زخموں سے چور لہولہان ہو کر طائف سے واپس تشریف لائے، راستہ میں عتبہ اور شیبہ کا ایک انگور کا باغ تھا، وہاں آپ نے کچھ دیر آرام کیا، اور آپ نے نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ کے دربار میں دعا فرمائی کہ: ''اے الٰہ العالمین! میں آپ سے اپنی کمزوری، کم تدبیری، لوگوں کی نظروں میں اپنی ذلت کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے کس کے حوالے کرنے جا رہے ہیں؟ ایسے دشمن کے جو میرے اوپر غالب آجائے، یا ایسے رشتہ دار کے جو مجھے اپنے قابو میں کرلے، اے کمزوروں کے رب! بات دراصل یہ ہے کہ مجھے تو آپ کی رضا چاہئے، اگر آپ اسی میں راضی ہیں، تو میں بھی اسی پر راضی ہوں؛ لیکن میں کمزور ہوں اس لئے اگر آپ مجھے عافیت دیں تو زیادہ بہتر ہے''۔

پھر آپ وہاں سے تشریف لے چلے؛ لیکن اس سے پہلے ہی یہ عتبہ اور شیبہ جو دو بھائی تھے، یہ دونوں بیٹھے دیکھ رہے تھے، انہوں نے انگور کا ایک خوشہ پلیٹ میں رکھ کر ایک نصرانی غلام (جس کا نام عداس تھا نینوا کا رہنے والا) کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا، پیغمبر علیہ السلام نے بسم اللہ پڑھ کر اسے نوش فرمایا، تو وہ غلام عداس کہنے لگا یہ تو عجیب کلام ہے؟ حضور نے فرمایا کہ میں نبی ہوں اس لئے میں نے اللہ کا نام لیا، حضور نے معلوم کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا کہ نینوا کا رہنے والا ہوں جو حضرت یونس علیہ السلام کی بستی تھی، حضور نے فرمایا کہ میرے بھائی یونس کے علاقہ کے ہو؟ یہ سن کر عداس نے حضور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پیر چومے، اور اپنی سعادت مندی ظاہر کی۔

جب یہ واپس گیا تو عتبہ اور شیبہ نے کہا کہ تم بھی ان کے کہنے میں آگئے ہو؟ عداس نے ان

سے کہا کہ یہ اس دور کے نبی ہیں اور اللہ کے سچے رسول ہیں، اور ان کو نقصان پہنچانے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (اصح السیر ۵۶-۵۷)

پھر پیغمبر علیہ السلام وہاں سے چلے، تو دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمارہے ہیں کہ جو فرشتے پہاڑوں پر مقرر ہیں، حاضر ہیں، اللہ نے ان کو حکم دے کر پوچھا ہے کہ میرے پیارے سے معلوم کرو، اگر وہ فرمائیں تو ان پہاڑوں کو ملا کر طائف کی پوری آبادی تباہ اور برباد کر دی جائے۔ یہاں اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے کہ اگر ہمارے ساتھ ایسا معاملہ ہو، اور ایسی پیش کش ہو، تو ہمارا دل کیا گواہی دے گا؟ لیکن آپ رحمت للعالمین تھے، فرمایا: میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ لوگ تباہ و برباد ہوں، میری خواہش تو یہ ہے کہ اگر یہ اسلام قبول نہ کریں، تو ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنے والے ہوں۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۱/۲۷۸) پھر آپ مکہ معظّمہ تشریف لے آئے اور مکہ میں داخلہ سے پہلے آپ نے مطعم بن عدی کی پناہ لی؛ کیوں کہ بغیر پناہ کے آنا خطرہ سے خالی نہیں تھا، چناں چہ ان کی پناہ میں آپ تشریف لے آئے اور یہاں قیام فرمایا؛ لیکن وہ صورتِ حال اب نہیں رہی تھی، جو جناب ابو طالب کے زمانہ میں تھی۔ (سیرتِ مصطفیٰ ۱/۲۸۱)

واقعۂ اسراء و معراج

اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایسی شرافت اور سعادت سے سرفراز فرمایا کہ جس کے اندر کوئی نبی کسی درجہ میں شریک نہیں ہے، یہ اختصاص اور امتیاز صرف اور صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے، اتنے مراحل گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دنیوی اعتبار سے ایک مختصر وقت میں بطور معجزہ اتنا لمبا سفر آپ کو کرایا کہ جس پر یقین کرنے سے انسانی عقلیں عاجز اور حیران ہیں؛ لیکن ایمان والے اس پر سو فیصد یقین رکھتے ہیں، یہ سفرِ معراج ہے۔ قرآنِ کریم کی جو آیت میں نے شروع میں پڑھی تھی اس میں اسی سفر کا تذکرہ ہے کہ:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے وہ ذات کہ جو اپنے بندے کو لے چلی
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب،

الْـمَسْـجِـدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَ کْنَا حَوْلَـهٗ لِنُـرِیَـهٗ مِـنْ اٰیَـاتِنَآ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ. (بنی اسرائیل: ۱)

جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے؛ تاکہ ہم اسے اپنی علامتیں دکھلائیں، بے شک وہ بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔

حدیث کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ام ہانی کے گھر (اِس وقت جو بیت اللہ شریف بنا ہوا ہے، بابِ عبد العزیز سے داخلہ کے بعد بائیں طرف یہ جگہ ہے) تشریف فرما تھے، اچانک آپ نے آواز سنی کہ کوئی آپ کو آواز دے رہا ہے، اِدھر اُدھر دیکھا کوئی نظر نہیں آیا، دو تین مرتبہ ایسے ہی ہوا، پھر دیکھا کہ چھت پھٹی ہے اور دو آدمی آئے، اور آپ کو اٹھا کر زم زم کے کنوئیں پر لائے، آپ کو لٹا کر سینہ چاک کیا، قلبِ اطہر نکالا اور ایک سونے کے طشت میں علم وحکمت بھر کر لایا گیا تھا، اس کو آپ کے قلبِ اطہر میں ڈالا گیا، پھر آپ کے قلب کو ٹھیک کر کے سینہ برابر کر دیا، اس کے بعد ایک سواری لائی گئی جس کو ''براق'' کہا جاتا ہے، حضور نے فرمایا کہ یہ براق خچر کے مانند ایک جانور تھا؛ لیکن وہ اتنا تیز رفتار تھا کہ تاحد نظر اس کی ٹاپ پڑتی تھی، گویا کہ بجلی کی طرح چلتا تھا۔

پیغمبر علیہ السلام اس پر سوار ہو کر تشریف لے چلے، پیدل چلنے میں جو ایک مہینہ کی مسافت تھی، وہ سکنڈوں میں طے ہوگئی، مسجد اقصیٰ تشریف لائے، مسجد اقصیٰ میں جہاں پر پہلے انبیاء کی سواریاں بندھتی تھیں، وہی پر اسے باندھا گیا، آپ تشریف لائے، تو آپ کی خدمت میں دو ایسے پیالے پیش کئے گئے، جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی، آپ کو اختیار دیا گیا کہ جو چاہیں پی لیں، تو آپ نے دودھ والا پیالہ نوش فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: بہت مبارک! اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی، آپ نے فطرت کا راستہ اختیار کیا۔ (الروض الانف ۱۸۸/۲)

پھر ایک سیڑھی لائی گئی، (عربی میں سیڑھی کو ''معراج'' کہتے ہیں) اس سیڑھی پر چڑھ کر آپ آسمان پر تشریف لے گئے، آج کل تو یہ کوئی مشکل نہیں؛ کیوں کہ اب تو خود انسانوں نے ایسی الیکٹرانک سیڑھیاں بنالیں کہ اس پر کھڑے ہو کر سیدھے اوپر پہنچ جائیے، تو کیا اللہ تعالیٰ نہیں

بنا سکتے ؟ پہلے لوگ سوچتے تھے کہ سیڑھی پر چڑھتے چڑھتے کتنا وقت لگا ہوگا؛ لیکن یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ الیکٹرانک سیڑھی تھی، سکنڈوں میں یہاں سے وہاں پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دروازہ بند ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کھٹکھٹایا، یہ نہیں کہ فوراً کھل جاتا، اندر سے آواز آئی کہ کون؟ جواب ملا: جبرئیل۔ ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں سے آتے جاتے ہوں گے، سب پہچانتے ہوں گے؛ کیوں کہ آپ سید الملائکہ ہیں، ورنہ کہنا چاہئے تھا کہ اچھا! فوراً دروازہ کھول دو حضور آ گئے ہیں، پوچھا کہ مَنْ مَعَكَ؟ اکیلے ہو یا کوئی اور بھی ساتھ ہے؟ کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ حضور کا نام آسمانوں پر مشہور ہوگا، ان پہرے داروں کو ضرور پتہ ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں، کتنی بڑی شخصیت ہیں؟ فوراً نہیں کھولا، اللہ تعالیٰ کو یہ دکھلانا مقصود ہے کہ دیکھو ہمارے یہاں کتنی زبردست سیکورٹی ہے، کوئی پر نہیں مار سکتا۔ (الرحیق المختوم ۲۲۰)

تیسرا سوال یہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مدعو بھی کیا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ ہاں مدعو ہیں، تیسرے سوال کے بعد دروازہ کھلا، اس کے بعد وہاں پر موجود فرشتوں نے استقبال کیا۔ اللہ تعالیٰ یہ دکھلانا چاہتے تھے کہ آسمانوں میں اللہ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی آ سکتا ہے اور نہ کوئی جا سکتا ہے، حتیٰ کہ فرشتے بھی اپنی مرضی سے کسی کو وہاں نہیں لے جا سکتے؛ کیوں کہ اگر لا سکتے تو سید الملائکہ جبرئیل علیہ السلام لا سکتے تھے؛ لیکن ان کے ساتھ بھی سیکورٹی سخت ہے، وہاں آپ نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر آپ دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچوے، چھٹے اور ساتویں آسمان پر گئے، اور ہر آسمان پر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لوگ مبارک باد دیتے رہے، آپ کا اعزاز واکرام ہوتا رہا، گذرتے رہے اور مرحبا مرحبا کی آوازیں آتی رہیں، پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ (جو ایک بیری کا پیڑ ہے) تشریف لے گئے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سب جگہ پر پھیلا ہوا تھا اور اس پر بڑے بڑے مٹکوں کی طرح بیر لگے ہوئے تھے، اور بہت بڑے بڑے پتے تھے، اور اس پر جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلیاں پڑتی ہیں، تو فرشتے تتلیوں کی شکل میں اس پر گر پڑتے ہیں، تو ایسا حسین منظر ہوتا ہے کہ میں اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ (الرحیق المختوم ۲۲۱)

اسی طرح آپ البیت المعمور (فرشتوں کا قبلہ) میں تشریف لے گئے، فرمایا کہ اس میں ہر روز ۷۰/ہزار فرشتے جاتے ہیں، اور جس کا ایک مرتبہ نمبر آ گیا، قیامت تک دوبارہ اس کا نمبر نہیں آئے گا۔ پھر ایک مقام پر آپ کے لئے سواری (رف رف) لائی گئی، اور حکم ہوا کہ اس پر تشریف رکھئے، حضور نے فرمایا کہ جب ہم چلے تو قلم کے لکھنے کی آوازیں آ رہی تھیں، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ سکریٹریٹ تھا کہ تمام دنیا کے لئے جو فرمان بھیجے جاتے ہیں، وہ سب وہاں پر لکھے جاتے ہیں، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پہنچے، اور جو راز و نیاز اور خفیہ باتیں ہوئیں وہ اللہ یا آپ کے محبوب پیغمبر ہی کو معلوم ہے۔ حضراتِ علماء کرام یہی کہتے ہیں کہ توقف کرو، ہم حتمی رائے کچھ نہیں دے سکتے کہ کیا ہوا؟ جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ (الروض الانف ۲/۲۰۵)

نمازوں کی فرضیت

پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس ہونے لگے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں تحفوں سے نوازا، سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں آپ کو عطا ہوئیں، اسی طرح ۵۰/نمازیں تحفہ میں ملیں، جتنا بڑا میزبان اسی اعتبار سے مہمان کا اکرام ہوتا ہے۔ جب واپسی ہوئی تو چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، معلوم کیا کہ کیا ملا؟ حضور نے فرمایا کہ ۵۰/نمازیں ملی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑی مشکل ہو جائے گی، میری قوم سے تو دو ہی پڑھنی بھاری ہو گئی تھیں، آپ کی امت ۵۰/کیسے پڑھ لے گی؟ کہا کہ پھر کیا کریں؟ فرمایا کہ جاؤ اور درخواست لگاؤ کہ ان میں تخفیف کی جائے؛ چناں چہ آپ واپس تشریف لائے اور درخواست لگائی، تو اللہ تعالیٰ نے ۵/کم کر دیں، ۴۵/رہ گئیں، واپسی میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بھائی ۴۵/بھی بہت ہیں، بہت مشکل ہو جائے گی، جاؤ اور کم کرالو، اس طرح سے پانچ پانچ کم ہوتی گئیں، اور آخر میں ۵/رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ ۵/بھی بہت ہیں پھر جا کر کم کرالو۔ حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سن لو! ہمارے یہاں معاملہ بدلا نہیں کرتا، پڑھنی پانچ ہیں؛ لیکن ثواب پچاس کا ہی ملے گا، اللہ تعالیٰ

نے ہر نیکی کا بدلہ دس گنا رکھا ہے۔﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ یعنی پڑھو پانچ اور ثواب ۵۰؍ کا پاؤ۔ یہ تحفہ لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے، اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام آپ کو الوداع کہنے تشریف لائے، یہاں آکر آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی؛ اس لئے آپ امام الانبیاء ہیں۔ (ملخصاً: تفسیر ابن کثیر مکمل ۷۵۷-۷۷۲)

جس رات آپ تشریف لے گئے، اسی رات میں واپس بھی آ گئے، باقی ماندہ رات ختم نہیں ہوئی تھی، اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انتظام تھا کہ اتنا لمبا سفر بھی ہوا، اور سب معائنہ ہوا، آنا جانا بھی ہو گیا، ملاقاتیں بھی ہو گئیں، اور رات جوں کی توں ہے، وقت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وقت ایک سکنڈ آگے نہیں بڑھ سکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی شاملِ حال نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جام کر دے، وقت کس چیز کا نام ہے؟ سورج کے چلنے پھرنے کا نام ہے، سب چیز اپنی جگہ پر رہ جائیں تو کیا چیز چل سکتی ہے وقت وہیں کا وہیں رہے؟ (سیرت رسول کریم ۵۹)

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ تشریف لے آئے، تو صبح کو بتلایا کہ رات اس طرح کا واقعہ پیش آیا، تو یہ سن کر مشرکینِ مکہ کہنے لگے کہ ہم کہتے نہیں تھے کہ یہ مجنوں ہے، بھلا ایسا بھی کہیں ہوسکتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ اور آسمانوں پر چلے گئے، ان کو تو ایک موضوع ہاتھ آ گیا۔ کفار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور کہا کہ تم جیسا شریف آدمی اور ایسی باتوں پر یقین کرلے، اب تو باز آ جاؤ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درجات اللہ تعالیٰ نہایت بلند فرمائیں، آپ نے برجستہ فرمایا کہ کیا باتیں کرتے ہو؟ ہم تو ان کی ان سے بڑی بڑی باتیں مان چکے ہیں، قیامت مان لی، جنت مان لی، جہنم مان لی، یہ کیا بڑی بات ہے؟ اگر واقعی وہ ایسا کہتے ہیں تو میں گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، پیغمبر علیہ السلام سے ملے بغیر آپ نے تصدیق فرمائی؛ اسی لئے آپ کو صدیق اکبر کا لقب ملا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ دن کونسا تھا؟ فرمایا کہ بہت تکلیف دہ دن تھا جب مکہ معظّمہ سے حطیم کے پاس مجھے لوگوں نے گھیر لیا اور کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں مسجد اقصیٰ گیا تھا، تو آپ یہ بتلایئے کہ مسجدِ اقصیٰ میں کتنے روشن دان ہیں، کتنے طاقچے ہیں اور کتنے دروازے ہیں؟ اور میں بتا نہیں پا رہا تھا، کیسے بتاتا؟ کوئی آدمی کسی عمارت میں جائے تو وہ آکر یہ بتلا سکتا ہے کہ اس میں کتنے طاقچے ہیں، کتنے دروازے ہیں، کتنے ستون ہیں؟ آپ لوگ کتنی مرتبہ اس مسجد میں آئے ہوں گے، آپ سے کوئی معلوم کرنے لگے کہ مسجد میں کتنے طاقچے ہیں، کیا کوئی بتلا سکتا ہے؟ صرف پیغمبر علیہ السلام کو زچ کرنے کے لئے یہ سوال کیا گیا؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیاروں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پورا بیت المقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا، اور وہ جو سوال کرتے رہے، میں دیکھ کر تمام سوالوں کا جواب دیتا رہا، اور اس بات کی تائید ہوگئی کہ یہ واقعہ سو فیصد سچا ہے۔ (مسلم شریف ۱/۹۶)

اس میں شک وشبہ کی کہیں سے کہیں تک کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سنو! میں نے راستہ میں فلاں قافلہ دیکھا ہے، وہ آج فلاں جگہ پہنچا ہے اور فلاں دن یہاں پہنچے گا، اور اس کا اگلا اونٹ اس رنگ کا ہے، اور اس کی یہ صورت اور کیفیت ہے، لوگ انتظار میں رہے اور حضور نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی نکلا۔

اس کے بعد پھر ایک عجیب واقعہ یہ بھی ہوا کہ ایک قافلہ ملک شام گیا ہوا تھا، ابوسفیان قیصر روم کے پاس پہنچے، وہاں پر پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں تحقیقات چل رہی تھیں، اس نے ابوسفیان سے تحقیقات کیں، یہ کیسے پیدا ہوئے؟ تو ابوسفیان کوئی بات جھوٹی تو کہہ نہیں سکے؛ کیوں کہ جھوٹ بولنا تو ان کے یہاں بھی معیوب تھا؛ لیکن ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسجد اقصیٰ بھی آئے اور معراج کے لئے بھی گئے، اور سوچا کہ یہ بات یہاں پر چل نہیں پائے گی، اور یہ لوگ ان کو برا سمجھیں گے۔ اتفاق سے اسی قیصر کی مجلس میں ایک آدمی کھڑا ہوگیا اور کہا کہ میں وہ رات جانتا ہوں جس رات پیغمبر علیہ السلام مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لے گئے تھے، معلوم کیا کہ تم کیسے

جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ میری مسجد اقصیٰ کے دروازے بند کرنے کی ڈیوٹی تھی، ایک دن ایسا ہوا کہ جب ہم دروازہ بند کرنے لگے، تو ایک دروازہ بند ہی نہ ہو، تمام لوگوں کو بلا کر سارے زور لگا لئے؛ لیکن وہ دروازہ بند ہی نہ ہو، بڑھیوں کو بلایا گیا کہ بند نہیں ہوتا ہے اور جام ہو گیا، اس نے کہا کہ اس پر چھت کا زور آ گیا ہے، یہ تو صبح ہی کو ٹھیک ہوگا اس کو ایسے ہی چھوڑ دو، کہتے ہیں کہ اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا گیا، صبح جب ہم وہاں پہنچے، تو ایسا محسوس ہوا کہ وہاں کسی جانور کو باندھا گیا ہے، اب مجھے یقین ہوا کہ یہ جو واقعہ سنا رہے ہیں یہ وہی واقعہ ہے، یقیناً پیغمبر علیہ السلام اس دن وہاں تشریف لے گئے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۷۷)

اللہ تعالیٰ نے ایک غیر کے ذریعہ سے اس واقعہ کی صداقت کو ظاہر فرمایا، اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ کسی نبی کے ساتھ اس انداز کا واقعہ پیش نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا مہمان بنا کر اپنے دربار میں بلایا، اور تمام چیزوں کو دکھلایا، یہ آپ کی رسالت اور صداقت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، اور آپ کا عظیم اعزاز واکرام ہے جیسا اکرام کسی اور کا نہیں ہوا ہے، اور اس موقع پر جو تحفہ ملا وہ نماز کا ہے، اس کے علاوہ جتنے بھی فرائض روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ہیں، وہ سب دنیا ہی میں دئے گئے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نماز مؤمنین کی معراج ہے اور اللہ تک پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان ویقین عطا فرمائیں، پیغمبر علیہ السلام کی پکی سچی محبت کرنے والا بنائیں، آپ کی اطاعت کی توفیق دیں اور آپ کی شفاعت نصیب فرمائیں، آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين
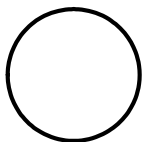
بیعتِ انصار و ہجرتِ مدینہ

الحمد لله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَاناً نَصِیْراً ○ [بنی اسرائیل: ۸۰]

مدینہ منورہ (یثرب)

مکہ معظّمہ سے تقریباً ۴۵۰ رکلومیٹر دور ایک آبادی قدیم زمانہ سے آباد تھی، جس کو ’’یثرب‘‘ کہا جاتا ہے، اس بستی میں دو قبیلے آباد تھے، جو یمن کے علاقہ سے صدیوں پہلے آ کر بس گئے تھے، ان میں سے ایک قبیلہ کا نام ’’اوس‘‘ اور دوسرے قبیلہ کا نام ’’خزرج‘‘ تھا۔ (الروض الانف ۱/۴۸)

انہی قبیلوں کے لوگ اور ان سے وابستہ حضرات بعد میں ''انصارِ مدینہ'' کہلانے لگے۔ اس بستی کو پہلے کوئی ''مدینہ'' کے نام سے نہیں جانتا تھا؛ بلکہ ''یثرب'' کے نام سے اسے جانا جاتا تھا، اور اس کے اطراف میں یہودیوں کے بھی کئی قبیلے آباد تھے، جن میں سے تین قبیلے بہت طاقت ور تھے: (۱) بنوقینقاع (۲) بنونضیر (۳) بنوقریظہ۔ یہودیوں کی سرشت میں بہت زیادہ شرارت ہے اور یہ زیادہ تر مہاجن قسم کے لوگ ہوتے ہیں، سود پر پیسہ دیتے تھے اور انصار کے قبیلوں کو آپس میں لڑا کر اپنی چودھراہٹ برقرار رکھتے تھے۔ جب ان کی آپس میں اوس وخزرج سے لڑائیاں ہوتی تھیں، تو یہ کہتے تھے کہ آخری نبی پیدا ہونے والے ہیں اور وہ ہم ہی میں سے ہوں گے، اور ہم ان کے ساتھ مل کر تم کو سبق سکھلائیں گے، گویا کہ یہودی اوس وخزرج کے لوگوں سے یہ بات کہہ کر دھونس جماتے تھے، اس وجہ سے اگرچہ اوس وخزرج اس وقت مشرک تھے؛ لیکن ان کے دل ودماغ میں یہ بات تھی کہ آخری نبی پیدا ہونے والے ہیں، اور یہودیوں سے یہ لوگ پریشان بھی تھے؛ کیوں کہ یہودیوں نے ایسا جال پھیلا رکھا تھا جس سے یہ نکل نہیں پاتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۶۰)

اُدھر مکہ معظّمہ میں جب جناب ابوطالب کی وفات ہوگئی، تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اور زیادہ مشکلات کھڑی ہوگئیں۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۳۳، ۱۴۵)

حج کے موقع پر جو قبیلے آتے تھے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام خاموشی سے ان کے پاس جا کر یہ اعلان کرتے تھے کہ کون ہے جو میری اور میرے ساتھیوں کی ذمہ داری لے؟ تو میں اس کے لئے جنت کی گارنٹی لیتا ہوں؛ لیکن وہ سب لوگ ڈرتے تھے کہ قریش کے لوگوں سے کون ٹکر لے گا؟ کیوں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی حمایت کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے لوگوں سے جنگ کا اعلان؛ اس لئے کہ قریش کا لوگوں پر بڑا رعب اور دبدبہ تھا؛ لہٰذا کوئی قبیلہ والا حامی بھرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۶۲)

مدینہ منورہ میں اسلام کی آمد

اوس وخزرج کے لوگ بھی حج کے لئے مکہ معظّمہ جاتے تھے، اس طرح اوس کے کچھ لوگ مکہ

معظّمہ گئے، جن کے نام ہیں: سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں بھی تبلیغ کی، تو ان کے بات سمجھ میں آئی اور دل کھٹکا کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں، جن کا نام لے کر یہودی ہمارے اوپر دھونس جماتے ہیں، تو ایسا کیوں نہ کرلیں کہ پہلے ہی ہم ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں، اس سے یہودیوں کا مقابلہ کرنے میں ہمیں تقویت حاصل ہوگی؛ لیکن اس سال کوئی خاص مشورہ نہیں ہو پایا اور یہ لوگ واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ (الرحیق المختوم ۲۰۹)

بیعتِ عقبہ

اگلے سال (یعنی ۱۱ر نبوی میں) مدینہ منورہ سے جو حضرات حج کے لئے گئے، ان میں سے ۶ر حضرات جن میں: حضرت اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور حارث بن عبد اللہ، خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والے یہ ۶ر حضرات تھے، جنہوں نے منیٰ کی ایک گھاٹی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر خاموشی سے اسلام کی بیعت کی، اور رات کی اندھیری میں یہ بیعت ہوئی؛ کیوں کہ اگر پتہ چل جاتا، تو قریش کے لوگ ان کو بھی گھیر لیتے۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں کچھ سکھلایا اور فرمایا کہ مدینہ میں جا کر تبلیغ کرو، چناں چہ یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور چپکے چپکے یہاں پر تبلیغ کرتے رہے، اور ان کے کہنے پر بڑے بڑے سردار مشرف باسلام ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۶۵، الرحیق المختوم ۲۱۵)

اگلے سال پھر ۱۲ر حضرات آئے اور انہوں نے خاموشی سے بیعت کی، اس کے بعد تیاری شروع ہوگئی کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں بلائیں گے اور پورا تحفظ عطا کریں گے، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے ساتھ کچھ صحابہ کو بھی بھیج دیا؛ تاکہ وہاں جا کر تبلیغ کریں۔ (الرحیق المختوم ۲۲۸)

اگلے سال پھر ۷۳ یا ۷۵ر حضرات حج کے ارادہ سے یہاں آئے؛ لیکن انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ ہمارا منصوبہ کیا ہے؟ نبی اکرم علیہ السلام سے خاموشی کے ساتھ ملاقات ہوئی، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ان کے خیمہ میں تشریف لے گئے، ان لوگوں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ ہم سے

کیا چاہتے ہیں، اورکس بات کی ہم سے ضمانت لینا چاہتے ہیں؟ کیوں کہ مدینہ کے اندر اسلام کا چرچا عام ہو چکا تھا؛ اس لئے یہ حضرات چاہتے تھے کہ مکہ کے لوگ چوں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کو برابر ستائے جا رہے ہیں اور پریشان کر رہے ہیں؛ لہٰذا اب ہم آپ کو اپنے یہاں بلالیں، اور اس طرح اذیت کا یہ سلسلہ بند ہو جائے، تو ان لوگوں نے کمالِ جاں نثاری کے جذبہ سے درخواست کی کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند باتوں کا میں وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ (الرحیق المختوم ۲۳۴)

(۱) اَلسَّـمْعُ وَالطَّاعَةُ: یعنی جو میں حکم کروں تمہیں سو فیصد ماننا ہے، آنا کانی نہیں ہوگی، ایسا نہ ہو کہ اب تو چلے جاؤ اور کل جب کوئی مشکل بات سامنے آئے تو پھر رخ پھیر لو، ابھی سوچ لو، جو میں کہوں گا اسے ماننا پڑے گا، چاہے تمہارے دل میں بشاشت ہو اور چاہے کسل وسستی ہو، تمہیں ہر حالت میں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔

(۲) اَلـنَّفَقَةُ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ: چاہے مال داری کی حالت ہو چاہے تنگی کی، جب پیسے کی ضرورت پڑے گی، تو تمہیں دین کے لئے پیسے خرچ کرنے پڑیں گے، اس کا پکا وعدہ کرو؛ کیوں کہ دنیاوی اسباب کے بغیر تو تحریک نہیں چلتی، اور پیغمبر علیہ السلام اپنے لئے نہیں مانگ رہے تھے؛ بلکہ دین کے لئے، یعنی جب دین کے لئے ضرورت پڑے گی، تو تمہیں چندہ دینا پڑے گا، اس کی تم بیعت کرو، تعاون کرنا پڑے گا، کل کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی۔

(۳) اَلْاَمْرُ بِـالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ: اچھائیوں کا حکم کرنے اور برائیوں پر روک ٹوک کرنے پر تم پورے معاون بنے رہو، میں جا کر معاشرہ کو درست کروں گا، بدعات، خرافات اور رسومات کو مٹاؤں گا، اچھی باتوں کی تلقین کروں گا اور تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے یہ وعدے لئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جب دین کی بات آئے تو کسی بھی طعنہ کرنے والے، طعنہ دینے والے اور برائی کرنے والے کی برائی کا خیال کئے بغیر تمہیں حق اور سچی بات کہنی پڑے گی، اس بارے میں کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح سے آپ نے فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچ جاؤں تو تمہیں میری ہر حالت میں مدداور نصرت کرنی پڑے گی، اور جس طرح تم اپنی اولاد، اپنی بیویوں، اپنے بچوں اور جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تمہیں میری بھی حفاظت کرنے پڑے گی، اگر تم نے ایسا وعدہ اور عہد کرلیا اور یہ بیعت تم نے میرے ہاتھ پر کرلی تو میری ضمانت یہ ہے کہ تمہیں ہر حال میں جنت ملے گی۔ (البدایہ والنہایہ ۱۷۲/۲، الرحیق المختوم ۲۳۶)

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے انصار کے ان ۷۳ یا ۷۵ حضرات سے یہ تقریر فرمائی، تو وہ تمام لوگ دل وجان سے بیعت کرنے پر تیار ہوگئے؛ لیکن ان میں سے سب سے بڑے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو بیعت کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لو، تمہاری بیعت کرتے ہی تمہارے دشمن تمہارے خلاف میدانِ جنگ گرم کرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے، تمام قبیلے تم سے اپنے ہاتھ کو اٹھالیں گے، تمہیں الگ تھلگ یہاں سے جانا پڑے گا، اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا گویا پورے عرب سے دشمنی مول لینا ہے، کبھی کل تمہارے اندر اس بارے میں سستی نہ ہوجائے، اگر معذرت کرنی ہے تو ابھی معذرت کرلو، تمہارے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؛ لیکن اگر پکا وعدہ کرلیا پھر کسی بات میں گڑبڑ ہوتی ہے تو مشکل ہوجائے گی، ابھی سوچ سمجھ لو۔

تمام لوگوں نے بیک زبان کہا کہ نہیں، جو ہوگا سو ہوگا، ہم پیغمبر علیہ السلام کے لئے اپنی جان، مال، عزت اور آبرو سب قربان کردیں گے، کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اسی بیعت کی وجہ سے ان کا لقب ''انصار'' پڑ گیا اور ان کے لئے قیامت تک اللہ کی رضا اور خوشنودی مقدر ہوگئی۔

(البدایہ والنہایہ ۱۷۶/۲، الرحیق المختوم ۲۳۸)

انصار کی فضیلت

غزوۂ حنین کے موقع پر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا، اور کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیا، جو قریش کے سربرآوردہ لوگ تھے، تو انصار کے نوجوانوں کو جب یہ خبر ملی کہ حضور

نے فلاں فلاں کو اتنا اتنا مال دیا ہے، تو بول پڑے کہ ''واہ! جب خون کی ضرورت پڑے تو ہم سے لیا جائے، اور جب پیسہ کی تقسیم کا نمبر آئے تو اوروں کو دیا جائے''۔

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو جب اس کی خبر ملی، تو آپ نے ایک بڑے خیمہ کے اندر سب انصار کو جمع کیا، اور فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے، کیا تمہاری زبان سے ایسی بات نکلی ہے؟ ان کے بڑے لوگوں نے کہا کہ حضرت کسی ذمہ دار نے ایسی بات نہیں کہی، کچھ نوجوانوں نے کہہ دی ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے، تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسی جذباتی بات ارشاد فرمائی کہ سب انصار رونے لگے۔

آپ نے فرمایا کہ: ''انصار کے لوگو! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ دنیا کے لوگ تو گائے، بکری، اونٹ اور سونا چاندی لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے کر جاؤ''؟ (مسلم شریف ۱/۳۳۸)

تو پھر کیا تھا سب انصار کہنے لگے یا رسول اللہ! دنیا کی کوئی چیز ہمیں منظور نہیں؛ بلکہ آپ کی ذات ہمیں منظور ہے۔ انصار کو عزت کیوں ملی؟ پیغمبر علیہ السلام کی نصرت کی وجہ سے، ساتھ دینے کی وجہ سے، بے مثال جاں نثاری کی وجہ سے، انصار کا نام ہمیشہ کے لئے روشن ہوگیا، تو حضراتِ انصار نے یہ بیعت کر لی۔ پھر پیغمبر علیہ السلام نے ان میں سے ۱۲/ آدمیوں کو منتخب فرمایا، اور ہر قبیلہ کا ایک ذمہ دار بنایا کہ تم جا کر اور زیادہ اسلام کو فروغ دو، ان لوگوں کے اس وقت قائد اور امیر حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، (یہ رات کا واقعہ تھا) مکہ والوں کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۷۴، الرحیق المختوم ۲۴۰)

شیطان نے ایک آواز لگائی جو پہاڑیوں سے جا کر ٹکرائی کہ محمد کے ساتھ ایسا ایسا ہوگیا، تو جن مشرکین نے سنا ان میں کھلبلی مچ گئی؛ کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام کو اگر کوئی قبیلہ اپنی پناہ دینے لگے، تو یہ ان کے لئے موت ہے، چناں چہ ان مشرکین کا ایک وفد ان انصار کے پاس آیا، جس میں مسلم اور غیر مسلم سبھی موجود تھے کہ آپ لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سے معاہدہ کرلیا ہے، اور تمام عرب میں آپ لوگوں سے لڑنا ہمیں سب سے زیادہ ناپسند ہے؛ لیکن اگر آپ بھی ایسا کریں

گے تو ہمیں مجبوراً لڑنا پڑے گا، تو اُن انصار میں اس وقت ایک کافر عبداللہ بن ابی بھی تھا، اور ان لوگوں نے بیعت کرتے وقت اپنے ساتھ آئے ہوئے غیر مسلموں کو بھی بھنک لگنے نہیں دی تھی، اتنی خاموشی سے یہ معاملہ ہوا، وہ ان لوگوں سے لڑنے لگا کہ ہم پر خواہ مخواہ الزام لگاتے ہو، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اور انصار کے لوگ خاموش بیٹھے رہے وہ خود ہی ان سے نمٹتا رہا؛ لیکن انہیں بعد میں پتہ چلا، اور یہ جتنے حضرات جنہوں نے بیعت لی تھی، یہ موقع ملتے ہی بقیہ لوگوں کو چھوڑ کر وہاں سے چل پڑے، تو مکہ کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، اور لوگ تو سب نکل گئے؛ لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر بیت اللہ شریف لے آئے، ان کو بہت ستایا اور اذیت پہنچائی، تو انہیں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوگئے کہ بھائی ان کی جان نکل گئی تو مصیبت آجائے گی، اس لئے ان کو چھوڑ دو، بالآخر ذلیل ہوکر ان کو بھی چھوڑ دیا۔ اِدھر مدینہ منورہ میں جب یہ حضرات جوش اور ولولہ کے ساتھ پہنچے، تو وہاں مزید شدت سے اسلام پھیلنا شروع ہوگیا، اور گھر گھر میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہونے لگی، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے دو قاری صاحبان (حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ جو بعد میں آپ کے مؤذن بھی بنے اور آپ نابینا تھے) کو بھیج دیا تھا، انہوں نے وہاں جاکر قرآن سکھلانا شروع کیا اور قرآن کی سورتیں لوگوں کو سکھلاتے رہے، اس طرح باقاعدہ تعلیمی حلقے مدینہ منورہ میں لگنے لگے، اس کے بعد حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے مکہ معظّمہ میں بھی صحابہ کے درمیان اعلان فرمادیا کہ چلو بھائی، جس کو جیسا موقع ملے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرتا رہے۔ (الرحیق المختوم ۲۴۱)

سب سے پہلے مہاجر صحابی

سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سیدنا حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، یہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہؓ اور اپنے بیٹے یا بیٹی (جن کا نام سلمہ تھا) کو لے کر جارہے تھے، کافروں نے پکڑلیا، ابوسلمہ تو نکل گئے؛ لیکن حضرت ام سلمہ کو انہوں نے روک لیا، اور تقریباً ایک سال تک وہ کافران لوگوں کو محبوس کئے رہے، ایک سال کے بعد ان کو مدینہ منورہ جانے کا موقع ملا۔ (البدایہ

والنہایہ ۲/۱۸۳، الرحیق المختوم ۲۴۵)

بہرحال جس کو جیسا موقع ملتا رہا، رات میں یا دن میں مکہ معظّمہ سے وہ مدینہ منورہ پہنچتا رہا، اور مہاجرین کی ایک اچھی خاصی تعداد مدینہ پہنچ گئی۔ اب رہ گئے سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نبی اکرم ﷺ کے قتل کی سازش

مکہ کے لوگ یہ سوچتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ چلے گئے، تو وہاں ان کا مضبوط مرکز بن جائے گا، اس لئے اب کافروں کی پوری کوشش یہ ہوئی کہ ان کو کسی بھی طرح یہاں سے جانے نہ دیا جائے۔

چناں چہ ان کا جو پنچایت گھر (دارالندوۃ) تھا، وہاں پر ان کی بھرپور میٹنگ منعقد ہوئی، اور ان میں ایک نجدی کی شکل میں شیطان ابلیس لعین بذاتِ خود شریک ہوا، اور اس میٹنگ کا واحد ایجنڈا یہ تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیسے نپٹا جائے؟ چناں چہ مشورہ میں پہلے نمبر پر یہ رائے آئی کہ ان کو خود ہی یہاں سے نکال دیا جائے، تو اس بوڑھے ابلیس نے کہا کہ یہ کیا احمقانہ رائے ہے؟ یہ تو جہاں جائیں گے اس کو اپنا مرکز بنالیں گے، ان کو نکالنے کا مطلب تو یہ ہے کہ تم اپنی موت پر خود ہی دستخط کردو، یہ بات تو بالکل غلط ہے۔ چناں چہ سب مجلس والوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی، اور کہا کہ دوسری رائے دو۔

دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر کمرہ میں بند کردو، اور کہیں بھی آنے جانے مت دو؛ کیوں کہ اب ان کو کوئی خطرہ تو تھا نہیں، ابوطالب وفات پا چکے تھے، اور ایسا بھاری بھرکم آدمی کوئی اور تھا نہیں، تو وہ بوڑھا بولا کہ جانتے نہیں ہو ان پر جاں نثاری کرنے والے لوگ کیسے کیسے ہیں؟ حملہ کرکے تم سے چھڑا کر لے جائیں گے اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے، یہ بات تمہارے قابو سے باہر ہے، کافی مشورے سامنے آئے؛ لیکن وہ سب کو رد کرتا رہا۔

ابوجہل کھڑا ہوااوراس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ مکہ کے جتنے بھی قبیلے ہیں، ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی منتخب ہو، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا جائے، جیسے ہی صبح میں وہ باہر نکلیں سب مل کر ان پر حملہ کریں اور ان کو شہید کر دیا جائے، جب سب مل کر حملہ کریں گے، تو بنو ہاشم سب سے قصاص نہیں لے سکتے؛ لہٰذا ان کا یہ خون رائیگاں چلا جائے گا، زیادہ سے زیادہ وہ لوگ اگر دیت کا مطالبہ کریں، تو ۱۰۰/اونٹ دے کر چھٹی حاصل کر لی جائے گی۔ تو یہ سنتے ہی اس بوڑھے نے فوراً حامی بھر لی کہ یہ بات سو فیصد بالکل صحیح ہے، اور وہ لوگ بھی طے ہو گئے جن لوگوں کو یہ کام کرنا تھا، گویا کہ (نعوذ باللہ) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے ختم کرنے اور شہید کرنے کا آخری فیصلہ کر لیا۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے؛ لیکن ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾ یعنی دنیا والے کچھ بھی تدبیر کریں اللہ جو تدبیر اختیار کرتے ہیں وہی غالب ہو کر رہتی ہے۔ بار بار اللہ تعالیٰ نے یہ دکھلایا کہ تم سے جو ہو سکے کر لو، جس کے ساتھ ہماری حفاظت ہوگی، اس کا کوئی بال رائیگاں نہیں ہو سکتا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۸۹/۲، الرحیق المختوم ۲۴۹)

سفرِ ہجرتِ مدینہ

اُدھر پیغمبر علیہ السلام کو حکم ہو گیا کہ اب آپ کو ہجرت فرمانی ہے، چناں چہ آپ بھری دوپہر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آپ کے سب سے مخلص سب سے زیادہ قریبی، سب سے زیادہ بااعتماد رفیق تھے) کے گھر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے، ورنہ بھری دوپہر میں آنے کا کیا مطلب ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ! کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، عرض کیا یارسول اللہ! ساتھی کون رہے گا؟ حکم ہوا کہ تم ساتھ رہو گے؟ بس پھر کیا تھا، گویا مسرت اور خوشی کے مارے آنسو نکل آئے، اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے کہ پیغمبر ہجرت کرے اور ایک امتی کو آپ کا رفیقِ سفر بننے کی سعادت حاصل ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میری سواری حاضر ہے، آپ قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ قبول ہے؛ لیکن قیمت ادا کروں گا، اور ایک ایسے شخص کو رہبری کے

لئے طے کیا گیا، جواس وقت اسلام نہیں لایا تھا، ''عبداللہ بن اریقیط'' اس کا نام تھا؛ لیکن راستوں سے بہت واقف تھا، اس کو کرایہ پر طے کیا گیا کہ تم کو ہمیں غیر معروف راستہ سے مدینہ منورہ پہنچانا ہے، اور دو اونٹنی اس کے حوالہ کردی گئیں کہ تین دن کے بعد غارِ ثور کے قریب لے آنا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں صاحب زادیوں (حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اسماءؓ) نے مبارک سفر کے لئے زاد سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ تھیلا باندھا جارہا تھا؛ لیکن باندھنے کے لئے رسی نہیں مل رہی تھی، تو میں نے اپنا ازار بند پھاڑ کر اس کے ایک حصہ کو رسی بنا کر تھیلے کو باندھا، تو ان کا لقب ''ذات النطاقین'' (دو کمر بند والی) پڑ گیا، یہ بھی ان کے لئے سعادت کی بات تھی۔ (البدایہ والنہایہ۲/۱۹۰-۱۹۲)

اُدھر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہ امانتیں سپرد فرمائیں، جو آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں کہ صبح کو جس کی جو امانت ہے اس کے پاس پہنچادینا، اور اپنے اس بستر پر جہاں آپ آرام فرماتے تھے، فرمایا کہ یہاں لیٹے رہنا، اور اپنی اوڑھنے والی چادر بھی عنایت فرمادی۔ آپ دراقدس پر تشریف فرما تھے، آپ کے اندر جانے کے بعد دس بارہ آدمی ہتھیار بند ہوکر اور چوکنا ہوکر دراقدس کے چاروں طرف کھڑے ہوگئے، اور آپس میں خوشی کے مارے چپکے چپکے گفتگو کرنے لگے کہ ''یہ محمد ہمیں ڈراتے تھے، دیکھو آج ان کا کیا انجام ہوگا''؟ اس قافلہ میں ابوجہل، امیہ اور عقبہ بھی ہے، گویا کہ دنیا کے تمام ملعون، شقی القلب اور بدترین لوگ وہاں جمع تھے، اور ان کا پلان یہ تھا کہ جب آپ آرام فرما ہوں، تو رات کے آخری حصہ میں حملہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے رات کے کسی حصہ میں اپنے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے، اور قرآن کی آیت: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ (ہم نے ان کے آگے پیچھے دیوار کردی، اور انہیں ڈھانپ دیا، ان کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا) تلاوت فرمارہے تھے۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام انہی لوگوں کے درمیان سے بحفاظت باہر تشریف لائے، اور اپنے ہاتھوں میں مٹی اٹھا کر ہر ایک کے سر پر ڈال دی، اور حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے ساتھ نکل کر ''غار ثور'' تشریف لے گئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۹۰/۲-۱۹۱)

غار ثور بہت اونچائی پر واقع ہے۔ آج بھی آدمی اگر چڑھنا چاہے تو کئی گھنٹے لگتے ہیں۔ جس غار میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا وہ بالکل جھاڑ جھنکاڑ سے بھرا ہوا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھا دیا، اور کہا کہ پہلے میں اندر جا کر صاف کرتا ہوں، جب بالکل صاف ہو جائے گا، تب آپ کو اندر لے جاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ کوئی کیڑا کانٹا ہو اور وہ آپ کو تکلیف پہنچا دے، پھر پیغمبر علیہ السلام تشریف فرما ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۹۳/۲)

اُدھر وہ لوگ حضور کے نکلنے کے انتظار میں تھے، تو شیطان ایک آدمی کی شکل میں آیا اور کہا کہ رات میں یہاں کیوں کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا کہ محمد کے انتظار میں ہیں، شیطان نے کہا کہ وہ تو چلے بھی گئے، اور اپنے سر پر دیکھو مٹی پڑی ہوئی ہے، یہ تمام لوگ زچ اور ذلیل ہو کر رہ گئے، سارا پلان خاک میں مل کر رہ گیا، اندر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں، ان کو کھینچ کر مسجد حرام تک لائے، اور حضور کے بارے میں دریافت کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے کیا معلوم حضور کہاں گئے؟ میں تو یہاں سو رہا ہوں، مجبوراً ان کو چھوڑ دیا۔ کبھی اِدھر جائیں اور کبھی اُدھر جائیں، تا آں کہ بالکل غار ثور کے دہانے پر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد کہ ابھی وہ غار جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند گھنٹے پہلے تشریف لے گئے تھے، مکڑی نے جالا تن دیا اور کبوتر نے گھونسلے بنا لئے، یہ لوگ اندر جانا چاہتے تھے؛ لیکن یہ سوچ کر کہ جس جگہ مکڑی نے جالا تن رکھا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ کافی دنوں سے یہاں کوئی نہیں گیا، اور کبوتری نے انڈے دے رکھے ہیں، یہ جگہ ویران ہے، اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا انتظام فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۹۵/۲)

روایات میں آتا ہے کہ جب یہ لوگ بالکل قریب پہنچ گئے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا کہ: ''اگر یہ لوگ اپنے پیروں کو بھی دیکھ لیں تو ہم نظر آجائیں

گئے''، وہ لوگ ایسی جگہ کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس کا تذکرہ فرمایا، پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا کہ: ''ابوبکر گھبراؤ مت اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے''۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۹۵، مسلم شریف، بخاری شریف فضائل ابی بکر صدیق)

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ قَالَ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا. (التوبة: ٤٠)

دو میں کے دوسرے جب وہ غار میں تھے اور جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے: ''غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہیں''۔

علماء کا اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت ثابت ہوتی ہے، اسی وجہ سے جو بدنصیب یہ کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام میں داخل نہیں رہے تھے، اس کا اسلام سے کوئی لینا دینا اور تعلق نہیں ہے۔ یہ وقت جو انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گذارا ہے، اگر اس وقت کے اجر وثواب کو ایک پلّے میں رکھ دیا جائے اور ساری امت کے اجر وثواب کو دوسرے پلّے میں رکھ دیا جائے تو ابوبکرؓ کا پلّا جھک جائے گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ''رفیقِ غار'' بننے کی سعادت امت میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ ہی ان کو اجر وثواب اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی کے دو دن مجھے دے دیں، اور عمر کی پوری زندگی کی عبادت لے لیں، تو میں سمجھوں گا کہ سودا سستا ہے۔ رات وہ کہ جو پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ''غارِ ثور'' میں گذاری، اور دن وہ کہ جب پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد ارتداد پھیل گیا، تو ابوبکرؓ نے کہا تھا کہ: ''جو زکوٰۃ نہیں دے گا اور اسلام کا دعویٰ کرے گا، میں اس سے بھی جہاد کروں گا، اور یہ کہا کہ:

تَمَّ الدِّیْنُ أَیَنْقُصُ وَأَنَا حَيٌّ.

دین میں کمی آئے اور ابوبکر زندہ رہے۔

(مشکوٰۃ شریف ٥٥٦)

اسی وجہ سے اسلام کی ترقی برابر ہوتی رہی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

''یہ دن بھی یادگار ہے اور وہ رات بھی یادگار ہے''۔ تو ایسا جاں نثار ساتھی کسی پیغمبر کو نہیں ملا جیسا جاں نثار ساتھی پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو عطا ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ تھے، وہ چپکے سے غار ثور میں جا کر دن بھر کی مکہ مکرمہ کی رپورٹ دیتے تھے، اور رات ہی میں واپس آجاتے تھے۔ عامر بن فہیرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، یہ بکریاں چراتے چراتے وہاں پہنچ جاتے اور یہ دونوں حضرات ان کا دودھ نکال کر نوش فرماتے، اتنی بہترین پلاننگ کے ساتھ یہ سب کام ہو رہا تھا، اپنی جگہ بالکل سب انتظامات تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۹۳)

وہاں پر آپ نے تین دن قیام فرمایا اور پھر عبداللہ بن اریقیط سواریاں لے آیا، اور آپ دونوں حضرات اس کی رہنمائی میں مکہ معظّمہ سے چل پڑے، مکہ کے لوگ تین دن تو بہت آپے سے باہر ہوئے، جب کوئی سرا ہاتھ نہیں لگا، تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ: ''جو آدمی ان دونوں حضرات کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اس کو سو سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے''۔ (یہ مجرموں کو پکڑنے کا پرانا طریقہ ہے، آج بھی کہا جاتا ہے کہ جو فلاں کو پکڑ کر لے آئے، اس کو اتنے لاکھ کا انعام دیا جائے گا) اب لوگوں کے اندر لالچ آیا، تو ایک سردار سراقہ بن مالک تھے، ان کو کچھ پتہ چلا، تو انہوں نے اپنا گھوڑا لیا اور چل دئے، جب پیغمبر علیہ السلام کے قریب پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ نصرت فرمائی کہ پختہ زمین میں ان کا گھوڑا دھنس گیا اور بالکل جام ہو گیا، انہوں نے کہا کہ میں پناہ چاہتا ہوں، میں واپس جا رہا ہوں، آپ میرے لئے دعا کر دیجئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو وہ گھوڑا نکل کر پھر ٹھیک ہو گیا، پھر شیطان نے بھڑکایا کہ دو سو اونٹ ملیں گے، آسان کام نہیں ہے کچھ کوشش کر لو، جیسے ہی کوشش کی گھوڑا فوراً پھر دھنس گیا، تین مرتبہ ایسے ہی ہوا، اس کے بعد اس نے پناہ مانگی اور کہا کہ حضور اب میں واپس جاؤں گا، اور جو اس راستہ سے آئے گا اس کو بھی واپس کر دوں گا، آپ دعا کر دیجئے، حضور نے دعا فرمائی۔ پھر اس نے یہ کہا کہ آپ مجھے ایک امان کا پرچہ لکھ دیجئے کہ جب قوت حاصل ہو، تو مجھ سے کوئی انتقام نہ لیا جائے، پیغمبر علیہ السلام نے ان کو

امان دے دی۔ اب یہ وہاں سے لوٹے اور جو بھی راستہ میں ملتا اس سے کہتے کہ میں دیکھ آیا ہوں اِدھر کوئی نہیں ہے اور ہر ایک کو واپس کرتے رہے، اس طرح سے آپ بحفاظت آگے تشریف لے جاتے رہے۔ ایک مقام پر ایک آدمی اور ملا اور وہ ۷۰/ آدمیوں کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا؛ لیکن اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ پورا قافلہ اسلام میں داخل ہو گیا اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۱۹۶)

اُم معبد کے خیمے میں

اسی درمیان ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بوڑھی عورت ''ام معبد'' کے نام سے تھیں، مہمان نواز تھیں، اور اپنے مکان کے سامنے بیٹھی رہتی تھیں، جو بھی مسافر وہاں سے گذرتا اس کی تواضع کرتی تھیں، اور ان کی یہ بات مشہور تھی۔ پیغمبر علیہ السلام جب وہاں سے گذرے، تو ان کے پاس بھی تشریف لے گئے، معلوم کیا کہ کچھ کھانے پینے کے واسطے ہے؟ انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں، اور تمام بکریوں کو بھی ہمارے شوہر ''ابو معبد'' چرانے لے گئے ہیں۔ تو دیکھا کہ ایک چھوٹی سی نہایت مریل اور کمزور بکری خیمہ میں بندھی پڑی ہے، حضور نے معلوم کیا کہ یہ بکری کیسی ہے؟ کہا یہ چلنے کے قابل نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ دودھ وغیرہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ دودھ کہاں سے آئے گا، یہ تو چلنے کے بھی قابل نہیں ہے؟ حضور نے فرمایا کہ اگر ہم اس کو استعمال کرلیں، تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ کہا کہ کوئی بات نہیں۔ پیغمبر علیہ السلام نے اس بکری کو قریب کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، پانی منگوا کر اس کے تھنوں پر چھڑکا، تو اس کمزور بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے، جب اس کا دودھ نکالا تو ایک ٹب (حالاں کہ بکری کا دودھ اگر چہ نکالا جائے تو زیادہ سے زیادہ ایک دو گلاس ہی نکل پائے گا) دودھ سے بھر گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نوش فرمایا، اس عورت نے بھی پیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی نوش کیا، عامر بن فہیرہ نے بھی پیا؛ لیکن دودھ پھر بھی بچ گیا، اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

شام کو جب اس کا شوہر ''ابو معبد'' آیا، تو اس نے آکر دیکھا کہ بہت زیادہ دودھ رکھا ہوا ہے، معلوم کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ تو ام معبد نے کہا کہ آج ایک بہت ہی متبرک، خوب رو اور

بہت ہی نیک شخص ہمارے یہاں آئے تھے، اور یہ سب ان کی برکات ہیں، اور میں نے تو زندگی میں ایسامتأثر کرنے والا آدمی دیکھا ہی نہیں، یا تو وہ جادوگر ہے یا پھر نبی ہے۔ اور پھر اس بوڑھی عورت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ اپنے شوہر سے بیان کیا، جس قدر بہترین انداز میں بیان کیا، وہ عربی ادب کے شہ پاروں کی حیثیت رکھتا ہے، جنگل میں رہنے والی عورت پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا تعارف اور آپ کا نقشہ کھینچ رہی ہے، کہتی ہیں:

ظَاهِرُ الْوَضَاءَةِ، أَبْلَجُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الْخَلْقِ، لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ، وَلَمْ تُزْرِ بِهِ صُعْلَةٌ، وَسِيْمٌ قَسِيْمٌ، فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ، وَفِي أَشْفَارِهِ وَطَفٌ، وَفِي صَوْتِهِ صَحَلٌ، وَفِي عُنُقِهِ سَطَعٌ، أَحْوَرُ، أَكْحَلُ، أَزَجُّ، أَقْرَنُ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، إِذَا صَمَتَ عَلَاهُ الْوَقَارُ، وَإِنْ تَكَلَّمَ عَلَاهُ الْبَهَاءُ، أَجْمَلُ النَّاسِ وَأَبْهَاهُمْ مِنْ بَعِيْدٍ، وَأَحْسَنُهُ وَأَحْلَاهُ مِنْ قَرِيْبٍ، حُلُوُّ الْمَنْطِقِ، فَصْلٌ، لَا نَزِرَ وَلَا هَذَرَ، كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ، رَبْعَةٌ، لَا تَقْحَمُهُ عَيْنٌ مِنْ قَصْرٍ، وَلَا تَشْنَؤُهُ مِنْ طُوْلٍ، غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ، فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا، وَأَحْسَنُهُ قَدْرًا، لَهُ

رنگ بڑا چمکتا ہوا تھا، چہرہ بہت تاب ناک تھا، بدن کی بناوٹ نہایت خوبصورت تھی، نہ تو ان کا پیٹ موٹا تھا، نہ بال میں گنجاپن تھا، جمالِ جہاں تاب گویا چمک دمک سے ڈھلا ہوا تھا، آنکھیں سرمگی تھیں، پلکیں لمبی تھیں، آواز مضبوط تھی، گردن لمبی تھی، آنکھیں پوری سیاہ اور پتلی سفید تھیں، آنکھوں میں سرمگی پن تھا، دونوں ابرویں ملی ہوئی تھیں، بال بالکل کالے تھے، جب خاموش رہتے تو باوقار معلوم ہوتے، اور جب گفتگو کرتے تو عجیب کشش ہوتی تھی، دور سے دیکھیں تو بھی خوبصورت نظر آئیں، جو قریب سے دیکھے وہ بھی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ جائے، گفتگو نہایت شیریں، بات بالکل دوٹوک، نہ مجمل بات ہے اور نہ لغو بات ہے، گویا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، قد درمیانہ تھا، نہ اتنا چھوٹا کہ آنکھ کو نہ بھائے اور نہ ایسا لمبا کہ آنکھ کو ناگوار ہو، گویا دو شاخوں

رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ، إِذَا قَالَ اسْتَمَعُوْا لِقَوْلِهٖ، وَإِذَا أَمَرَ تَبَادَرُوْا إِلىٰ أَمْرِهٖ، مَحْفُوْدٌ، مَحْشُوْدٌ، لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنِّدٌ.

(زاد المعاد مكمل ٥٠٦،

دلائل النبوة ٢٧٩/١،

البداية والنهاية ٢٠٧/٢)

کے درمیان ایک شاخ، جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور پُر رونق ہو، آپ کے کئی ساتھی ہیں جو آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اسے غور سے سنتے ہیں، اور اگر کوئی حکم دیتے ہیں تو اسے انجام دینے کے لئے لپکتے ہیں، آپ مطاع ومکرم ہیں، نہ ترش رو ہیں اور نہ لغو گو۔ (مستفاد: الرحیق المختوم ۱۵۷)

پیغمبر علیہ السلام کا یہ حلیہ مبارکہ ام معبد نے ابو معبد کو کھینچ کر بیان کر دیا، ابو معبد حیران، کہنے لگے کہ قسم ہے اللہ کی! یہ وہی شخص ہیں جن کے پیچھے قریش کے لوگ پڑے ہوئے ہیں، اور اگر اللہ نے مجھے توفیق دی تو میں ضرور ان کی صحبت اختیار کروں گا۔ ام معبد سے آپ کی پہلے سے کوئی ملاقات نہیں تھی؛ بلکہ پہلی ہی ملاقات تھی، لیکن اس عورت نے جس گیرائی اور گہرائی کے ساتھ آپ کو دیکھا اور جس انداز میں آپ کے رنگ اور حسن وغیرہ کو بیان کیا وہ عربی ادب کے بے نظیر شہ پاروں کی حیثیت رکھتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۲۰۶)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام وہاں سے تشریف لے چلے، اُدھر مدینہ منورہ میں خبر پہنچ چکی تھی کہ حضرت روانہ ہو چکے ہیں، اب مدینہ کے ہر گھر میں خوشی کا ماحول تھا، اور لوگ مدینہ منورہ سے صبح کے وقت استقبال کے لئے قبا تک آتے، کہ آفتابِ رسالت یہاں سے طلوع ہوگا، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، شام تک انتظار کر کے واپس چلے جاتے، (کیوں کہ موبائل کا سسٹم تو تھا نہیں کہ اب یہاں پہنچ گئے اب یہاں پہنچ گئے) پیدل کا معاملہ، کب آئیں؟ ایک دن یہ لوگ پہنچے ہوئے تھے کہ دور سے قافلہ نظر آیا، ایک یہودی نے پکارا: ارے لوگو! جن کے تم منتظر تھے وہ تشریف لا رہے ہیں، مدینہ میں یہ خبر گویا کہ آگ کی طرح پھیل گئی، اور لوگ ہتھیار بند ہو کر اپنے محبوب پیغمبر، سرورِ عالم، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے استقبال میں امڈ آئے۔ (زادالمعاد مکمل ۵۰۷، البدایہ والنہایہ ۲/۲۱۳، بخاری شریف کتاب المناقب)

قبا میں تشریف آوری

روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں داخل ہوتے ہی یہ دعا مانگی:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَاناً نَصِیْراً۔ (بنی اسرائیل: ۸۰)

اے میرے رب مجھے یہاں داخل کردیجئے سچا داخل کرنا، اور وہاں سے نکالئے سچا نکالنا، اور میرے لئے ایک مددگار عطا فرمایئے۔

یہ تینوں دعائیں آپ کی مقبول ہوئیں۔ آپ نے قبا میں جہاں ''بنو عمر بن عوف'' کی آبادی تھی، ان کے سردار ''کلثوم بن الہدم'' کے مکان پر قیام فرمایا، اور اسی قیام کے زمانہ میں مسجد تعمیر کی، جس کو ''مسجد قبا'' کہا جاتا ہے، یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلی مسجد ہے جو تعمیر ہوئی، اور یہ متبرک مساجد میں سے ہے۔ (بخاری شریف کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جس نے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد قبا میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، تو گویا اس نے میرے ساتھ عمرہ کیا''۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۲۲۳) دو رکعت کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ پانچ یا بارہ یا پچیس دن آپ نے قبا میں قیام فرمایا، مدینہ منورہ کے لوگ آتے اور آپ سے ملاقات کرتے، شرف زیارت حاصل کرتے، گویا کہ مدینہ والوں کے پیر خوشی کے مارے زمین پر نہیں تھے، در و دیوار سے نور پھوٹتا ہوا معلوم ہوتا تھا، حضور کی آمد سے اس قدر مسرت تھی کہ لوگ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔

جب مدینہ روشن ہوا

چناں چہ وہ مبارک دن آیا کہ جب نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام قبا سے مدینہ منورہ تشریف لے چلے، انصار کے نوجوان تلوار لئے ہوئے آپ کے اوپر سایہ کئے ہوئے تھے، اور آپ کا

استقبالیہ مقدس کارواں گویا کہ مدینہ منورہ کی جانب رواں دواں تھا، جمعہ کا دن تھا، راستہ میں جمعہ کی نماز کا وقت ہوا تو ''قبیلہ بنو سالم'' میں آپ نے ایک میدان میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی، جہاں آج مسجد جمعہ بنی ہوئی ہے، اس کے بعد پھر آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جس وقت آپ داخل ہو رہے تھے، تو چھوٹے چھوٹے بچے جن کو زیادہ شعور بھی نہیں تھا، خوشی کے مارے سڑکوں پر اچھل کود کر رہے تھے، اور کہہ رہے تھے: جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ – جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ (زادالمعاد مکمل ۵۰۷) اور آپ کے ماموؤں کے خاندان بنو نجار کی بچیوں نے آپ کے سامنے آکر آپ کو ترانہ سنایا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ
أَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا
جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعٍ
نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

ترجمہ: وداع کی گھاٹیوں سے بدر کامل طلوع ہو چکا ہے، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب تک کہ اللہ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے۔ اے وہ ذاتِ پاک جس کو ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے، آپ واجب الطاعت حکم لے کر تشریف لائے ہیں، ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں، کس قدر خوش نصیبی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہمارے پڑوسی ہیں۔

چھوٹی چھوٹی بچیاں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو خراجِ عقیدت پیش کر رہی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۲۱۱) یہ دنیا کی تاریخ کا ایک عبرت ناک دن تھا، کہاں یہ مقدس ہستی جس کو مکہ والوں نے رہنے نہیں دیا تھا، اور کہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت وعزت افزائی کا بے مثال مظاہرہ، آپ مکہ معظّمہ سے مشکل دور سے نکل کر آئے تھے، اور یہاں اللہ نے بے نظیر عزت واحترام اور اکرام عطا فرمایا،

عورتیں چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہی تھیں، اور آپ کی سواری جدھر سے گذر رہی تھی، ہر قبیلہ والا اونٹنی کی نکیل پکڑتا کہ حضور یہاں قیام فرمائیں، یہ ہمارا گھر حاضر ہے، یہ بیٹھک حاضر ہے، یہ سب کچھ آپ ہی کا ہے، آپ کے قدموں پر سب چیزیں نچھاور ہیں؛ لیکن آپ فرماتے کہ نہیں میری اونٹنی کی لگام چھوڑ دو، یہ اللہ کی جانب سے مامور ہے، یہ جہاں رکے گی خود ہی رک جائے گی، چناں چہ چلتے رہے اور ہر قبیلہ کے لوگ درخواست کرتے رہے؛ تا آں کہ یہ اونٹنی وہاں جا کر بیٹھی جہاں آج مسجدِ نبوی ہے، اور یہ آپ کے ننہیال بنونجار کا علاقہ تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۲۱۴-۲۱۶، زادالمعاد مکمل ۵۰۹)

حضرت ابوایوب انصاری کے دولت خانہ میں قیام

اور تاریخ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ہجرت سے کئی سو سال پہلے یمن کا ایک بادشاہ ''تبع'' مدینہ منورہ سے گذرا، اس کے ساتھ کئی سو یہودی علماء تھے، جب یہاں سے قافلہ چلنے لگا، تو کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں آخری پیغمبر ہجرت فرمائیں گے، یہودی علماء نے درخواست کی کہ ہم یہاں سے جانا نہیں چاہتے، ہم یہی رہنا چاہتے ہیں، تو اس بادشاہ نے ان سب لوگوں کے لئے یہاں رہنے کا انتظام کیا، اور ان کے ٹھہرنے کی ایک جگہ متعین کی اور کہا کہ جب وہ پیغمبر تشریف لائیں، تو یہاں ان کے ٹھہرنے اور مسجد کا انتظام کرنا، صدیاں گذرنے کی وجہ سے وہ جگہ منتقل ہوتی رہی، لیکن جگہ وہی تھی جہاں پر پیغمبر علیہ السلام کی اونٹنی نے قیام کیا، جیسے ہی قیام ہوا فوراً حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، آپ کا گھر ہی سب سے قریب تھا، آپ کجاوہ اٹھا کر لے جانے لگے، حضور نے فرمایا کہاں چلے؟ کہا کہ یہ جو سامنے گھر ہے یہ آپ ہی کا گھر ہے، حضور نے فرمایا کہ: ''جہاں کجاوہ وہیں آدمی''۔ اور فرمایا کہ میرے لئے ٹھہرنے کا انتظام کرو، چناں چہ آپ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام فرمایا، اور یہ سعادت آپ کو حاصل ہوئی، یہ حضور کا ننہیالی ہی خاندان تھا، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔

چند دن آپ نے وہاں قیام فرمایا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حضور کا نیچے قیام تھا اور اوپر یہ لوگ رہتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ رات میں آنکھ کھل گئی،

اور یہ احساس ہوا کہ ہم لوگ اوپر ہیں اور پیغمبر علیہ السلام نیچے ہیں، فوراً لحاف وغیرہ اتار کر سکڑ کر ایک کونے میں بیٹھ گئے، اور پوری رات اسی طرح گذار دی۔ صبح کو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! رات ہمیں یہ خیال آیا، پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس لوگ آنے جانے والے ہوتے ہیں، اوپر رہنے میں دشواری ہوگی اور ان کو تسلی دی۔ تو آپ کا اس قدر ادب واحترام تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۲۱۴/۲) اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کے مکان کو اپنے لئے جائے قیام تجویز فرمایا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

پھر آپ نے سب سے پہلے یہ فکر فرمائی کہ مسجد ہونی چاہئے، چناں چہ جس جگہ مسجد نبوی ہے، یہ کچھ یتیموں کی جگہ تھی، اس میں زمین غیر آباد تھی کچھ پرانی قبریں مشرکین کی تھیں، کچھ کھجور کے پرانے پیڑ تھے، اس زمین کو خریدا گیا اور خود پیغمبر علیہ السلام مسجد کی تعمیر میں بذاتِ خود شریک ہوئے، اس کو بنایا گیا اور جو کھجور کے درخت تھے ان کو کٹوا کر اگلی دیوار میں لائن سے لگا دیا گیا، گویا یہی مدینہ منورہ میں پیغمبر علیہ السلام کی پہلی مسجد ہے، اور جو پتے ہاتھ آئے اس سے چھپر بنا دیا گیا، شروع میں مسجد نبوی کی شکل یہی تھی، بارش ہو جاتی، تو اس میں کیچڑ ہو جاتی، ہوا وغیرہ سے تحفظ کا کوئی انتظام نہیں تھا، چہار دیواری بھی نہیں تھی؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام نے سب سے پہلی فکر یہی کی کہ مسجد ہونی چاہئے؛ کیوں کہ مرکز کے بغیر دین کا کام چلنے والا نہیں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۲۱۲/۲، زاد المعاد ۵۰۹، بخاری شریف حدیث ۳۷۹۲)

اسی لئے جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی آبادی ہو، تو وہاں سب سے پہلی فکر مسجد کی ہونی چاہئے، مسجد ہے تو دین رہے گا، مسجد نہیں ہے تو دین کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے طرزِ عمل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، اور پھر آپ نے وہاں تدبیریں فرمائیں اور ایک نظام قائم کیا، جو آپ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی بصیرت اور اعلیٰ درجہ کی عاقبت اندیشی، اور سیاسی، دینی، علمی سوجھ بوجھ کی دلیل ہے کہ آپ نے ایسا نظام بنایا کہ اسلام اور اسلام کی ترقیوں نے پیچھے مڑ کر

نہیں دیکھا، ایسی بے مثال ترقیاں ہوئیں، اور دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل ایمان ویقین عطا فرمائیں، اور ہر طرح کے شرور سے امت کو محفوظ فرمائیں، اور پیغمبر علیہ السلام کے طرز پر چلنا آسان فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مدنی زندگی کی چند جھلکیاں
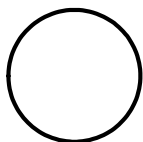
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا، وَاِنَّ اللّٰهَ عَلىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ○ [الحج: ۳۹]

آج کی مجلس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی، بعثت کے بعد آپ نے ۱۳؍سال مکہ معظّمہ میں گذارے، پھر ہجرت فرمائی اور ۱۰؍سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔

کل یہ بتایا گیا تھا کہ مدینہ میں رہنے والے انصار نے آپ کی حفاظت اور مدد کا وعدہ لیا تھا، جس کی بنیاد پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔

منافقین سے سابقہ

جب آپ یہاں تشریف لائے، تو سیاسی اعتبار سے ایک نئی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا، مکہ معظّمہ کا حال یہ تھا کہ وہاں جو دشمن تھا وہ کھلا ہوا تھا، اور جو دوست تھا وہ بھی کھلا ہوا تھا، مکہ کے لوگوں میں یہ بات نہیں تھی کہ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ؛ لیکن جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہاں پر ایک نئی صورتِ حال یہ پیش آئی کہ یہودیوں کی خباثت اور شرارت کی وجہ سے کچھ لوگ ایسے سامنے آئے جو بظاہر کلمہ پڑھنے والے تھے، اور اندر خانہ اسلام سے شدید نفرت اور بغض رکھنے والے تھے، جن کو ''منافق'' کہا جاتا ہے، یعنی اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ۔ ظاہر میں جب ملتے تو اس قدر چکنی چپڑی باتیں کہ معلوم ہو کہ ان سے بڑا کوئی جاں نثار نہیں، اور جب الگ تنہائی میں بیٹھتے تو اس قدر بغض اور عناد کہ جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہودیوں کی یہ سازش رہی ہے کہ یہ لوگ پکے قسم کا سازشی ذہن رکھتے ہیں، پہلے بھی رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ تو نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو ان سب باتوں کا اندازہ ہوا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اوس وخزرج کے قبیلوں میں ''عبد اللہ بن ابی بن سلول'' نام کا ایک بہت بڑا سردار تھا، پیغمبر علیہ السلام کے ہجرت فرمانے سے پہلے تقریباً یہ سبھی لوگ اس کو اپنا بادشاہ بنانے پر تیار ہو گئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو اس کی بادشاہت کی ہوا نکل گئی، اور لوگوں نے اس کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا، اور اس کو پیغمبر علیہ السلام کی آمد بالکل بھی پسند نہیں تھی، اور مدینہ منورہ کے ارد گرد جو قبائل رہتے تھے وہ بھی پیغمبر علیہ السلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے کہ حضور کی آمد کی وجہ سے ہماری جو چودھراہٹ اور پکڑ ہے وہ سب ملیا میٹ ہو جائے گی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو بے مثال بصیرت عطا فرمائی تھی۔

تحویلِ قبلہ

آپ نے مدینہ منورہ پہنچ کر پہلا کام تو یہ کیا کہ مکہ معظّمہ میں آپ بیت اللہ شریف کی

جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے؛ لیکن مدینہ منورہ میں جو آپ نے اپنی مسجد بنائی اس کا رخ بیت المقدس کی جانب کیا؛ تا کہ جو قبلہ یہودیوں کا ہے وہی قبلہ مسلمانوں کا ہو، تو یہودیوں کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے، یہ کام آپ نے اپنی مرضی سے نہیں کیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا، اور وہاں رخ اس طرح تھا کہ جنوب کی جانب مکہ معظّمہ پڑتا تھا اور شمال کی جانب بیت المقدس، اور وہ بالکل آمنے سامنے ہے، یعنی جب ہم مسجدِ نبوی جا کر بیت اللہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اس کے بالکل مخالف جانب میں بیت المقدس پڑتا ہے، تو نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی جانب محراب بنائی؛ تا کہ یہودیوں کو یہ احساس ہو کہ ہم تم سے کوئی ٹکراؤ نہیں چاہتے، حتی کہ قبلہ بھی وہی ہے جو تمہارا ہے؛ تا کہ وہ کچھ قریب آئیں اور واقعہ بھی یہی تھا۔ پیغمبر علیہ السلام ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ یہودی اہل کتاب مسلمانوں سے ٹکرائیں یا ان سے کوئی جنگ ہو، قطعاً آپ کا ارادہ نہیں تھا؛ بلکہ آپ نے انہیں ترغیب دی تھی، چناں چہ احادیث میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو آدمی پہلے کسی نبی پر ایمان لائے اور پھر مجھ پر ایمان لائے تو اس کو ڈبل اجر ملے گا، پہلے نبی پر ایمان لانے کا اور میرے اوپر ایمان لانے کا''۔ (مسلم شریف ۸۶/۱)

گویا کہ آپ نے ترغیبی پہلو اختیار کیا؛ لیکن اس کی وجہ سے یہودیوں کے دل نہیں پسیجے اور وہ اپنی شرارتوں پر قائم رہے۔ بالآخر ۱۶/ مہینوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پھر قبلہ کعبہ شریف کو بنانے کا اعلان کر دیا، اور خود پیغمبر علیہ السلام یہ چاہتے بھی تھے کہ ہمارا قبلہ بیت اللہ شریف کو بنایا جائے۔ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ، فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (البقرة: ١٤٤)

ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف متوجہ ہونا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جو آپ کو پسند ہے، سو آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف فرما لیجئے۔

اتفاق سے جس وقت یہ حکم (قبلہ کی تبدیلی کا) آیا آپ نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران

ہی یہ حکم آیا، چناں چہ درمیانِ نماز ہی آپ نے قبلہ کو تبدیل فرمایا، جہاں امام تھا وہاں مقتدی آ گئے اور جہاں مقتدی تھے وہاں آپ تشریف فرما ہوئے۔تو پھر اسی جگہ پر ایک مسجد بنائی گئی جس کو ''مسجد قبلتین'' کہا جاتا ہے،تو مشرکین اور یہودیوں نے بڑا شور وغوغا مچایا کہ ان کا بھی کوئی مذہب نہیں، کبھی اِدھر کو نماز کبھی اُدھر کو نماز وغیرہ۔تو قرآنِ کریم میں آیت نازل ہوئی:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ. (البقرة: ۱۱۵)

اور اللہ ہی کے لئے مشرق ومغرب، پس جدھر بھی تم رخ کروگے وہیں اللہ تعالیٰ ہے۔

یعنی عبادت قبلوں کی نہیں ہو رہی ہے، اور نہ عبادت بیت اللہ کی ہو رہی ہے اور نہ بیت المقدس کی ہو رہی ہے، عبادت تو اللہ تعالیٰ کی ہو رہی ہے، اور مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ کے ہیں، جدھر کو اس کا حکم ہو اسی جانب کو نماز پڑھو، اللہ تو ہر جگہ موجود ہے، اس نے کہا کہ بیت المقدس کی جانب کو پڑھو، تو اس طرف پڑھ لی، اس نے کہا کہ مسجد حرام کی جانب کو پڑھو تو ادھر پڑھ رہے ہیں، ہم تو اللہ کے بندے ہیں، اس میں اعتراض کی بات کیا ہے؟ اپنی مرضی سے تو قبلہ نہیں بنایا، تو یہ ظاہر بھی ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی متقاضی تھی کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے ذہن سے یہ بات مٹا دی جائے کہ بیت اللہ معبود نہیں ہے؛ بلکہ بیت اللہ صرف قبلہ (رخ کرنے کی جگہ) ہے، عبادت اس کی نہیں ہو رہی ہے؛ بلکہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو رہی ہے۔اسی لئے اگر وہ عمارت نہ رہے اور چٹیل میدان ہو جائے پھر بھی نماز اُدھر ہی کو پڑھنی ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔

اسلامی مواخاۃ

بہر حال پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ کے تمام حالات کا جائزہ لے کر دو اہم کام مزید کئے، ایک تو کام یہ کیا کہ کسی بھی قوم کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والوں کو اپنے اندر ضم کرلے، ہم لوگ تو اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جب ہندو پاک میں تقسیم ہوئی اور یہاں کے لوگ پاکستان چلے گئے، تو وہ لوگ آج تک وہاں کی قومیت میں ضم نہیں ہو پائے، محض

اس وجہ سے کہ یہ لوگ ہندوستان سے آئے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ امتیازی معاملات کیئے جاتے ہیں۔ تو نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس نزاکت کا بہت احساس تھا کہ ابھی تو یہ لوگ جوش میں ہم کو یہاں لے آئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہاں مہاجر اور غیر مہاجر کی کشمکش شروع ہو جائے، اور اس سے فضا مکدر ہو جائے۔ تو نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مجلس میں جہاں ۹۰؍کے قریب انصار و مہاجرین موجود تھے، دو دو کی جوڑی بنادی ایک مہاجر اور ایک انصار، اور ان میں آپس میں مؤاخاۃ (دینی بھائی چارگی) قائم فرمادی، اور اتنی پکی مؤاخاۃ قائم فرمائی کہ اگر ایک کی وفات ہو جاتی، تو اس کا ترکہ اس کے دیگر رشتہ داروں کو نہ مل کر کے حضور کے بنائے ہوئے اس بھائی کو ملتا، کئی سالوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (البدایہ والنہایہ ۳؍۲۴۰)

اس مؤاخاۃ کے قائم ہونے سے تمام مسلمان آپس میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے، اور حضراتِ انصار نے ان کے ساتھ ایثار، غم خواری اور جاں نثاری کا جو عملی جامہ پہنایا دنیا کی تاریخ اس کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.

(الحشر: ۹)

اور جو لوگ ان سے پہلے اس گھر (مدینہ طیبہ) میں اور ایمان میں جگہ پکڑ رہے ہیں، وہ ان کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، اور وہ اپنے دلوں میں مہاجرین کو دی گئی چیزوں پر تنگی نہیں پاتے، اور خود فاقہ میں ہونے کے باوجود ان (مہاجروں) کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

ایثار و ہمدردی کا عدیم المثال مظاہرہ

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجر تھے، اور حضرت سعد بن الربیع انصاری تھے، ان دونوں کے درمیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤاخاۃ قائم فرمائی، جب مؤاخاۃ قائم ہوئی، تو حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں باغ، مال و دولت اور گھر والا آدمی ہوں، تمام مال آپ کے سامنے ہے، جو آپ پسند کریں وہ لے لیں، اور میری دو بیویاں ہیں جو آپ کو پسند ہو، میں اس کو طلاق دے دوں، اور عدت پوری ہونے کے بعد آپ اس سے شادی کرلیں، یہ بڑے دل گردہ کے بات ہوتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے؛ بلکہ مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کا بازار کہاں لگتا ہے؟ چناں چہ انہوں نے بتایا کہ فلاں جگہ بازار لگتا ہے، آپ وہاں تشریف لے گئے، صبح سے لے کر شام تک اِدھر سے خریدا اُدھر بیچا، اُدھر سے خریدا اِدھر بیچا، شام کو کچھ بچا کر لے آئے، اور بچا بچا کر اتنا لے آئے کہ چند دنوں کے بعد پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک دن ان سے پوچھا کہ: ''یہ تمہارے بدن اور کپڑوں پر خوشبو کیسی لگی ہوئی ہے''؟ عرض کیا کہ حضرت! شادی کرلی ہے، حضور نے فرمایا کہ: ''اچھا شادی بھی کرلی ہے، بیوی کو مہر کتنا ادا کیا''؟ کہا کہ ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔ کہاں سے لائے؟ وہیں بازار میں محنت کر کے چند مہینوں میں اتنا کما لیا تھا، تو حضور نے فرمایا کہ: اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (أبوداؤد شریف ۲۸۷/۱ حدیث: ۲۱۰۹، البدایة والنهایة ۲۴۲/۳) (کم از کم ایک بکری ذبح کر کے ولیمہ تو کرو)

تو یہ ان مہاجرین کا طریقہ تھا کہ ان کی انصار بھائیوں کے مالوں پر نظر نہیں تھی، اصل تعلق آپس میں قائم کرانا تھا؛ تاکہ مہاجر اور انصاری کا جھگڑا ختم ہو جائے؛ کیوں کہ جھگڑے کے ساتھ دنیا میں کوئی کام نہیں ہوسکتا۔

دلوں کا جوڑ؛ کامیابی کی کلید

آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرلیجئے کہ اسلام کو ابتدائی زمانہ میں جو ترقی ملی ہے، اس کا واحد سبب ظاہری اسباب میں یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا تھا، اگر یہ دل ملے ہوئے نہ ہوتے، تو یہ بے مثال ترقی ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا   اللہ نے مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا، اے پیغمبر!

فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ. (الانفال: ٦٣)

اگر آپ تمام دنیا کی نعمتیں بھی خرچ کر دیتے تب بھی آپ ان کے دلوں کو جوڑ نہیں سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑا،

الگ الگ قبیلے کے لوگ، الگ الگ معاشرہ کے لوگ، الگ الگ علاقوں کے لوگ؛ لیکن دین کا رشتہ ایسا مضبوط ہوا کہ سب جڑ کر ایک بند مٹھی کی طرح ہو گئے۔ اس جوڑ کی تدبیر پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ آپس میں مؤاخاۃ قائم فرمادی، خواہ وہ مدینہ منورہ کے اوس وخزرج کے لوگ ہوں، یا ہجرت کر کے آنے والے مسلمان ہوں، وہ سب باہم شیر وشکر ہو گئے، اس سے بڑی قوت حاصل ہوئی۔

بین القبائلی معاہدۂ امن

دوسرا کام آپ نے یہ انجام دیا کہ مدینہ منورہ کے تمام قبیلوں کے سر برآوردہ لوگوں کو جمع کر کے جس میں یہودی بھی شامل تھے، ایک دستاویز اور معاہدہ تیار کیا، اس معاہدہ میں یہ لکھوایا کہ اگر ہم پر کوئی ظلم کرے گا، تو ہم سب مل کر اس کا جواب دیں گے، ہم آپس میں نہیں لڑیں گے، ایک دوسرے کی حق تلفی نہیں کریں گے، باہر کی کسی سازش کا یہاں کوئی شکار نہیں ہوگا، اس طرح کی کئی دفعات آپ نے لکھوائیں، اور سب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ کوئی بھی اس عہد کو نہ توڑے، جب عہد توڑا جائے گا، تو اس کے خلاف کارروائی ہوگی۔

اصل میں خطرہ یہ تھا کہ مکہ معظّمہ میں جو قریش کا قبیلہ ہے، جنھوں نے حبشہ تک پیچھا نہیں چھوڑا تھا، کہیں یہاں کے قبائل کو اندرخانہ بھڑکا کر مسلمانوں کے لئے مشکل نہ کھڑی کردیں، اس لئے آپ نے پہلے ہی ایک معاہدہ لکھوایا، اس معاہدہ میں یہود کے قبائل بھی شامل ہوئے، اور یہود کے تین بڑے قبیلے (قبیلۂ بنو قینقاع، قبیلۂ بنو نظیر اور قبیلۂ بنو قریظہ) وہاں مشہور اور طاقت ور تھے، جنھوں نے اپنے قلعے بنا رکھے تھے، اور مدینہ منورہ کے اردگرد آباد تھے، انھوں نے معاہدہ تو کرلیا؛

لیکن حسد کی آگ دل ہی دل میں بھڑک گئی، اور جب اللہ تعالیٰ نے بدر میں فتح عطا فرمائی، تو پھر ان کو اور زیادہ خطرہ ہوا، حالاں کہ حضور نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا؛ لیکن انہوں نے ایسی حرکتیں کیں اور معاہدہ توڑ دیا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۳۸-۲۳۹)

غزوۂ بنوقینقاع

پہلا واقعہ بنوقینقاع کا یہ پیش آیا کہ مدینہ کی ایک عرب عورت کوئی سامان خریدنے کے لئے ان کے بازار میں گئی، وہاں ان بے حیا لوگوں نے اس عورت کے کپڑے اتار دئے، اور بجائے اس کے کہ اس کی حمایت کرتے اور اس خبیث آدمی کو سزا دیتے، سب کے سب ٹھٹھول کرنے لگے، تو اس عورت کے ایک مسلمان رشتہ دار کو جب اس کا پتہ لگا، تو اس نے جا کر شرارت کرنے والے اس دوکان دار کو قتل کر ڈالا۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس یہ معاملہ آیا، تو آپ نے فرمایا کہ دیت ادا کرائی جائے گی؛ لیکن یہ جو حرکت تم نے کی ہے کہ اس عورت کو بے عزت کر دیا یہ برداشت کے قابل نہیں ہے۔ بنوقینقاع نے کہا کہ تم نے ہمیں بھی قریش سمجھ رکھا ہے، اور ہمیں بھی آنکھیں دکھانے لگے ہیں، اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم نمٹ لیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ اگر آج ان لوگوں کی یہ ہمت ہوئی ہے، تو کل پھر کچھ اور شرارت کریں گے؛ اس لئے ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ چناں چہ آپ نے حضراتِ صحابہ کو لے کر بنوقینقاع کی آبادی کا محاصرہ کر لیا، عبداللہ بن ابی بن سلول منافق ان کو اندر اندر چڑھا رہا تھا؛ لیکن جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ محاصرہ کیا، تو وہ لوگ ٹوٹ گئے، اور مجبور ہو کر کہنے لگے کہ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہوگا، تو حضور نے یہ فیصلہ کیا کہ تم لوگ یہ علاقہ فوراً خالی کر کے کہیں بھی چلے جاؤ، چناں چہ اس طرح سے بنوقینقاع سے نجات ملی، گویا کہ ایک سازشی اڈا ختم ہوا۔ (زادالمعاد مکمل ۵۴۱)

بنونظیر کا انجام

پھر کچھ دنوں کے بعد بنونظیر کے قبیلہ میں آپ ایک فیصلہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے،

انہوں نے یہ شرارت کی اور پلان بنایا کہ آپ کو ایک دیوار کے پاس بٹھا دیا، اور دیوار کے اوپر ایک آدمی کو چڑھایا اور اس کے ہاتھ میں چکی کا پاٹ دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کرنے میں مشغول ہو جائیں اور بے فکر ہوں، تو تم اوپر سے پتھر گرا دو؛ تا کہ حضور کی شہادت ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ یہ کام ہو کہ جس پر وحی نہ آتی ہو، اس پر تو یہ وار چل سکتا تھا؛ لیکن جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، اور غیب کی خبریں اس کے پاس آتی ہوں، تو یہ سازش کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہاں سے فوراً تشریف لے چلیں، تو آپ وہاں سے اپنے ساتھیوں کو بتائے بغیر فوراً اٹھ کر آ گئے، لوگ یہ سمجھے کہ شاید آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے ہیں، جب دیر ہوگئی اور نہیں آئے، تو پتہ چلا کہ حضرت تو سیدھے مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور آپ نے اعلان فرما دیا کہ اب ان پر چڑھائی کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ دس دن تک تمہیں مہلت ہے یا تو خود ہی چھوڑ کر چلے جاؤ، اور اگر چھوڑ کر نہیں جاتے، تو پھر ہم کارروائی کریں گے؛ لیکن اسی منافق نے پھر ہوا بھر دی کہ خبردار! کہیں مت جانا اور ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں، وہ جاتے جاتے پھر رک گئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے پھر محاصرہ کیا اور سخت محاصرہ ہوا، اور بالآخر وہ وہاں سے نکل کر جانے پر مجبور ہو گئے، اور خیبر کے علاقہ میں چلے گئے۔ (زاد المعاد مکمل ۵۴۱-۵۴۲)

غزوۂ بنو قریظہ

تیسرا قبیلہ بنو قریظہ کا تھا، اس قبیلہ میں سب سے زیادہ خبیث لوگ تھے، انہوں نے مکہ معظّمہ جا کر وہاں کے لوگوں کو ابھارا تھا کہ تم ہمارے ساتھ آ ؤ ہم تمہارا ساتھ دیں گے، اور مسلمانوں کو مدینہ میں رہنے نہیں دیں گے۔ پھر پیغمبر علیہ السلام نے غزوۂ خندق کے فوراً بعد ان کا بھی محاصرہ کیا، اور جب یہ مجبور ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ان کے حلیفِ قبیلہ یعنی قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے) کو حکم بنایا، تو انہوں نے یہ فیصلہ سنایا کہ ان کے جتنے بھی جوان ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا جائے، چناں چہ اس کے مطابق عمل ہوا اور

ان کو بالکل ہی ملیا میٹ کر دیا گیا۔ (زادالمعاد مکمل ۵۴۲)

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قبیلوں سے مدینہ منورہ کو بالکل مامون اور پاک صاف کر دیا، بالآخر ۷/ہجری میں خیبر بھی فتح ہو گیا، اور وہاں جو یہودی آباد تھے، ان سے بھی کافی حد تک نجات مل گئی، یہ بات پیغمبر علیہ السلام کی حکمتِ عملی کی بدولت ہوئی؛ کیوں کہ آپ نے معاہدہ کرلیا تھا، اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، پیغمبر علیہ السلام نے معاہدہ نہیں توڑا؛ بلکہ انہوں نے ہی توڑا، آپ ان سے ٹکراؤ نہیں چاہتے تھے: بلکہ ان کی خباثت اور شرارت کی وجہ سے ٹکراؤ پر آمادہ ہوئے، اس طرح سے یہودیوں کا قصہ ختم ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۵۷۰)

اہل مکہ سے جنگیں

اب ہمارا موضوع وہ حالات اور واقعات ہیں، جو مکہ کے لوگوں کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کے پیش آئے۔ مکہ معظّمہ میں آپ نے صبر اور اعراض کا راستہ اپنایا، کوئی گالی دے، کوئی برا بھلا کہے، کوئی جواب نہیں دیا گیا، کوئی باقاعدہ لڑائی نہیں ہوئی، کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا، مکی زندگی میں قرآنِ کریم کی یہی تعلیم تھی؛ لیکن جب مدینہ منورہ آپ تشریف لے آئے، اور یہ خطرہ یقینی حد تک سامنے آنے لگا کہ مکہ کے لوگ مدینہ پر کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو اجازت دی کہ اب آپ مقابلہ کے لئے تیاری کریں۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے مہنگی چیز جنگ ہے، جنگ کے لئے پیسہ ضروری ہے، بغیر پیسہ کے جنگ نہیں لڑی جا سکتی؛ کیوں کہ ہر زمانہ میں سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہتھیار ہے، ہتھیار سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے، آج بھی اور کل بھی، جو جدید آلاتِ حرب ہیں، اس میں اربوں کھربوں سے کم میں کوئی کام نہیں چلتا۔

مکہ کے لوگوں کا جو اصل سرمایہ تھا وہ تجارتی قافلوں سے تھا، اور تجارتی قافلے مدینہ منورہ کے قریب سے ہو کر گذرتے تھے، جو سب ملک شام کے علاقوں سے آتے جاتے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام

نے یہ سوچ کر کہ جب تک قریش کے لوگوں پر اقتصادی مار نہیں پڑے گی، ان کے دماغ درست نہیں ہوں گے؛ اس لئے آپ نے ان کے ان تجارتی قافلوں کی نگرانی شروع کردی جو مدینہ کے قریب سے ہو کر آتے جاتے تھے، اور اس سلسلہ میں آپ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر بھیجتے، جہاں بھی پتہ چلتا کہ قافلہ جارہا ہے تو فوراً ایک ٹکڑی بھیجتے؛ تاکہ اگر ہو سکے تو قبضہ کیا جائے، شہ رگ کو کاٹا جائے، رسد کو ختم کیا جائے، نہیں تو کم از کم دباؤ تو بنا ہی رہے گا۔ اس سلسلہ میں کئی واقعات پیش آئے، اور کئی ایسے واقعات بھی تھے، جن میں آپ خود تشریف لے گئے، اور کچھ ایسے واقعات تھے، جن میں آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امیر بنا کر بھیجا۔ جس واقعہ میں آپ خود تشریف لے گئے اس کو اصطلاح میں ''غزوہ'' کہا جاتا ہے، اور جس میں آپ خود تشریف نہیں لے گئے؛ بلکہ صحابہ کو بھیج دیا اس کو ''سریہ'' کہا جاتا ہے۔

یہ سب جنگی مہمیں تھیں، جو آپ نے اِدھر اُدھر روانہ فرمائیں؛ تاکہ مسلمانوں کی دھاک علاقہ پر بیٹھ جائے، اور ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ جو آس پاس کے قبائل ہیں، تو جس طرح مدینہ کے لوگوں نے معاہدہ کیا ہے، ان قبیلوں سے بھی معاہدہ کرلیا جائے؛ تاکہ علاقہ میں مکمل امن قائم رہے۔

غزوۂ بدر کبریٰ

اسی سلسلہ میں ایک اہم بات یہ پیش آئی کہ ایک قافلہ روانہ ہوا جس کے سربراہ ''ابوسفیان'' تھے، اور جس میں تقریباً ٢٦٢ ر کلو سونے کے برابر مال تھا، اور بہت زیادہ مقدار میں قریش مکہ کا سرمایہ اس قافلہ میں لگا ہوا تھا؛ لیکن قافلہ کو لے جانے والے لوگ کل چالیس تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کو پتہ چلا کہ یہ قافلہ جارہا ہے، تو آپ نے اس کا تعاقب کیا؛ لیکن وہ قافلہ نکل کر ملک شام کی جانب چلا گیا، جب قافلہ وہاں سے لوٹنے لگا، تو آپ کے نگرانی پر مامور لوگوں نے خبر دی کہ وہ قافلہ واپس مکہ جارہا ہے، تو پیغمبر علیہ السلام نے فوری طور پر صحابہؓ میں اعلان فرمایا کہ جس کے پاس نقد سواری موجود ہے فوراً چلے، صحابہؓ یہ سمجھے کہ یہ بھی ایسا ہی کوئی چھوٹا سا واقعہ ہوگا جیسے کئی پیش آچکے؛ اس لئے لوگوں نے بہت زیادہ اہمیت نہیں دی؛ لیکن پھر بھی ٣١٣ ر آدمی تیار ہوگئے، جن میں سے صرف دو آدمی گھوڑ سوار تھے، ستّر کے پاس اونٹ (یعنی سواریاں) تھے، سب

کے پاس تلواریں اور نیزے بھی نہیں تھے؛ کیوں کہ صرف چالیس آدمیوں سے مقابلہ کی تیاری تھی، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں یہ قافلہ چلا، اُدھر ابوسفیان کو معلوم ہوگیا کہ ہمارے قافلہ کا تعاقب ہورہا ہے، اس نے فوری طور پر ایک تیز رفتار آدمی کو مکہ معظّمہ بھیجا، اس کا نام ''ضمضم'' تھا، وہ مکہ معظّمہ پہنچا، اور ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر اس نے اپنے اونٹ کا کجاوہ الٹ دیا، کپڑے پھاڑ دئے، اور اعلان کرنا شروع کیا کہ تمہارا قافلہ نرغے میں ہے؛ اس لئے جلدی سے چلو، پورے مکہ میں کھلبلی مچ گئی؛ کیوں کہ مکہ کے لوگوں کا بہت بڑا سرمایہ اس قافلہ میں لگا ہوا تھا، اور عین ممکن تھا کہ یہ لوگ اس سرمایہ سے مدینہ منورہ پر چڑھائی کا پلان بناتے۔ چناں چہ ابوجہل کی قیادت میں فوری طور پر ایک بڑا لشکر (جس میں ایک ہزار افراد تھے) تیار ہوگیا، اتنا بڑا لشکر تھا کہ ان کو کھلانے کے لئے روزانہ دس اونٹ ذبح کرنے پڑتے تھے، اور تمام کے تمام بڑے بہادر، جنگ جو اور نامور لوگ تھے، اور سب کے پاس آلاتِ حرب (جو اس زمانہ کے اعتبار سے تھے) موجود تھے، اس طرح یہ لشکر مکہ معظّمہ سے چل پڑا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۷۱-۲۷۲)

جب ابوسفیان نے دیکھا کہ ہمارا پیچھا ہورہا ہے، تو انہوں نے راستہ بدل دیا، اور ایک محفوظ علاقہ میں پہنچ گیا، وہاں سے اس نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ اب ہمارا قافلہ بچ گیا ہے، تم لوگ واپس چلے جاؤ؛ لیکن ابوجہل پر ایسی نخوت سوار تھی اس نے کہا کہ نہیں اب ایسے نہیں جاسکتے، اب تو ہم جب تک بدر کے میدان میں شرابیں پی پی کر ناچ گانا نہ کرلیں، اس وقت تک ہم واپس نہیں ہوسکتے، گویا موت کھینچ کرلے جارہی تھی۔ لوگوں نے کہا بھی کہ چلو اب کوئی مسئلہ نہیں رہا، ہم لوگ اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے، قافلہ محفوظ ہوگیا؛ لہٰذا اب واپس چلو، مگر وہ کسی طرح تیار نہیں ہوا، اور یہ لوگ بالآخر بدر میں آکر مقیم ہوگئے، جو مدینہ منورہ سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر پر واقع ہے۔ (زادالمعاد مکمل ۵۶۴-۵۶۵)

صحابہ کی طرف سے جاں نثاری کا اظہار

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام جب مقام ''فرزان'' میں پہنچے، تو آپ کو اندازہ ہوا کہ قافلہ تو

چلا گیا، اوراب مقابلہ لشکر سے ہے قافلہ سے نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ مشورہ دو کیا کرنا چاہئے؟ ہم لوگ مدینہ سے جو نکلے ہیں وہ چند لوگوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں، اور اب مقابلہ پوری فوج اور لشکر سے ہے، بتاؤ کیا کرنا ہے؟ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضرت! جیسی آپ کی مرضی ہو، ہماری عزت وآبرو، جان اور مال ودولت سب آپ کے قدموں پر نچھاور ہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی یہی فرمایا، پھر سیدنا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت سن لیجئے! ہم ایسے نہیں ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہہ دیا تھا کہ:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ. — آپ اور آپ کا رب چلے جائیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں

بلکہ ہم تو ایسے لوگ ہیں کہ آپ کے لئے اپنی گردنیں کٹا دیں گے، ہماری جان ومال عزت وآبرو سب آپ کے قدموں پر نچھاور ہیں؛ لیکن یہ تینوں حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ انصار میں سے کوئی کھڑا ہو؛ کیوں کہ انصار کے لوگوں نے مدینہ منورہ میں تعاون کی بیعت کی تھی، اور یہ معاملہ بدر میں پیش آنے والا ہے جو مدینہ سے کافی فاصلہ پر ہے۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے جو انصار کے سردار تھے، فرمایا کہ: ''حضور! آپ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں؟ تو ہم آپ سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری رسی آپ کے ہاتھ میں ہے، اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم سمندر میں کود جائیں، تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ ہم افریقہ کے صحراؤں تک پہنچ جائیں تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں''۔ ان کی یہ جاں نثاری دیکھ کر پیغمبر علیہ السلام کے چہرہ پر بشاشت پھیل گئی اور حکم ہوا کہ چلو اللہ کی مرضی یہی ہے۔ (بخاری شریف ۵۶۴/۲)

جب آپ بدر میں پہنچے، تو پانی کے تمام کنوؤں پر کفار قبضہ کر چکے تھے، جدھر پیغمبر علیہ السلام

کے ٹھہرنے کی جگہ تھی، ادھر دھول اڑ رہی تھی، ایک تو اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہوا کہ فوراً بارش ہوگئی، جس کی وجہ سے ان لوگوں کا علاقہ تو کیچڑ والا ہوگیا اور یہاں دھول جم کر اچھی جگہ ہوگئی، اور پیغمبر علیہ السلام نے جگہ جگہ گڑھے کھدوا کر اس میں پانی جمع کرلیا۔ (زادالمعاد مکمل ۵۶۶)

اس کے بعد یہ ہوا کہ مشرکین کے لشکروں کے اندر بھی کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوئے، جنہوں نے کہا کہ لڑائی کا انجام اچھا نہیں ہوگا، جن لوگوں سے تم لڑنے جارہے ہو وہ تمہارے ہی بھائی ہیں، ان کے خون سے اگر تمہاری تلواریں رنگین ہوں گی، تو یہ کوئی بڑی بہادری کی بات نہیں ہے، مگر اللہ برا کرے گھمنڈ اور غرور کا کہ دیگر لوگ تو جنگ ٹالنے پر کچھ تیار بھی تھے، مگر ابوجہل ملعون کسی طرح تیار نہ ہوا، کہ میں ایسا ویسا کروں گا خواہ مخواہ پھولا چلا جارہا ہے، چناں چہ بالآخر جنگ کا فیصلہ ہوگیا، صبح کو جنگ ہونی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک چھوٹا سا چھپر باندھ دیا گیا، اس میں آپ تشریف فرما تھے اور آپ کے رفیقِ غار سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ (زادالمعاد مکمل ۵۶۶)

عجیب بات یہ ہوئی کہ تمام ہی صحابہ کو اس رات میں بہت ہی شاندار نیند آئی، اللہ نے گویا سکینہ نازل فرمایا؛ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری رات اللہ تعالیٰ کے دربار میں راز و نیاز میں مشغول رہے، کبھی سجدہ میں جاتے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ نَسْتَغِیْثُ (اے ہمیشہ زندہ رہنے والے ہم آپ کی رحمت سے مدد چاہتے ہیں) کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے کہ: ''اے الٰہ العالمین! یہ چھوٹی سی جماعت لے کر میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، اگر یہ جماعت ہار گئی، تو قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ روئے زمین پر آپ کا نام لیا جاتا رہے، تو ان کمزوروں کی ضرور مدد فرمایئے''۔ اس طرح آپ پوری رات دعا فرماتے رہے، ایک مرتبہ تو اتنی بے قراری سے دعا فرمائی کہ آپ کی چادر مبارک پیچھے سے ڈھلک گئی، تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ منظر دیکھا نہیں گیا، اور عرض کیا اے اللہ کے حبیب! اللہ آپ کو کبھی بھی نامراد نہیں فرمائیں گے بس بہت ہو چکا۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۸۸)

چناں چہ صبح کو دنیا کی تاریخ یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ وہ نہتے لوگ جن کے پاس صحیح طرح سے ہتھیار بھی نہیں تھے، جن کے پاس صحیح طرح سے کھانے پینے کا انتظام بھی نہیں تھا، کل ۳۱۳، اور مقابلہ میں ایک ہزار، جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اوپر ایسا رعب ڈالا کہ اختتام پر معلوم ہوا کہ صحابہ میں سے کل چودہ حضرات کام آئے، اور ان کے ستر بڑے بڑے چغادری اور خرانٹ لوگ مارے گئے اور ستر قید ہوئے، ان میں سے ایک ایک آدمی کہتا تھا کہ میں دس دس کے لئے کافی ہوں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل اور رسوا کر ڈالا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کا تذکرہ فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ. (اٰل عمران: ۱۲۳)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی حالاں کہ تم کمزور تھے۔

فرشتوں کے ذریعہ سے مدد ہوئی، بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ میں کافر کا پیچھا کرتا تھا؛ لیکن میرا کوڑا لگنے سے پہلے میں دیکھتا تھا کہ اس کی ناک نیلی ہو چکی ہے، معلوم ہوتا تھا کہ فرشتہ نے اس کو مارا، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی آمد اس لئے تھی کہ رعب ان کے اوپر جم گیا اور ان کے ہاتھ پیر چل نہیں پائے۔ (زاد المعاد مکمل ۵۶۹)

ابوجہل کا ذلت ناک قتل

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں) بدر کے میدان میں کھڑے تھے، اِدھر اُدھر دیکھا، تو پتہ چلا کہ دو نوعمر بچے قریب کھڑے ہوئے ہیں، تو بڑی فکر ہوئی کہ جنگ میں خطرہ محسوس ہو تو کوئی مصیبت سے بچائے، یہ بچے کیا بچا پائیں گے؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بچہ نے میرا کندھا پکڑ کر کہا کہ چچا بتلائیں گے ابوجہل کون ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ بیٹا! تم ابوجہل کا کیا کروگے؟ اس نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ وہ ہمارے آقا کو بہت برا بھلا کہتا ہے، اگر وہ مجھے نظر پڑ گیا یا تو وہی رہے گا یا میں ہی رہوں گا، ابھی اس سے گفتگو ہو رہی تھی کہ دوسرے نے کندھا پکڑا اس نے بھی پوچھا کہ چچا بتلائیں گے ابوجہل کون ہے؟

کیوں کہ یہ مہاجر تھے، ابوجہل کو پہچانتے تھے، فرمایا کہ تم ابوجہل کا کیا کروگے، کہا کہ وہ ہمارے آقا کو برا بھلا کہتا ہے، اگر نظر آ گیا تو بس کام تمام کردوں گا، یا میں ہی اپنی جان دے دوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ اچانک مجھے نظر پڑا کہ ابوجہل لشکر کی قیادت کرر ہا ہے، تو میں نے دونوں بچوں سے کہا کہ دیکھو وہ ابوجہل ہے، کہتے ہیں کہ دونوں اس طرح لپکے جیسے شکرہ شکار پر جھپٹتا ہے، اور منٹوں میں اس کو ٹھنڈا کر دیا، جنھوں نے یہ کام انجام دیا یہ عفراء نامی انصاری عورت کے دو بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔ جب جنگ ختم ہوگئی، تو پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا کہ دیکھو ابوجہل کا کیا ہوا؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے، دیکھا تو آخری سانس جاری ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھ لیا کیا انجام ہوا؟ آخری جملہ اس کی زبان سے نکلا کہ وَأَغْيَرُ أَكَارِ قَتَلَنِي (کاش کہ کاشت کاری کرنے والے آدمی کے علاوہ کوئی اور مجھے قتل کرتا) بچوں نے مجھے مار دیا یہ میرے لئے بےعزتی کی بات ہے، اگر کوئی بڑا بہادر مارتا تو بات تھی۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن اتار لی اور پیغمبر علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دی۔ (بخاری شریف ۲/۵۶۸)

اس طرح سے بڑے بڑے چغادری قسم کے ستر لوگ مارے گئے، پیغمبر علیہ السلام نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں ڈلوا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جماعت کو زبردست فتح عطا فرمائی۔

قرآنِ پاک میں فرمایا:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ. (البقرة: ٢٤٩)

کتنی چھوٹی چھوٹی سی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ جاتی ہیں۔

محض ہتھیاروں اور بہادروں سے کام نہیں چلتا محض دنیاوی اسباب و وسائل سے کام نہیں چلتا، اللہ کی مدد اور نصرت جس کے ساتھ ہوتی ہے کامیابی اسی کو ملتی ہے، اور اللہ نے یہ دکھلا دیا، کہاں ۳۱۳، اور وہ بھی بے چارے نہتے، کمزور اور بےسہارا۔ نبی اکرم علیہ السلام اور مسلمانوں کو فتح ملی اور پورے علاقہ پر ایک دھاک بیٹھ گئی۔

ابولہب کا انجامِ بد

مکہ میں جب شکست کی خبر پہنچی، تو گھروں کے اندر ماتم کی چادریں بچھ گئیں، لوگوں کو یقین

نہیں آ رہا تھا، ابولہب نے اپنے ایک نمائندہ کو بھیجا اس کو جب خبر ملی کہ ابوسفیان واپس گئے، تو ان سے معلوم کیا کہ یہ سب کیا ہوا، ہمارے لوگ کیسے مارے گئے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہاں تو جنگ کا منظر ہی دوسرا تھا، اپنے جیسے لوگ ہوتے تو ہم لڑ لیتے، وہاں تو ایسی ایسی صورتیں نظر آ رہی تھیں کہ ہم نے کبھی دیکھی ہی نہیں، اور ان کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا، تو ایک مسلمان کا مکان قریب ہی میں تھا، جب انہوں نے یہ گفتگو سنی، تو مکان کا دروازہ کھولا اور آ کر کہا کہ جن لوگوں کا تم تذکرہ کر رہے ہو، وہ فرشتے تھے مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے، تو ابولہب نے جل بھن کر کے اس آدمی کی پٹائی کر دی، تو ان کی بیوی نکل کر آئی، تو اس نے ابولہب کو خوب مارا، اور چند دنوں کے بعد جو دندناتا پھرتا تھا، غزوۂ بدر کے پانچ یا چھ دن کے بعد اس کو طاعون کی بیماری ہوئی اور اسی میں ختم ہو گیا۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اتنی بری موت مرا اور اتنی غلیظ انداز میں اس کی قضا آئی کہ اس کی لاش کو دفن کرنے کے لئے دوسرے تو کیا اس کے بیٹے بھی کوئی تیار نہیں ہوئے، جب بہت کہا سنا گیا اور عار دلائی گئی، تو ڈنڈوں اور بانسوں سے سہارا دے کر گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیا، اس طرح سے بدر میں بھی ذلت ہوئی اور وہاں بھی ذلت، اللہ تعالیٰ نے اس طرح ذلیل فرمایا۔

(مستفاد: تفسیر عثمانی ۲/۱۲۹۴)

آج کچھ اسلام دشمن لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ان لوگوں پر چڑھائی کر دی اور ظلم کیا؛ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ تیرہ سالہ زندگی جو پیغمبر علیہ السلام نے مکہ معظّمہ میں گذاری اور وہاں جو ظلم وستم کئے گئے تھے، آخر اس کی وجہ اور بنیاد کیا تھی؟ آپ نے آخر کسی کا مال لیا تھا، آپ نے کسی کی جان لی تھی؟ آپ نے کسی کا حق تلف کیا تھا؟ اور یہاں پر آپ نے جو کچھ بھی کیا وہ اپنی حفاظت کے لئے کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ جب یہ اندازہ ہو گیا کہ خبیث باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ اپنے سے ظلم کا دفعیہ کرنے کے لئے تمہیں جہاد اور قتال کرنے کی اجازت ہے۔ فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا　　　اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ.
(الحج: ۳۹)

ہوا کرتی تھی اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا، اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہیں۔

تاریخ اور سیرت یہ بتاتی ہے کہ جب تک پیغمبر علیہ السلام نے اقدام کر کے اور آگے بڑھ کر جواب نہیں دیا، اس وقت تک مدینہ منورہ میں سکون واطمینان کی فضا قائم نہیں ہوئی، مسلمانوں کو اسلام کی تبلیغ کے لئے ماحول نہیں ملا اور ظلم و جبر کا خاتمہ نہیں ہوا، اس لئے اسلام نے جہاد کو ایک عظیم اور مقدس ترین عبادت کے درجہ میں رکھا ہے، اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ صرف پیغمبر علیہ السلام یا صحابہ کے زمانہ تک یا اس کے بعد تک رہا؛ بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد تو ہجرت کا سلسلہ ختم، یعنی مکہ سے مدینہ کی جانب، ولکن جهاد و نية (لیکن جہاد اور صحیح نیت کے ساتھ عبادت کرنا قیامت تک جاری رہے گا)

اس کے بعد پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام ۷۰/ قیدیوں کو لے کر واپس مدینہ منورہ تشریف لائے، ان قیدیوں میں دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط، ثانی الذکر وہی خبیث ہے جس نے نماز کی حالت میں پیغمبر علیہ السلام کے اوپر اوجھ لا کر رکھا تھا اور حضرت کو بہت تکلیف واذیت پہنچائی تھی، بہت خبیث تھے، ان دونوں کو تو آپ نے راستہ ہی میں قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، باقی ٦٨/ بچ گئے، جب مدینہ منورہ میں آئے تو یہ مشورہ ہوا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ اختیار کرنا چاہئے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت یہ ٦٨/ لوگ کفر کے سردار، رہبر اور چودھری ہیں، ایسا کیجئے کہ ہمارے مہاجرین میں سے جو جس کا رشتہ دار ہے وہ اپنے رشتہ دار کو قتل کردے؛ تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ ہوا کہ حضرت قتل کرنے سے کیا فائدہ؟ ان سے فدیہ لے لیا جائے اور بدلہ میں ان کو چھوڑ دیا جائے، چوں کہ پیغمبر علیہ السلام بھی نرم دل اور رحم دل تھے، اس لئے آپ نے یہ رائے قبول فرمالی۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۳۱۴، اصح السیر ۹۷) فیصلہ تو ہو گیا؛ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ وارد ہوئی کہ تم لوگوں نے دنیا کا مال و دولت لینے کے لئے ان کافروں کی جان بخشی کر دی، کیا چند پیسوں اور سونے

چاندی کی خاطر تم نے یہ معاملہ کرلیا؟

اگرچہ یہ فیصلہ پیغمبر علیہ السلام کے اجتہاد سے ہوا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی، بہر حال ان کی جان بخشی ہوگئی اور فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا، ان میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جو اندر اندر مسلمان ہو گئے تھے؛ لیکن اسلام ظاہر نہیں کرتے تھے، اور ان کو مجبوراً اور زبردستی اس جنگ میں ابوجہل لایا تھا، بہر حال ان کا بھی فدیہ ادا ہوا، اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے داماد ابوالعاص کا بھی فدیہ ادا ہوا، اور ان کے فدیہ کی ادائیگی کے لئے نبی علیہ السلام کی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا ہار بھیجا تھا، پیغمبر علیہ السلام کے اوپر اس کو دیکھ کر رقت سی طاری ہوئی۔ بہر حال یہ حالات سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، اور یہ بدر کبریٰ گویا کہ اسلام کی ترقی کا پہلا ستون ظاہر ہوا، اس کی وجہ سے جو آس پاس کے قبائل تھے ان پر بھی ایک اثر ورسوخ قائم ہوا، اور انہوں نے بڑی تعداد میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس آکر صلح ومصالحت، عہد ومعاہدہ میں حصہ لیا، اور اسلام کو تقویت ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت کے دروازے کھلے، اور آگے بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين

سربلندی کا سفر جاری رہا
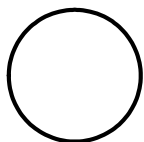
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بہٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ [آل عمران: ۱۳۹]

ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا، جس کا تذکرہ کل آچکا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا، اس غزوہ کی کامیابی سے مکہ معظّمہ میں صفِ ماتم بچھ گئی اور مشرکین وکفار کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی، پیغمبر علیہ السلام سب باتوں پر پوری نظر رکھے ہوئے تھے، مدینہ کے قریب یہودیوں کا

ایک سردار کعب بن اشرف تھا، یہ نہایت ہی بدزبان اور اسلام اور مسلمانوں سے بہت سخت دشمنی رکھنے والا تھا، اس نے مکہ معظّمہ کے لوگوں کو انتقام کے لئے ابھارا، اور ساتھ میں یہ شرارت بھی کی کہ مسلمانوں کی باحیا خواتین اور عورتوں کے لئے نہایت گندے اشعار کہنے شروع کردئے، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام اس کی وجہ سے بہت اذیت میں رہتے تھے۔ (حاشیہ بخاری شریف ۲/۴۰۳-۵۷۶)

کعب بن اشرف سے نجات

آپ نے ایک مرتبہ صحابہ میں اعلان فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس خبیث سے نجات دلائے؟ کیوں کہ یہ بات عہد کے بھی خلاف تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ بات تھی کہ ہم ایک دوسرے کو کسی طرح اذیت نہیں پہنچائیں گے؛ لیکن یہ شرارت پر اتر آیا اور اس قدر بے غیرتی کی باتیں کیں کہ عورتوں کو بھی نہیں بخشا، اس لئے پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ سے پوچھا کہ کون ہے جو مجھے اس سے نجات دلائے؟ ایک صحابی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں اس سے نپٹوں گا؛ لیکن آپ مجھے کوئی تدبیر اپنانے کی اجازت دیجئے، اور کوئی بات میری زبان سے ایسی نکلے جو آپ کی شان کے خلاف ہو، تو مجھے معاف رکھا جائے۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، اب انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنے ساتھ اپنے دو ساتھیوں (عباد بن بشر اور ابونائلہ) کو لیا، اور یہ تینوں حضرات کعب بن اشرف کے پاس گئے، اور جاکر کہا کہ آج کل ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اس نے کہا کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ جب سے یہ پیغمبر آئے ہیں روزانہ چندہ ہی مانگتے رہتے ہیں، کبھی اِس کام کے لئے چندہ تو کبھی اُس کے لئے چندہ، کہاں تک چندہ دیا جائے؟ ویسے ہی کھانے پینے میں پریشانی ہوتی ہے۔ کعب بن اشرف طنز میں کہنے لگا کہ ابھی تو چند ہی روز گذرے ہیں، آگے دیکھنا کیا ہوگا؟ مزید تم لوگوں کو غور کرنا چاہئے، اِن حضرات نے کہا کہ غور تو کرتے رہیں گے؛ کیوں کہ ابھی تو ہم لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے جلدی سے ہٹنا بھی اچھا نہیں ہے، ہم تو آپ کی خدمت میں کچھ قرض لینے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ یہ مال دار آدمی تھا اور سود پر قرضے بھی دیتا تھا، اس نے کہا کہ قرض تو دے دوں گا؛

لیکن کوئی چیز گروی رکھنی پڑے گی۔

ان لوگوں نے معلوم کیا کہ گروی کیا رکھا جائے؟ کہنے لگا کہ اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھوادو، (نعوذ باللہ من ذٰلک) ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو بہت ہی غلط بات ہے، ہماری عورتیں آپ کے پاس رکھی رہیں، آپ خوب صورت اور مال دار آدمی ہیں، کچھ پتہ نہیں کیا فتنہ کھڑا ہو جائے؟ عورتیں تو گروی نہیں رکھ سکتے اور کوئی چیز بتایئے، کہنے لگا کہ اپنے چھوٹے بچوں اور اولادوں کو میرے پاس گروی رکھوادو، کہنے لگے کہ نسلوں تک میں ہمارے اوپر بٹہ لگ جائے گا کہ محض ایک ضرورت میں بچوں کو گروی رکھوادیا، یہ بھی مشکل ہے، تو پھر کیا ہو؟ تو بات یہ طے ہوئی کہ ہتھیار گروی رکھوادیئے جائیں، عرب کے اندر ہتھیار بہت قیمتی چیز سمجھی جاتی ہے اور آج بھی قیمتی ہے۔

طے ہو گیا کہ رات میں ایسے وقت ہم لوگ ہتھیار لے کر آئیں گے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو؛ کیوں کہ کچھ پتہ نہیں لوگ کیا سمجھ لیں، اس طرح سے یہ وعدہ پکا ہو گیا کہ رات میں ہتھیار گروی رکھنے کے لئے لائیں گے، آپ ہمیں قرضہ دے دیجئے، چناں چہ وعدہ کے مطابق ہتھیار لے کر یہ لوگ اس کے پاس گئے، یہ اپنی بیوی کے ساتھ اوپر بالا خانہ میں لیٹا ہوا تھا، آواز دی، معلوم کیا کون؟ کہا کہ محمد بن مسلمہ۔ بیوی نے اس سے کہا کہ اس آواز میں خون کی بو آرہی ہے، کعب نے کہا کہ شریف آدمی کو جب بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے، یہ بزدلی کی بات ہوگی کہ میں نہ جاؤں، اور یہ تو محمد بن مسلمہ ہیں، صبح میرے پاس آیا تھا، وہی معاملہ ہے، کوئی بات نہیں، میں مل کر آتا ہوں، چناں چہ وہ اتر کر نیچے آیا۔ ان تینوں کا پلان یہ تھا کہ ہم اس سے بات چیت کریں گے، اور اس نے سر میں تیل اور خوشبو لگا رکھی ہوگی، ہم اس کی خوشبو سونگھیں گے اور اس کی تعریف کریں گے؛ تاکہ یہ پھول کر مست ہو جائے، ایک مرتبہ تو اس کا سر سونگھ کر چھوڑ دیا جائے گا، اور اگلی مرتبہ جب یہ سر جھکائے تو اس کا کام تمام کردو۔

چناں چہ اسی انداز پر گفتگو شروع ہوئی اور کہنے لگے کہ آپ کے سر سے خوشبو بہت اچھی آرہی ہے، ایسی خوشبو تو سونگھنے کو بھی نہیں ملتی، تو اس نے سر نیچے کردیا کہ سونگھو، اور کہا کہ میرے پاس

ایسی بیوی ہے جو سب سے زیادہ معطر رہتی ہے، کہا کہ واقعی بہت شان دار خوشبو ہے، ایسی خوشبو تو دیکھی ہی نہیں، کعب بن اشرف سن کر بڑا خوش ہوا، دوبارہ پھر بات شروع ہوئی، اور محمد بن مسلمہ نے پھر کہا کہ تھوڑی سی اور سونگھائی جائے، اس نے کہا کہ ہاں ضرور سونگھئے، جیسے ہی اس نے گردن نیچے کی انہوں نے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور اس کا سر کاٹ کر قصہ ختم کر دیا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا، اور کہا کہ اس ملعون کا انجام یہی ہے جو معاہدہ توڑے، جو عورتوں کے بارے میں بکواس کرے، جو بے حیا اور بے غیرت ہو، جو لوگوں کو جا کر جنگ پر اکسائے، جو بہتان تراشیاں کرے، ایسوں کا علاج یہی ہے، یہ لوگ باتوں سے ماننے والے نہیں ہے؛ بلکہ اسی طریقہ سے ماننے والے ہیں۔ (بخاری شریف ۲/۵۷۶)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے عمل سے قیامت تک آنے والے لوگوں کو ایک نمونہ بتایا کہ ایسے شریر لوگوں کا انجام یہی ہونا چاہئے، صبح کو بڑا شور ہوا؛ لیکن اس واقعہ کی دھاک ایسی بیٹھ گئی کہ اس کے بعد کسی کو برملا ایسی بکواس کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

ایک آدمی ابورافع (سلام بن ابی الحقیق) بھی اسی طرح کی حرکتیں کرتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا۔ (بخاری شریف ۲/۵۷۷) آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی جس کے بارے میں جو چاہے کہہ دے؛ بلکہ زبان پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی تعلیم دی۔

غزوۂ احد

لیکن ادھر مکہ معظّمہ میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، اور وہ قافلہ جو بدر میں بچ کر نکل گیا تھا، اور اس میں بڑا سرمایہ تھا، اس قافلہ کا مکمل نفع الگ کر کے رکھا گیا تھا، اور مشورہ میں یہ بات طے ہوئی کہ جو ہمارے اعزاء واقرباء بدر میں مارے گئے تھے، ان کے انتقام لینے کے لئے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی جائے گی اور اس پیسہ کو اس میں لگایا جائے گا۔ (الرحیق المختوم ۳۸۵)

چناں چہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر جرار تین ہزار افراد پر تیار ہوا اور مکہ معظّمہ

سے شوال ۳ہجری میں مدینہ پر چڑھائی کے ارادہ سے یہ لشکر چلا، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پیغمبر علیہ السلام کے چچا تھے، اور مکہ معظّمہ میں مقیم تھے، اسلام لا چکے تھے، مگر اسلام ظاہر نہیں فرماتے تھے، انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر پیغمبر علیہ السلام کو خط لکھا کہ اس طرح سے کفار مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں، اس وقت مکہ سے مدینہ تک پیدل کا راستہ تقریباً ایک ہفتہ کا تھا، خط لانے والے نے صرف تین دن میں پہنچا دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں تشریف رکھتے تھے، آپ کو جیسے ہی خبر ملی، تو آپ نے اپنے مخلص صحابہ کو جمع فرمایا، اور خبر دی کہ اس طرح سے مکہ کے لوگ مدینہ پر حملہ کے لئے چل دئے ہیں، اور آپ نے کچھ لوگوں کو اِدھر اُدھر بھی بھیجا، تو اندازہ ہوا کہ لشکر قریب آ چکا ہے، چناں چہ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، ایک رائے یہ سامنے آئی کہ ہم لوگوں کو مدینہ کے اندر رہ کر لشکر کا مقابلہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ باہر کا لشکر ہے اور مدینہ کے راستوں اور گلیوں سے واقف نہیں ہے، اگر یہ اندر آ جائے گا تو گھیرنے میں سہولت ہوگی؛ لیکن وہ حضراتِ صحابہ جو غزوۂ بدر میں نہیں جا سکے تھے، اور ان کے اندر جہاد کا جوش و جذبہ کلملا رہا تھا، انہوں نے یہ رائے دی کہ نہیں باہر نکل کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے، پیغمبر علیہ السلام کی رائے اندر رہ کر ہی مقابلہ کرنے کی تھی؛ لیکن جب آپ نے یہ دیکھا کہ عام لوگوں کی رائے یہ بن رہی ہے، تو آپ گھر میں تشریف لے گئے اور آپ نے ہتھیار وغیرہ پہن کر عمامہ باندھا اور باہر تشریف لائے۔ (الرحیق المختوم ۳۸۹-۳۹۱)

اس دوران صحابہ میں یہ گفتگو ہونے لگی کہ ہم نے حضور پر دباؤ بنا کر اچھا نہیں کیا، ہمیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ حضرت آپ جیسا چاہیں ویسا کریں، اندر باہر کی بات ہمیں نہیں کہنی چاہئے تھی، حضور جیسا فرماتے وہ اچھا ہوتا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو صحابہ نے کہا کہ حضور چوں کہ آپ نے معلوم کیا تھا، اس لئے ہم نے کہہ دیا ورنہ اصل رائے تو آپ ہی کی ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جب نبی ہتھیار پہن لیتا ہے تو اس وقت تک نہیں اتارتا جب تک کہ فیصلہ آر پار نہ ہو جائے؛ اس لئے اب تو فیصلہ ہو چکا''۔ اور مدینہ منورہ سے مقابلہ کے لئے ایک ہزار افراد چلے۔ (اصح السیر ۱۰۲)

آج تو مدینہ منورہ ماشاء اللہ بہت بڑا ہو گیا ہے، اور احد پہاڑ بھی ایسا ہی لگتا ہے، جیسے وہ

مدینہ ہی کے اندر ہو، آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے، اس زمانہ میں ''احد'' بالکل الگ تھا، اور اب بھی فاصلہ تو کافی ہے؛ لیکن آبادی کی وجہ سے پتہ نہیں چلتا۔

مشرکین کا لشکر احد پہاڑ کے قریب جا کر ٹھہر گیا، اس وقت میں وہاں کا راستہ ایسا تھا کہ اسی کی جانب سے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا، اب تو بالکل صورت ہی بدل گئی اس کا کوئی اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا، چناں چہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لے چلے، تو راستہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے دھوکہ بازی کی، جب بالکل پڑاؤ پر پہنچ گئے، تو اس لعین نے کہا کہ مجھے تو یہاں اپنے سامنے موت نظر آ رہی ہے، اور میں اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتا، اور ۳۰۰/ آدمیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ (اصح السیر ۱۰۲)

اب ۱۰۰۰ میں سے ۳۰۰/ سو کم ہو کر ۷۰۰/ باقی رہ گئے، اور اس نے نہ صرف یہ کہ دغا دی؛ بلکہ انصار کے کچھ قبیلوں کو بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور یہ حضرات جنگ کے لئے تیار اور مستعد ہو گئے۔

سامنے ایک پہاڑی تھی اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو بٹھا دیا، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا امیر بنایا، اور ان لوگوں کو یہ ہدایت دی کہ جب جنگ ہو اور ہم لوگ جیت جائیں، فتح اور کامیابی ہمیں نصیب ہو جائے، یا ہم ہار جائیں، تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہیں، جب تک کہ میں خود تمہیں نہ بلاؤں اس وقت تک تمہیں یہاں سے کسی بھی حالت میں ہٹنا نہیں ہے، چاہے کچھ بھی ہو، یہ ایک بہت بڑی پہاڑی تھی، اب تو چھوٹی سی رہ گئی ہے، اور ایسی جگہ پر تھی کہ واپسی میں لشکر اگر آتا تو ادھر ہی سے آتا۔ (بخاری شریف ۲/۵۷۹)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس لئے بٹھایا تھا کہ اگر مشرکین کا لشکر پلٹنے لگے، تو یہ لوگ معارض ہو جائیں اور ان کو ادھر بڑھنے نہ دیں، جہاں اس وقت شہداء کی قبریں ہیں، احاطہ بنا ہوا ہے یہی میدانِ جنگ تھا، اور پہاڑی پر یہ سب لوگ دیکھ رہے تھے، جنگ شروع ہوئی، اور پہلے ہی مرحلہ میں

حضراتِ صحابہ نے اس قدر جی جان سے لڑائی کی کہ ان کے قدم اکھڑ گئے، اور جدھر بھی جس کو موقع ملا بھاگ گیا، ایک ایک آدمی نے دس دس آدمیوں کو مار ڈالا، جو جدھر نکل جاتا وہ کشتے کے کشتے لگا دیتا، چناں چہ میدان خالی ہوگیا، اور صحابہ ان کے سامان کو سمیٹنے میں لگ گئے۔ (الرحیق المختوم ۴۰۱-۴۰۸)

جو لوگ اوپر پہاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ لڑائی تو ختم ہوگئی، اور کفار بھاگتے ہوئے نظر آرہے ہیں، اگر ہم لوگ نیچے نہیں اترے تو مالِ غنیمت سب دوسروں کے ہاتھ لگ جائے گا؛ یہ سوچتے ہوئے ان میں سے تقریباً چالیس آدمی اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے، حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت سمجھایا کہ دیکھو ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ مال ملے یا نہ ملے، ہمیں تو پیغمبر علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرنی ہے، ہمیں یہاں سے ہٹنا نہیں ہے، مگر وہ سمجھے کہ معاملہ ختم ہوگیا اور جنگ جیت لی گئی، الغرض یہ چالیس حضرات اتر آئے۔ (الرحیق المختوم ۴۰۹)

حضرت خالد بن الولید اس وقت تک مشرکین کے لشکر میں شامل تھے، اور ان کے ہاتھ میں ایک فوج کی ٹکڑی تھی، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ محاذ اور میدان خالی ہوگیا ہے، انہوں نے ان دس آدمیوں کو شہید کر کے سامنے کی جانب سے دوبارہ پلٹ کر حملہ کر دیا، اس طرح سے بے چارے مسلمان دونوں جانب سے پس گئے، اور ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسا بالکل پلٹ گیا، یا تو بالکل سو فیصد جنگ جیت لی گئی تھی یا اب شکست نظر آنے لگی، اور صورتِ حال یہ ہوگئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کے نرغہ میں آگئے، اور ایک ملعون خبیث عبد اللہ بن قمیہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا وار کیا کہ آپ جو لوہے کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے اس کی تیلیاں آپ کے چہرۂ انور میں گھس گئیں جس سے خون نکل پڑا۔

اسی طرح ایک ملعون نے آپ پر وار کیا، تو آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے، اور شیطان نے نعوذ باللہ یہ افواہ پھیلا دی کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو شہید کر دیا گیا ہے، بڑی افراتفری کا عالم تھا، اس وقت حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انتہائی جاں نثاری اور بہادری کا مظاہرہ کیا، صحابہ اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کی طرح جم گئے کہ جو

کوئی تیر آتا تھا، اپنی پیٹھ پر لیتے تھے، کوئی نیزہ آتا تو اپنے سینہ پر لیتے تھے، پیغمبر علیہ السلام کو سر اٹھانے نہیں دیتے تھے کہ مبادا آپ کو مزید کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، اسی دوران حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، تو گویا کہ معاملہ بالکل الٹ پلٹ ہوگیا۔ (رسول رحمت ۳۰۷)

اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی جو حکمت عملی بنائی تھی اس پر وہ لوگ پوری طرح ثابت قدم نہیں رہ سکے۔

جب پیغمبر علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے ایک حکم کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے اتنا بڑا نقصان امت کو ہوسکتا ہے، تو آج ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے طریقوں پر نہ چلنے کی وجہ سے ہمیں کتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے، حالاں کہ آپ اس لشکر میں خود تشریف فرما تھے؛ لیکن چوں کہ آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوئی، اس لئے معاملہ کچھ کا کچھ ہوگیا؛ لیکن پھر پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے لوگوں کو پکارا، انصار کو پکارا مہاجرین کو پکارا اور پھر لوگ اکھٹے ہوئے اور دوبارہ جی جان سے لڑے، تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پھر فتح عطا فرمائی، اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام بھی محفوظ جگہ پر چلے گئے، اور اعلان ہوگیا کہ حضور باحیات ہیں، تو صحابہ میں جو بددلی پھیل گئی تھی جب یہ سنا کہ پیغمبر علیہ السلام موجود ہیں اور زندہ ہیں، تو ان کے اندر پھر خون گرما گیا اور جوش پیدا ہوگیا، ورنہ اس خبر سے ایسا حال ہوگیا تھا، لوگ یہ کہتے تھے کہ جب پیغمبر علیہ السلام ہی زندہ نہ رہے تو ہم ہی رہ کر کیا کریں گے؟ اور پیغمبر علیہ السلام کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو مدینہ میں کہرام مچ گیا۔

ایک انصاریہ عورت مدینہ سے چلی، راستہ میں کسی نے بتلایا کہ تمہارے شوہر شہید ہوگئے، کسی نے کہا کہ تمہارے بیٹے اور بھائی مارے گئے، اس نے کہا کہ پیغمبر علیہ السلام بھی باحیات ہیں کہ نہیں، جب یہ بتایا گیا کہ پیغمبر علیہ السلام باحیات ہیں، تو کہا کہ کسی کے جانے کا کوئی غم نہیں ہے، آپ کی زندگی ہمارے لئے سب سے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے، آپ کے قدموں کے اوپر تمام جانیں نچھاور ہیں، جان مال، عزت وآبرو سب آپ کے قدموں پر نچھاور ہیں۔ (رسول رحمت ۳۱۴)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا والد محترم کی اس تکلیف کو سن کر مدینہ منورہ سے

تشریف لائیں، جب پہنچیں تو دیکھا کہ خون برابر جاری ہے بند نہیں ہورہا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی لارہے ہیں اور زخم پر ڈال رہے ہیں؛ لیکن خون بند نہیں ہورہا ہے، تو چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی گئی تب خون بند ہوا۔ (بخاری شریف ۵۸۴/۲)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام ان تمام حالات میں بھی یہی فرماتے رہے کہ اے اللہ! اس قوم کی مغفرت فرما، وہ مجھے اچھی طرح جانتی نہیں ہے، میں تو ان کا محسن اور مشفق ہوں، میں تو ان کے لئے اچھا پیغام لے کر آیا ہوں، اور یہ لوگ میرے ساتھ ایسا معاملہ کررہے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ نکل گیا کہ وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جو اپنے نبی کے ساتھ ایسا معاملہ کرے؟ تو اللہ تعالیٰ کو رحمتِ عالم کی زبان سے یہ جملہ پسند نہیں آیا، فوراً تنبیہ وارد ہوئی کہ:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ. (بخاری شریف ۵۸۲/۲) آپ کو اس کا حق نہیں ہے کہ لوگوں کے بارے میں ایسی باتیں کہیں۔

یہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے رفعِ درجات کا انتظام کیا جارہا ہے، بہرحال نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے لوگوں کو جمع فرمایا، شہیدوں کو اکھٹا کرکے سب کو اسی میدان میں دفن کیا گیا جہاں پر شہیدوں کا احاطہ بنا ہوا ہے۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے گئے، ہندہ نامی ایک عورت نے منت مانی تھی کہ میں حمزہ کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کے کلیجہ کو چباؤں گی، اس نے کوشش کی؛ لیکن وہ چب نہیں سکا؛ البتہ اس نے ٹکڑے کئے، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام پر اس کا بڑا اثر ہوا، آپ نے اسی وقت حضرت حمزہ کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا کہ قیامت کے دن سب شہیدوں کی سرداری حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگی، جب دفن کا نمبر آیا تو مسلمانوں کا حال ایسا تھا کہ پورا بدن ڈھانپنے کے لئے بھی کپڑے مہیا نہیں تھے، سر ڈھانپتے تو پیر کھل جاتے، پیر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ سر ڈھانپ دو اور پیروں پر

کھاس وغیرہ ڈال دو، ایک ایک قبر میں کئی کئی لوگوں کو دفن کیا گیا، جو زیادہ قرآن پڑھا ہوتا اس کو قبلہ کی جانب رکھتے، اس کے بعد ترتیب سے دفن کر دیتے، سب کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ستر کے ستر صحابہ کی نماز پڑھی، ایک ایک کا جنازہ لایا جاتا اور نماز پڑھ کر ہٹا دیا جاتا؛ لیکن سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے جنازہ کو ہٹایا نہیں گیا؛ بلکہ آپ کی نماز جنازہ ستر مرتبہ پڑھی گئی۔ یہ سن ۳ھ کا واقعہ ہے جو شوال کے مہینہ میں پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۴۱۷)

غزوۂ حمراء الاسد

اس کے بعد مشرکین کا لشکر چلا گیا، تو راستہ میں ابوسفیان نے سوچا کہ یہ معاملہ تو بہت غلط ہوا کہ ہم نے آدھی جنگ جیتی اور آدھی چھوڑ کر چلے آئے، مسلمان تو کافی حد تک زخمی ہو گئے تھے اور تھک کر چور ہو گئے تھے، تھوڑا سا حملہ اور کر دیا جاتا تو ان کا کام تمام ہو جاتا، تو اس نے واپسی کا ارادہ کیا، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو جب پتہ چلا تو آپ ۷۰/صحابہ کی ایک جماعت لے کر حمراء الاسد تک پیچھا کرنے کے لئے گئے، جب اسے پتہ چلا کہ حملہ کرنے آ رہے ہیں، تو اس نے سیدھے مکہ معظّمہ جا کر دم لیا، اس کے اوپر دھاک بیٹھ گئی کہ اتنی بڑی جنگ کے بعد بھی ان لوگوں میں اتنی ہمت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی جیت نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر ایسی دھاک اور رعب بٹھا دیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۴۲۶)

واقعۂ بیر معونہ

اس کے بعد سن ۴/ہجری میں کئی اہم واقعات پیش آئے، ان میں سے ایک تاریخی واقعہ یہ ہے کہ قبیلۂ بنو کلاب کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو دعوت آئی اور انہوں نے بہت منت سماجت کی کہ ہمارے سبھی لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، اور ہمیں قرآن پڑھانے کے لے معلمین کی ضرورت ہے، تو پیغمبر علیہ السلام کے مدرسہ (جس کو مدرسۂ صفہ کہا جاتا ہے، کچھ صحابہ مسلسل وہاں رہتے اور ان کا گھر در کچھ نہیں تھا، وہ اسی چبوترے پر پڑے رہتے تھے) میں جو ۷۰/صحابہ قرآنِ کریم پڑھے ہوئے تھے، نبی اکرم علیہ السلام نے ان کے ہمراہ روانہ کر دئے، اور فرمایا کہ تم لوگ وہاں جا کر

قرآن کی تعلیم دینا، مگران لوگوں کی نیت میں فساد تھا، جب یہ لوگ بیر معونہ (ایک کنویں کا نام ہے) پر پہنچے، تو وہاں پران کا سردار عامر بن طفیل بہت سے لوگوں کو لے کر آیا، اوران ۷۰ صحابہ کو گھیر کر شہید کرڈالا، ان میں سے صرف ایک صحابی بچے۔ پیغمبر علیہ السلام پراس کا اتنا صدمہ ہوا کہ آپ نے نمازوں میں ایک مہینہ تک قنوتِ نازلہ پڑھ کران میں سے ہرایک قبیلہ کا نام لے کر بددعا کی، اور اسی واقعہ سے قنوتِ نازلہ کا ثبوت ملتا ہے، کہ اگر مسلمانوں پر کہیں ظلم ہورہا ہو، تو نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع سے اٹھ کر قنوت پڑھی جاتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴۵۲/۴)

عضل وقارہ کے لوگوں کی بدعہدی

اسی سال ایک واقعہ اور پیش آیا کہ قبیلہ عضل وقارہ کے لوگ آئے اورانہوں نے بھی اسی طرح کی درخواست کی کہ ہم کو بھی معلمین کی ضرورت ہے، تو آپ نے دس معلمین ان کے ہمراہ کردئے، راستہ میں انہوں نے بھی ان صحابہ کو گھیرلیا، یہ حضرات بچ کر پہاڑی پر چڑھ گئے، اوراپنے سردار حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر مقابلہ کرتے رہے؛ تا آں کہ ان میں سے آٹھ آدمی شہید ہوگئے، دو آدمی (حضرت خبیب اور حضرت زید بن الدثنہ) کو پکڑلیا، اور مکہ معظّمہ کے قریب لے جا کر کسی کافر کے بدلہ میں ان کو شہید کردیا۔ (بخاری شریف ۵۶۸/۲)

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت زید بن الدثنہ کو شہادت کے لئے لے جایا جارہا تھا، تو ابوسفیان نے ان سے معلوم کیا کہ یہ بتاؤ اگر تمہیں چھوڑ دیا جائے اور پیغمبر علیہ السلام کو سولی دے دی جائے، تو کیا تم اس سودے پر راضی ہو؟ تو حضرت زید بن الدثنہ نے فرمایا: کیا بکواس کرتے ہو؟ ہمیں تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ ہم عافیت سے رہیں اور ہمارے پیغمبر کے پیر میں کوئی کانٹا چبھ جائے، چہ جائے کہ ہم اپنی جان کے مقابلہ میں حضور کی جان چلی جانے پر راضی ہوجائیں۔ تو ابوسفیان کہتے تھے کہ میں نے کسی بھی آدمی کے ماننے والے کو ایسا محبت کرنے والا نہیں دیکھا جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام سے محبت کرنے والے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

اس کے بعد ۵ ہجری کے اندر کئی اہم واقعات پیش آئے، ان میں سے ایک واقعہ غزوۂ

بنو مصطلق کہلاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴؍۵۴۳)

اس سفر میں اکثر علماء کے نزدیک تیمّم کی آیت نازل ہوئی کہ جہاں پر پانی نہ ملے یا مرض کی وجہ سے پانی کا استعمال تکلیف دہ ہو، تو آدمی بجائے وضو کے تیمّم کر لے۔

واقعۂ افک

غالبًا اسی سفر میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ منورہ کے منافقین پیغمبر علیہ السلام کو اذیت دینے میں لگے رہتے تھے کہ آپ کو کسی طرح اذیت پہنچے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے ساتھ تھیں، قافلہ کا رات کو پڑاؤ تھا، جب صبح کو سویرے چلنے کا اعلان ہوتا، تو یہ طریقہ تھا کہ استنجے وغیرہ سے فارغ ہو کر پھر سفر شروع کرتے، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا استنجے کے لئے تشریف لے گئیں، وہاں ان کا ہار گر گیا، اندھیرے کی وجہ سے تلاش کرنے میں دیر ہو گئی، جب واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے، لوگ کجاوہ پر بیٹھا کرتے تھے، عورتوں کا کجاوہ پردہ میں ہوتا تھا، حضرت عائشہ چوں کہ ہلکی پھلکی تھیں، لوگوں نے سمجھا کہ آپ موجود ہیں، اس لئے کجاوہ اونٹ پر رکھ دیا اور اونٹ چلتا ہو گیا اور قافلہ جا چکا، جنگل بیابان ہونے کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت پریشان ہوئیں، تو آپ نے یہ عقل مندی کی کہ جہاں آپ کا اونٹ تھا وہیں پر تشریف فرما ہو گئیں کہ جب حضور مجھے نہ پائیں گے، تو کسی کو یہیں بھیجیں گے، اگر کہیں اور چلی گئی تو اور زیادہ مشکل پیش آئے گی۔ (بخاری شریف ۲؍۵۹۴)

پیغمبر علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا کہ قافلہ چلا جاتا تو ایک آدمی پیچھے چلتا تھا؛ تاکہ اگر کوئی چیز گر جائے تو اس کو اٹھاتا ہوا چلے، یہ بھی آپ کے حسنِ انتظام کی دلیل تھی۔ تو اس کام کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما رکھا تھا، جب وہ پیچھے سے آئے تو ایک سایہ سا معلوم ہوا، جب قریب ہوئے تو دیکھا کہ یہ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، تو زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوجہ ہوئیں، انہوں نے اپنا اونٹ نیچے بٹھایا، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں، حضرت

صفوان رضی اللہ عنہ نے نکیل پکڑی اور لا کر پیغمبر علیہ السلام کے قافلہ میں شامل کر دیا، اس قافلہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی موجود تھا، اس کو کہیں سے پتہ لگ گیا، پھر کیا تھا، اس نے ایک طوفان بنا کر کھڑا کر دیا، اور کہا کہ نعوذ باللہ من ذٰ لک، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے غلط تعلق ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/ ۵۴۸، بخاری شریف ۲/ ۵۹۴)

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک معزز ترین خاتون اور پیغمبر علیہ السلام کی چہیتی زوجہ مطہرہ پر جب ایسا الزام لگا ہوگا، تو پیغمبر علیہ السلام کو کتنی اذیت ہوئی ہوگی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بالکل بھولی بھالی خاتون تھیں، انہیں کچھ پتہ نہیں کہ لوگ ان کے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں؟ اور مدینہ منورہ جب قافلہ پہنچا، تو یہ بات سب کے کانوں میں پہنچ کر پورے مدینہ میں پھیل گئی، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی بات نہیں فرمائی، ایک مہینہ ایسے ہی گذر گیا؛ لیکن حضرت کا انداز یہ تھا کہ خیریت وغیرہ تو معلوم کرتے ؛ لیکن پہلے جیسی بشاشت نہیں تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کیا ہے؟

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قضاء حاجت کے لئے جنگل جا رہی تھیں (اس زمانہ میں گھروں میں بیت الخلاء تو تھے نہیں) ان کو لے جانے کے لئے ام مسطح نامی ایک عورت متعین تھیں، ساتھ جاتے جاتے ایسا ہوا کہ انہوں نے پردہ کے لئے جو چادر اوڑھ رکھی تھی، اچانک اس میں ان کا پیر پھسل کر گرنے کے قریب ہوگئیں، تو ام مسطح نے یہ جملہ کہا: "طَعِسَ مِسْطَحٌ" (مسطح برباد ہو) مسطح ان کے صاحب زادے تھے، یہ عبداللہ بن ابی کے کہنے میں آ کر حضرت عائشہؓ کے خلاف مہم چلائے ہوئے تھے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی! مسطح تو نیک آدمی ہیں، تم ان کو بددعا کیوں دے رہی ہو؟ ام مسطح نے کہا کہ تمہیں معلوم نہیں، اس نے کیا کیا افواہیں پھیلا رکھی ہیں، اور کہا کہ وہ تمہارے بارے میں ایسا ویسا کہتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/ ۵۴۸، بخاری شریف ۲/ ۵۹۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ

السلام کا یہ رویہ میرے ساتھ کیوں ہے؟ میرے پیروں کے نیچے سے تو زمین نکل گئی، اور میں نے نبی اکرم علیہ السلام سے اجازت لی کہ میں اپنے والدین سے ملنے کے لئے جانا چاہتی ہوں، حضرت نے اجازت دے دی۔ فرماتی ہیں کہ میرا حال یہ تھا کہ روتے روتے میرے آنکھوں کے آنسوخشک ہو چکے تھے؛ کیوں کہ میرا اللہ جانتا ہے کہ میرے وہم وگمان میں بھی کبھی غلط بات نہیں آئی، اور پیغمبر کی زوجہ مطہرہ کے دل میں ایسی بات کا آنا ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نبی کو بھی باعزت رکھتے ہیں اور نبی کے گھر والوں کو بھی باعزت رکھتے ہیں، ان پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا، اور ان منافق خبیثوں نے یہ وبال کھڑا کر دیا تھا۔ (بخاری شریف ۲/۵۹۵)

ایک دن کا واقعہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لائے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا، اور فرمایا کہ عائشہ! دیکھو انسان بہر حال انسان ہے، اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو، تو اقرار کرنے میں عافیت ہے، تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسوخشک ہو چکے تھے، میں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے کہا کہ میری ہمت نہیں، والدہ ام رومان سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی کہا کہ میری ہمت نہیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود جواب دیا، اور فرمایا کہ: ''حضرت میں اس موڑ پر ہوں کہ اگر یہ کہوں کہ میں اس سے بری ہوں یعنی سچ بولوں تو آپ یقین نہیں کریں گے، اور اگر جھوٹ بولوں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے دل میں یقین آجائے؛ اس لئے میں تو یہ کہتی ہوں کہ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ (یعنی میں صبر کرتی ہوں اور اللہ ہی سے مدد چاہتی ہوں)''۔ (بخاری شریف ۲/۵۹۶)

فرماتی ہیں کہ میں نے تو یہ جواب دے دیا؛ لیکن اسی حالت میں نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی، اور جب آپ فارغ ہوئے، تو آپ کے چہرہ پر مسکراہٹ تھی، اور حضرت عائشہ کی برأت میں قرآنِ پاک کی سورۂ نور کے اندر دو رکوع نازل ہوئے، اور جن لوگوں نے آپ پر بہتان لگایا تھا ان کی سخت ترین مذمت کی گئی، اور جن لوگوں نے بہتان پھیلانے

میں اپنا کردار ادا کیا تھا، ان کے اوپر حد قذف جاری کرنے کا اعلان کیا گیا۔ جب آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے برأت ہوئی، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں یہ یقین کرتی تھی کہ میری برأت ہوگی؛ لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں میری برأت کرے گا، وحی بھی ہوسکتی تھی، فرشتے بھی آکر کہہ سکتے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کا اعزاز فرمانا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۵۵۰/۴، بخاری شریف ۵۹۶/۲)

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جا کر حضور کا شکریہ ادا کرو، تو ناز میں فرمانے لگی کہ میں حضور کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، میں تو صرف اپنے اس اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت کی ہے۔

پھر آپ نے سزائیں جاری کیں، عبداللہ بن ابی پر ڈبل سزا جاری ہوئی، اسلام کا قانون ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار عینی مرد گواہ پیش نہ کرسکے، تو اس کہنے والے پر برسر عام ۸۰/کوڑے لگائے جائیں گے، اور مرتے دم تک اس کی شہادت قبول نہ ہونے کا اعلان ہوگا کہ یہ آدمی اس لائق نہیں ہے کہ کسی مقدمہ میں اس کی گواہی لی جائے، کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ کسی پر بھی کسی طرح کا الزام لگایا جائے۔ عبداللہ بن ابی پر ۱۶۰/کوڑے کی سزا جاری ہوئی اور بقیہ پر حد قذف لگائی گئی، اور منافقین کی یہ سازش قطعاً ناکام ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ نے مزید عزت عطا فرمائی۔ اور اعلان کردیا گیا کہ پاک باز عورتیں پاک باز مردوں کے لئے ہیں، اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کے لئے ہیں۔ پیغمبر پاک باز ہیں تو ان کے حرم محترم میں پاک باز ہی عورتیں آئیں گی خبیث اور بدکار عورتیں آ ہی نہیں سکتیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور نہیں ہے۔ (النور:۲۶)

غزوۂ احزاب (خندق)

اسی سال (یعنی سن ۵/ہجری میں) ایک اہم واقعہ پیش آیا جسے اسلامی تاریخ کا ایک بڑا اہم موڑ کہنا چاہئے کہ اہل مکہ غزوۂ بدر میں شکست کھا چکے تھے، غزوۂ احد میں کامیابی نہیں ملی تھی، دوسری طرف یہود کے قبائل اندر خانہ حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن رہے تھے، اور حیی بن اخطب وغیرہ جو پہلے

خیبر میں چلے گئے تھے، انہوں نے مکہ کے لوگوں کو آمادہ کیا کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور ایک بھرپور زبردست حملہ مدینہ پر کیا جائے، بنوغطفان وغیرہ کے لوگ اکھٹا ہونے لگے، چوں کہ مکہ والوں میں آتش انتقام جل ہی رہی تھی، اس میں اور زیادتی ہوگئی، اور زبردست مشترکہ محاذ مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بنایا گیا، کہا جاتا ہے کہ اس میں دس ہزار افراد تھے، اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بڑی فوجی مہم تھی، اور یہ لوگ مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے مکہ سے تمام ساز وسامان اور بھرپور تیاری کے ساتھ چل پڑے، اور ارادہ تھا کہ اس مرتبہ تو اینٹ سے اینٹ بجادینی ہے، اور مسلمانوں کو بالکل نیست ونابود کردینا ہے۔ (اصح السیر ۱۴۳)

نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو پتہ چلا کہ اس طرح سے کفار مکہ آرہے ہیں اور قریب پہنچ گئے ہیں، تو آپ نے صحابہ کو جمع کرکے مشورہ لیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

تو صحابہ میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، پہلے وہ عیسائی تھے، مذہبِ حق کی تلاش میں بہت سے راہبوں کے پاس رہے، بالآخر مدینہ منورہ میں اسی لئے آئے تھے؛ تاکہ آخری پیغمبر کے اوپر ایمان لاسکیں، اور بڑی لمبی عمر (تقریباً ڈھائی سوسال کی) پائی، بڑے تجربہ کار اور ملک فارس کے رہنے والے تھے، پیغمبر علیہ السلام کو بھی ان سے بہت ہی تعلق تھا، اور ان کی قدر فرماتے تھے۔

تو اس مشورہ میں یہ بات آئی کہ اتنا بڑا لشکر آرہا ہے، کیسے مقابلہ کیا جائے؟ تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں جب ایسی صورت پیش آتی ہے، تو ہم اپنے شہر کے اردگرد خندق کھود دیتے ہیں؛ تاکہ لشکر خندق کو پار نہ کرسکے، تو یہ رائے پسند کی گئی۔ اور فوری طور پر مدینہ منورہ میں داخلہ کا جو راستہ تھا، اس کی پیمائش کرکے ہر حصہ کے لئے صحابہ کی ایک ایک ٹکڑی بنادی گئی کہ لشکر کے آنے سے پہلے اتنے دن کے اندر اندر یہ خندق تیار ہوجانی چاہئے، چناں چہ تمام صحابہ لگ گئے اور خود پیغمبر علیہ السلام بھی اس میں شریک رہے۔

ایک موقع ایسا آیا کہ ایک چٹان کسی سے ٹوٹ نہیں رہی تھی، نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام

تشریف لائے اور آپ نے کدال ماری، تین مرتبہ کدال ماری تو اس سے چنگاری سی نکلی، تو آپ نے کبھی فرمایا کہ قیصر کے خزانے دکھلائے گئے، کبھی فرمایا کہ کسریٰ کے خزانے دکھلائے گئے، گویا آپ نے پیشین گوئی فرمادی کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حکومتوں کو بھی اسلام کے زیر نگیں لائیں گے، چناں چہ آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۷۷، بخاری شریف ۲/۵۸۸)

الغرض دن رات کی کوشش سے خندق تیار ہوگئی اب کفار کے لشکر کے لوگ آئے تو دیکھا کہ مدینہ کا راستہ بند ہے، اِدھر پیغمبر علیہ السلام نے یہ کیا کہ خندق میں جابجا تمام محاذوں پر چوکیاں بنادیں، وہاں چوبیس گھنٹے پہرہ ہوتا تھا، اور عورتوں بچوں کو اوپر کی جانب ایک قلعہ میں بھیج دیا گیا؛ تاکہ وہاں پر کوئی حملہ آور نہ پہنچ سکے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۸۵)

یہ مرحلہ تاریخ میں مدینہ والوں کے لئے انتہائی سنگین تھا، قرآنِ کریم میں اس کو بتلایا گیا کہ ان کے لئے جینا مشکل ہورہا تھا، کھانے پینے کی تنگی تھی، فقر وفاقہ کا عالم یہ تھا کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر محاذ پر پہرہ داری کی جاتی تھی، اگر کوئی کافر آجاتا تو جھڑپیں بھی ہوتی تھیں، ایک عجیب وغریب خوف وخطرہ کا ماحول تھا، تقریباً ایک مہینہ تک صحابہ نے اسے جھیلا، اور کفار کا دس ہزار کا لشکر بھی بڑا پریشان؛ کیوں کہ اتنے بڑے مجمع کو کھلانا پلانا یہ بھی اہم کام ہے۔ (بخاری شریف ۲/۵۸۸)

اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک مہینہ کے بعد یہ انتظام فرمایا کہ ایک صحابی جن کا نام نعیم بن مسعود تھا اور سردار تھے، وہ اسلام لاچکے تھے؛ لیکن ان کے اسلام کا کسی کو علم نہیں تھا، ان کے تعلقات یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ سے بھی تھے اور مشرکینِ مکہ سے بھی تھے؛ کیوں کہ وہ دس ہزار کا لشکر جو باہر پڑا ہوا تھا، بنوقریظہ اس کو مدد پہنچارہے تھے، اور بغاوت کا پورا اندیشہ تھا، تو انہوں نے آکر عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں، تو میں ان میں ایسی چیزیں پیش کروں، جس سے ان کے اندر آپس میں بداعتمادی ہوجائے، حضور نے اجازت دے دی، چناں چہ یہ پہلے بنوقریظہ کے یہاں گئے، اور ان کے سرداروں کو جمع کرکے کہا کہ میں تمہارا بہت ہم درد ہوں، جانتے ہو کہ یہ دس ہزار کا مجمع تو آج نہ کل چلا جائے گا، تمہارا سابقہ تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پڑے گا، تم ان سے کیسے مقابلہ کروگے؟ اس لئے بہتر

یہ ہے کہ تم حضور سے صلح کرلو، اور اگر صلح نہیں کرتے اور تمہارا موڈ لڑنے کا بن رہا ہے، تو یہ جو قریش اور غطفان کے لوگ پڑے ہوئے ہیں، ان میں سے دس بیس آدمی جو اہم ہیں ان کو اپنے پاس گروی رکھو؛ تاکہ یہ تمہیں چھوڑ کر نہ جائیں، چناں چہ بنوقریظہ کی یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ یقیناً ہمیں بے یار ومددگار چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ جب ان سے پکی بات ہوگئی تو پھر ابوسفیان سے جا کر ملے اور کہا کہ بنوقریظہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کر لی ہے، اور اس پر بات طے ہوگئی ہے کہ تمہارے دس سرداروں کو پکڑ کر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں گے اور ان کو قتل کر دیا جائے گا، ان کے کان میں یہ بات پہنچا دی۔ جب بنوقریظہ ان سے بات کرنے گئے تو ان سے یہی بات رکھی کہ ہمیں تمہارے دس آدمی چاہئے، تو ان کو نعیم بن مسعود کی بات کا یقین آ گیا، اور وہ جو طاقت تھی کہ یہ لوگ ہمارا ساتھ دیں گے، اس کے ٹوٹنے سے ان میں کم ہمتی پیدا ہوگئی، اور اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت ٹھنڈی اور خطرناک آندھی چلا دی کہ ان کے خیمے اور تنبو سب اکھڑ گئے، اور جو سامان تھا وہ سب الٹ پلٹ ہوگیا، اس طرح سے راتوں رات یہ دس ہزار کا لشکر وہاں سے دم دبا کر بھاگ نکلا، اور اللہ تعالیٰ نے بالکل نامراد وخائب وخاسر فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۴۹۵، زاد المعاد مکمل ۶۱۱، الرحیق المختوم ۴۸۷)

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ٹھنڈک سخت ہو رہی تھی، لوگ تھک ہار کر بالکل خاموش بیٹھے تھے، حضور نے فرمایا کہ کون ہے جو خندق پار کر کے لشکر کی خبر لائے؟ تو صحابہ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ کسی کی ہمت نہ ہوئی؛ کیوں کہ ٹھنڈک سخت تھی اور گویا کہ وہ تو عذاب تھا، آپ نے تین مرتبہ فرمایا؛ لیکن کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ چوتھی مرتبہ حضرت نے میرا نام لے کر فرمایا: **قُمْ يَا حُذَيْفَةُ!** (حذیفہ کھڑے ہو) اور فرمایا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ۔ فرماتے ہیں کہ یا تو ٹھنڈک اتنی تیز ہو رہی تھی؛ لیکن جیسے ہی میں حضور کے حکم کی تعمیل میں چلا، تو معلوم ہو رہا تھا کہ میرے اردگرد آگ کا الاؤ جل رہا ہے، ذرہ برابر بھی ٹھنڈک کا احساس نہیں ہوا، جب میں وہاں پہنچا تو وہ لوگ آگ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک حواس باختہ تھا، میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بھگ دڑ مچ گئی، اور میں نے واپس آ کر پیغمبر علیہ السلام کو خبر سنائی کہ خوش خبری قبول

کیجئے! اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دفع کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے رپورٹ پیش کی تو فوراً مجھے ٹھنڈک لگنے لگی، حضرت نے اپنی چادر مجھے اڑھادی، میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا فوراً سو گیا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضور نے پیار سے فرمایا: قُمْ یَا نَوْمَانُ !(ارے بہت سونے والے اٹھ جا!) تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کرام کی مددیں فرمائیں۔ اور یہ وہ آخری جنگ تھی جس کے بعد مکہ والوں سے کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۴۹۷، زادالمعاد ۶۱۱)

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ اکحل میں اس جنگ میں ایک تیر لگ گیا تھا، انہوں نے دعا فرمائی تھی کہ الٰہ العالمین! اگر آج کے بعد بھی تیری نظر میں قریش مکہ سے کوئی جنگ مقدر ہے تو مجھے زندگی عطا فرمایئے، اور اگر کوئی جنگ نہیں ہونی ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لیجئے، چناں چہ اسی زخم کی وجہ سے ان کی شہادت اور وفات کا واقعہ پیش آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ۷۰/ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ یہ انصار کے بہت بڑے سردار تھے، اور حضور نے ان کے لئے اپنی مسجد کے میدان میں خیمہ لگوا رکھا تھا؛ تا کہ ان کی عیادت میں آسانی ہو، اور اسی میں ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۵۱۱-۵۱۲)

اس کے بعد کفار مکہ کی مدینہ منورہ کی طرف رخ کرنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی؛ البتہ اگلے سال یعنی ۶/ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا تھا، جس میں عمرہ کرنے کی جانب اشارہ تھا، چناں چہ آپ نے ۱۴۰۰/صحابہ کے ساتھ مکہ کا سفر فرمایا، اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ بیان کی جائے گی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین
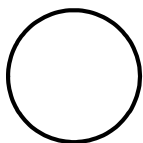
صلحِ حدیبیہ، فتحِ مکہ

الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ، فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحاً قَرِيْباً ○ [الفتح: ۲۷]

صلحِ حدیبیہ

غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے بعد مشرکین مکہ پر ایک رعب اور ہیبت طاری ہوگئی، اسی درمیان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اور عمرہ کے بعد کچھ لوگوں نے سر کے بال پوری طرح منڈائے ہیں، اور کچھ لوگوں نے کتروائے ہیں۔ نبی کا خواب بھی برحق اور وحی کے درجہ میں ہوتا ہے، اگر چہ اس خواب میں یہ طے نہیں کیا گیا تھا کہ آپ کو کب جانا ہے؛ لیکن آپ نے ذی قعدہ سن ۶ رہجری میں اس خواب کو عملی شکل دینے کا ارادہ فرمالیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۴۰۰ رسو صحابہ عمرہ کا احرام باندھ کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ عمرہ میں لڑائی کا کوئی تصور اور خیال بھی نہیں تھا، اور مکہ معظّمہ سے آئے ہوئے ۶ رسال گذر چکے تھے، بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے اور عمرہ سے مشرف ہونے کی لوگوں کے دلوں میں تمنا بھی تھی، عام طور پر تمام قبائل کے لوگ عمرہ کے لئے سال بھر آتے جاتے تھے؛ کیوں کہ بیت اللہ شریف پر تو کسی کی بھی اجارہ داری نہیں ہے، کوئی بھی کسی بھی وقت جائے اور عمرہ کر کے آئے، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام بنالیا اور چودہ سو صحابہ کے ساتھ آپ تشریف لے چلے۔ (الروض الانف ۴ر۴۰)

جب مکہ والوں کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہاں پر ایک طرح کا ہنگامہ سا ہو گیا، اور انہوں نے اپنی بے عزتی سمجھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ یہاں تشریف لائیں اور بخیریت واپس چلے جائیں۔

چناں چہ کئی سو ہتھیار بند نوجوان حضرت خالد بن الولید (اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) کی سرکردگی میں اس راستہ میں آگئے جو راستہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ کو ملاتا ہے، یہ سب پوری طرح لڑائی کے موڈ میں تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل نہیں چاہتے تھے کہ کوئی معارضہ پیش آئے؛ کیوں کہ حالتِ احرام میں ہیں اور قربانی کے جانور بڑی تعداد میں ساتھ ہیں، اور اللہ کے نام پر حرم میں جا کر قربانی کرنے کی ایک بڑی اہمیت تھی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ یہ لوگ راستہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں، تو آپ نے راستہ تبدیل فرمادیا اور ذرا سا ہٹ کر حدیبیہ نامی مقام پر قیام پذیر ہو گئے، اور وہاں سے مکہ معظّمہ پیغام بھیجا کہ ہم لوگ صرف عمرہ کے لئے آنا چاہتے ہیں، عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے، اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے؛ مگر مکہ کے

لوگوں نے آنے سے منع کر دیا اور اجازت نہیں دی۔ پیغمبر علیہ السلام نے گفتگو کرنے کے لئے پے در پے کئی لوگوں کو بھیجا، اسی درمیان ان (مشرکینِ مکہ) کے بھی کئی لوگ آئے، جن میں ایک سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے پیغمبر علیہ السلام سے آکر گفتگو کی اور مطمئن ہوئے، اور اپنی قوم سے جا کر یہی کہا کہ مصالحت کرنے ہی میں عافیت ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۵۵۳، الروض الانف ۴/۴۵)

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ مکہ کے لوگوں کے پاس واپس گئے، تو انہوں نے ایک تقریر کی اور یہ کہا کہ: ''میں بڑے بڑے بادشاہوں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا؛ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں، جیسی عزت اور احترام میں نے محمد کے ساتھیوں میں محمد کے لئے پائی، کسی بادشاہ کے درباریوں میں اپنے بادشاہ کے لئے نہیں پائی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوک بھی دیتے ہیں، تو وہ تھوک زمین پر گرنے سے پہلے ان کے کسی ساتھی کے ہاتھ پر گرتا ہے، جو اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اپنے چہرہ پر لگا لیتا ہے، اور میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھا کہ اگر وہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں، تو ان لوگوں میں دوڑ لگ جاتی ہے کہ کون اسے پہلے بجالائے، اور اگر وہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں، تو ان پر ایسا سناٹا چھایا رہتا ہے، جیسا کہ لوگوں کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، ایسی عظمت اور وقار میں نے دنیا کے کسی بادشاہ کا نہیں دیکھا''۔ (دلائل النبوۃ ۴/۱۰۴)

بیعتِ رضوان

اسی درمیان حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نہایت باوقار، شریف الطبع اور باحیا انسان تھے، پیغمبر علیہ السلام نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، کفار نے انہیں روک لیا اور افواہ اڑ گئی کہ نعوذ باللہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑا غیظ وغضب پھیل گیا، اور اس وقت آپ ایک کیکر کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، تو آپ نے سب صحابہ سے بیعت لی، اس کو ''بیعتِ رضوان'' کہا جاتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۵۵۵-۵۵۶، الروض الانف ۴/۴۷، زاد المعاد مکمل ۶۱۸)

آپ نے اس بات پر بیعت لی کہ اگر لڑنے کا موقع آیا، تو پیٹھ نہیں پھیریں گے؛ بلکہ سینہ پر لڑیں گے، اسی درمیان پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جانب سے خود بیعت فرمائی، لوگ تو اپنے اپنے ہاتھوں سے بیعت کررہے تھے، حضور نے فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور یہ میرا ہاتھ ہے، ان کو اس واقعہ میں بہت شرف اور سعادت نصیب ہوئی۔ بالآخر کئی مرتبہ آنے جانے کے بعد کفار نے بھی محسوس کرلیا کہ لڑائی میں خیر نہیں ہے مصالحت ہوجانی چاہئے۔

(البدایہ والنہایہ ۴/۱۵۶، الروض الانف ۴/۴۸، زادالمعاد مکمل ۶۱۸)

صلح کا مضمون

چناں چہ ایک صلح نامہ تیار ہوا، اور بظاہر بالکل دب کر پیغمبر علیہ السلام نے صلح فرمائی، اس صلح نامہ کا ایک جز یہ تھا کہ اس سال مسلمان جو عمرہ کے لئے احرام باندھ کر آئے ہیں، وہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں۔

دوسری دفعہ یہ تھی کہ اگلے سال یہی لوگ عمرہ کرنے آئیں؛ لیکن تین دن سے زیادہ مکہ معظّمہ میں نہ رہیں؛ بلکہ عمرہ کرکے چلے جائیں۔

تیسری دفعہ یہ تھی کہ اگر مکہ معظّمہ سے کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ منورہ چلا جائے، تو مدینہ والے پھر اسے مکہ واپس بھیج دیں۔

چوتھی دفعہ یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کافر ہوکر مکہ آجائے، تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے۔

پانچویں دفعہ یہ تھی کہ ہمارے درمیان جو جنگیں چل رہی ہیں، دس سال تک ہم کوئی جنگ نہیں کریں گے، گویا کہ دس سال کا ناجنگ معاہدہ تھا۔

چھٹی دفعہ یہ تھی کہ عرب کا جو قبیلہ جس سے چاہے معاہدہ کرلے، چناں چہ مکہ معظّمہ کے آس پاس بنوبکر اور بنوخزاعہ کے دو قبیلے تھے۔ بنوبکر نے قریش کے ساتھ اپنی دوستی پکی کرلی، اور بنوخزاعہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی کرلی۔ (الروض الانف ۴/۵۱-۵۲، البدایہ والنہایہ ۴/۱۵۶-۱۵۷)

یہ معاہدہ ہوا اور باقاعدہ اسے لکھا گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے لکھا، ابھی لکھا ہی جارہا تھا کہ مکہ کے ایک مسلمان جن کا نام ''ابوجندل'' تھا، وہ مسلمان ہوکر (ان کے پیروں میں بیڑیاں

پڑی ہوئی تھیں، کافروں نے انہیں باندھ رکھا تھا) کفار سے چھوٹ کر حدیبیہ میں آ گئے۔ کافروں نے کہا کہ جب تک یہ واپس نہیں کئے جائیں گے معاہدہ نہیں ہوگا، حضور نے فرمایا کہ ابھی تو لکھا ہی جا رہا ہے پکا بھی نہیں ہوا، اس واقعہ کو اس سے الگ کرلو؛ لیکن ہرگز نہیں مانے۔ وہ بے چارے کہتے رہے کہ میں اسلام لا چکا ہوں، آپ پھر مجھے کافروں کے حوالے کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ عہد کی خلاف ورزی نہیں ہوگی، فوراً واپس جاؤ۔ (زاد المعاد مکمل ۶۲۰، البدایہ والنہایہ ۴؍۵۵۷، الروض الانف ۴؍۵۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو حکم دے دیا کہ سب اپنا اپنا احرام کھول لیں اور سر منڈا لیں، صحابہ پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ احرام کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ کر کہتے کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ نہیں ہے؟ ہم دب کر کیوں بات کریں؟ جو ہونا ہے آج ہی ہو جائے گا، مگر پیغمبر علیہ السلام نے سب کو ٹھنڈا کیا، بظاہر وہ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں، آپ خیمہ میں تشریف لائے، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ حضور پر بہت اثر ہے، پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں کہہ رہا ہوں احرام کھول دو، لوگ احرام نہیں کھول رہے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! لوگ بہت غمگین ہیں، آپ خود اپنا سر حلق کرا لیجئے، تو آپ کو دیکھ کر کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، سب خود ہی کرلیں گے، چناں چہ آپ نے سر منڈانے کے لئے حلاق کو بلایا اور جیسے ہی آپ نے احرام کھولا، تو تمام صحابہ نے کھول دیا۔ (الروض الانف ۴؍۵۴) اور اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِیْناً. (الفتح: ۱) بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔

بظاہر تو دب کر صلح ہو رہی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے آپ کو فتحِ مبین عطا فرمائی، یہ بات کسی کے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، احرام کھول کر واپس جا رہے ہیں، انہوں نے عمرہ کرنے نہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ نہیں، یہ فتح مبین ہے۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے، چند دنوں کے بعد ایک صحابی

ابوبصیر نامی مکہ معظّمہ میں ان کو وہاں کے لوگوں نے روک رکھا تھا، یہ کفار سے چھوٹ کر مدینہ آ گئے، قریش کو پتہ لگا کہ ابوبصیر ہاتھ سے نکل گئے، تو انہوں نے دو آدمیوں کا وفد بنا کر مدینہ منورہ حضور کی خدمت میں حضرت ابوبصیر کو واپس کرانے کے لئے بھیجا، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں وہ لوگ آئے اور شکایت کی، تو حضور نے ابوبصیر سے کہہ دیا کہ واپس چلے جاؤ، انہوں نے کہا کہ حضرت میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، معلوم نہیں یہ لوگ مجھے زندہ بھی چھوڑیں گے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے، تمہیں واپس جانا پڑے گا، چناں چہ وہ دونوں ان کو لے کر واپس چلے، جب مکہ کے قریب پہنچے، تو وہ دونوں ایک جگہ کچھ کھانے پینے کی غرض سے اترے، ابوبصیر نے ان سے کہا کہ تمہاری تلوار تو بہت اچھی معلوم ہو رہی ہے، اس میں بڑی چمک دمک ہے، انہوں نے بھی اس کی تعریف کی اور کہا کہ یہ کسی کو چھوڑتی نہیں ہے، ابوبصیر نے کہا کہ دکھلایئے، اس نے فوراً دکھلا دی، انہوں نے تلوار لیتے ہی فوراً اس کو مار ڈالا، اور دوسرا ساتھی بھاگ گیا، اور یہ دوبارہ پھر مدینہ آ گئے، وہ جو بھاگ گیا تھا وہ پھر مدینہ پہنچا، اس نے کہا کہ حضرت انہوں نے یہ حرکت کی ہے، حضور نے ان کو پھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ بڑا بہادر آدمی ہے، اگر کچھ لوگ اس کو مل جائے تو برا حال کر دے۔ حضرت ابوبصیر نے یہ سن کر سوچا کہ حضور تو اب مجھے مکہ بھیج دیں گے اور مکہ والے مجھے اب زندہ نہیں چھوڑیں گے؛ کیوں کہ ان کا آدمی مر گیا۔ چناں چہ یہ نہ مکہ گئے اور نہ مدینہ آئے، سمندر کے ساحل پر جہاں سے ان کے قافلے گذرتے تھے وہاں جا کر پڑاؤ ڈال دیا، مکہ کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ابوبصیر وہاں مقیم ہیں، تو مکہ میں جو مسلمان ہوتا، وہ بھی مدینہ نہ آ کر انہیں کی پاس چلا جاتا، پتہ چلا کہ ۶۰/۷۰ لوگوں نے وہاں پر سکونت اختیار کر لی۔

مکہ سے جو قافلے وہاں سے گذرتے، یہ ان سے چھیڑ خانی کرتے، گویا کہ ان کا ناطقہ بند کر دیا، بالآخر مکہ والے مجبور ہوئے اور پیغمبر علیہ السلام کے پاس آ کر رشتہ داری کا واسطہ دے کر عرض کیا کہ حضرت یہ جو ساحل پر لوگوں نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے، ان کو اللہ کے واسطے مدینہ بلا لیجئے، انہوں نے تو ہمارا ناطقہ بند کر دیا، اس طرح سے عہد کی دفعہ ختم ہوگئی، بہر حال اطمینان کی سی فضا ہونے لگی۔

(الروض الانف ۴/۵۷-۵۸، زاد المعاد مکمل ۶۲۱، دلائل النبوۃ ۴/۱۰۷)

بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

چوں کہ قریش کے لوگوں سے جنگ بندی معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے پیغمبر علیہ السلام نے یہ حکمتِ عملی اپنائی کہ دنیا میں جو بڑے بڑے بادشاہ اور طاقتیں ہیں، ان کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔

چناں چہ سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے ملک حبشہ کے نجاشی بادشاہ کے نام ایک تحریر روانہ فرمائی، جس میں مذہب اسلام کی دعوت دی گئی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تحریر جب نجاشی کے پاس پہنچی تو اس نے بہت عزت، توقیر اور اکرام کا معاملہ کیا اور اس نے جواب لکھوایا جس میں اپنے اسلام قبول کرنے کا اور کلمہ شہادت کے اقرار کا ذکر کیا، اور ہدیے وتحائف دے کر لوگوں کو واپس کیا، پیغمبر علیہ السلام نے ان کے لئے تعریفی کلمات ارشاد فرمائے، اور جب ان کی وفات ہوئی تو پیغمبر علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ (دلائل النبوۃ ۴/۴۱۰، البدایہ والنہایہ ۴/۶۵۵، الرحیق المختوم ۵۴۹)

اسی طرح مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام بھی اسلام کی دعوت روانہ فرمائی اس سے بھی اکرام کا معاملہ کیا اور پیغمبر علیہ السلام کے لئے جواب میں دو باندیاں: (۱) حضرت ماریہ قبطیہؓ، جن کو آپ نے اپنے لئے رکھا، (۲) سیرین، جو حضرت حسان بن ثابت کو دی، اور ایک خچر ہدیہ میں بھیجا۔

(البدایہ والنہایہ ۴/۶۶۵)

اس زمانہ میں دو سپر طاقتیں تھیں: (۱) فارس (۲) روم۔ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہا کرتے تھے، اور اس زمانہ میں جو وہاں کا بادشاہ تھا وہ ''خسرو پرویز'' کے نام سے جانا جاتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نام خط لے کر روانہ کیا، جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، وہ اتنا بڑا متکبر اور گھمنڈی آدمی تھا کہ اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو دیکھ کر کہا کہ: ''اچھا ان کی یہ ہمت میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھ دیا''، (حضور نے لکھا تھا کہ محمد کی طرف سے خسرو پرویز کی طرف) اور غصہ میں فوراً چاک کر کے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کو جب یہ خبر ملی تو

آپ نے فرمایا کہ: ''جس طرح اس نے میرے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی حکومت کے بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کردے''۔ چناں چہ کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ اس کی حکومت کا ناس ہوگیا اور نام ونشان مٹ گیا اور ریت کے تودہ کی طرح سے گرتی چلی گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام کیا۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۲۶۲، بخاری شریف ۲/۶۳۷)

دوسری بڑی طاقت رومیوں کی تھی، اور رومیوں کا بادشاہ ''قیصر'' کہلاتا تھا، اس کا نام ''ہرقل'' تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر روانہ فرمایا، بخاری شریف کے اندر اس کا پورا واقعہ منقول ہے۔ جس میں یہ تھا کہ ہم اور تم اہل کتاب ہیں، اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں، تمہارے بھی پیغمبر ہیں اور ہمارے بھی پیغمبر ہیں، اور ہم دونوں میں ایک بات قدرے مشترک ہے کہ اللہ کو ہم بھی معبود مانتے ہیں اور تم بھی معبود مانتے ہو، اس لئے ہم دونوں آپس میں مل جائیں، قرآنِ کریم میں اس کا ذکر آیا ہے:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا.

(ال عمران: ٦٤)

آپ فرمایئے! اے اہلِ کتاب آؤ، اس متفقہ بات کی طرف، جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کو معبود نہ بنائیں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

یعنی جو چیز ہم دونوں کے درمیان مشترک ہیں اس پر اتفاق کرلو، بقیہ بات بیٹھ کر حل ہوجائے گی، اور آپ نے یہ بھی لکھا کہ مان جاؤ اگر نہیں مانو گے تو جو تمہارے تابع دار ہیں ان کی گمراہی کا گناہ بھی تمہارے ہی اوپر ہوگا۔ یہ ہرقل بیت المقدس آیا ہوا تھا، حضرت دحیہ کلبی وہاں پہنچے اور دربار میں وہ خط پیش کیا، یہ آدمی سمجھ دار تھے، انہوں نے کہا کہ جو خط آیا ہے اس کی اہمیت ہے؛ لیکن اس کے بارے میں تحقیق کرنی چاہئے۔

چناں چہ اس نے اپنے کارندوں سے کہا کہ اگر اس علاقہ میں مکہ کے کچھ لوگ آئے ہوئے ہوں تو انہیں میرے دربار میں حاضر کرو، تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر وہاں آئے ہوئے ہیں، چناں چہ ان کو بلایا گیا، ان کو آگے اور ساتھیوں کو پیچھے کھڑا کیا، چوں کہ

ترجمان کے ذریعہ بات ہورہی تھی تو بادشاہ نے کہا کہ اگر کوئی بات غلط کہیں تو تم بتلا دینا، چناں چہ ایک ایک بات معلوم کرتا ہے کہ کب یہ پیدا ہوئے اور دعویٰ کیا وہ کس خاندان کے ہیں؟ کہا کہ بہت اونچے خاندان کے ہیں۔ پھر معلوم کیا کہ کیا ان کے خاندان کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے جو یہ بادشاہت لینے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ کہا ایسی کوئی بات نہیں۔ کیا تمہارے اور ان کے درمیان جنگیں ہوئی ہیں، ان کا انجام کیا ہوا؟ کہا کہ کبھی ہم جیتے اور کبھی وہ جیتے۔ اسی طرح مختلف سوالات کیے، تمام سوالات کرنے کے بعد اس نے اخیر میں کہا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا، اگر یہ بات سچ ہے تو میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں کہ چند دن نہیں گذریں گے یہ جو میرے قدموں کے نیچے زمین ہے، یہ اس پیغمبر یا ان کے ماننے والوں کی ملکیت میں آ کر رہے گی، جب اس نے یہ بات کہی تو جو دنیا دار درباری بیٹھے ہوئے تھے ان میں انتشار ہو گیا؛ تو اس نے ان اہل مکہ کو فوراً باہر جانے کا حکم دے دیا، اور درباریوں سے کہا کہ میں تو تمہیں آزما رہا تھا ایسی کوئی بات نہیں ہے، بہر حال اس نے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ توہین والی بات نہیں کی، اور عزت کا معاملہ کیا۔ اسی لئے اس کی حکومت بہ نسبت کسریٰ کے زیادہ دنوں تک قائم رہی۔

(البدایہ والنہایہ ۴/۶۵۶-۶۶۱، دلائل النبوۃ ۴/۳۷۷، ۴/۳۹۴)

اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے قافلہ والوں کے دل میں اسی وقت یہ بات ڈال دی کہ پیغمبر علیہ السلام تو اب ہر حال میں غالب ہو کر رہیں گے۔ (بخاری شریف ۱/۴)

یہ حکمت عملی بہر حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑی کامیاب رہی کہ آپ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے پوری دنیا کی اہم ترین طاقتوں کے بادشاہوں کے نام خطوط بھیجے، اور اس کے ظاہری نتائج سامنے آتے رہے، اور پوری پوری قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں، جا بجا اسلام کا غلغلہ بلند ہونے لگا، یمن کے علاقہ میں دور دور تک اسلام پھیل گیا، پورے پورے قبیلے مسلمان ہو گئے، پہلے لوگ مدینہ آتے ہوئے ڈرتے تھے اب کوئی ڈر نہیں رہا؛ کیوں کہ ناجنگ معاہدہ ہو گیا، تو جو کام گذشتہ چھ سالوں میں نہیں ہوا تھا وہ ان دو سالوں میں ہوا؛ کیوں کہ لوگ اپنی

آنکھوں سے دیکھتے رہے، صحبتوں میں آکر فیض یاب ہوتے رہے، اور آپ کے اخلاقِ فاضلہ سے مستفیض ہوتے رہے، اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اسلام کے غلبہ اور کافروں کی تمام سازشوں کی ناکامی کا یہی سبب بن گیا۔ (الرحیق المختوم ۵۴۵)

وفد عبد القیس

روایات میں لکھا ہے کہ عبد القیس کے قبیلہ کے ایک صاحب منقذ بن حبان تھے، تجارت کی غرض سے مدینہ آتے تھے، وہاں سے سامان لاتے اور یہاں سے کھجوریں لے کر جاتے تھے، اور مدینہ منورہ میں اپنی پھڑ لگاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ وہاں سے گذر ہوا، اور انہوں نے دیکھ کر انہیں بلایا، حالاں کہ اس سے پہلے ان سے ملاقات بھی نہیں تھی، اور ان کے قبیلہ کے سرداروں کا نام لے کر ان کی خیریت معلوم کی، حالاں کہ نہ آپ کا اس قبیلہ سے تعلق تھا، نہ آپ وہاں گئے تھے اور نہ ہی وہ مدینہ آئے تھے، یہ بڑے حیران ہوئے، اللہ نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، حضور نے ان سے کہا کہ جب تم اپنے قبیلے جانے لگو، تو ہم سے مل کر جانا، اور منذر بن عائذ جوان کے سردار تھے، یہ ان کے داماد تھے، جب یہ جانے لگے، تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے منذر بن عائذ کے نام ایک دعوتی تحریر ان کو دی کہ یہ تحریر ان کو پہنچا دینا۔ یہ وہاں پہنچے تو چوں کہ نماز وغیرہ سیکھ کر گئے تھے، تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں قوم کے لوگ مجھے جھٹلا نہ دیں؛ لہٰذا وہ تحریر پیش نہیں کی؛ لیکن چھپ کر نماز پڑھتے رہے، دوسروں سے تو چھپا سکتے تھے؛ لیکن بیوی سے کیسے چھپاتے، ایک مرتبہ بیوی نے دیکھ لیا کہ خاص وقت میں کچھ پڑھتے ہیں، ان کو ڈر ہوا کہ جب سے یہ یثرب سے آئے ہیں، ان کو کچھ آسیب کا اثر ہو گیا ہے، ان کی بیوی نے دوسروں سے کہنے کے بجائے اپنے والد ہی سے کہا، وہ بڑے عقل مند اور دور اندیش آدمی تھے، انہوں نے بلایا اور معلوم کیا، تو انہوں نے سوچا کہ اب چھپانا مناسب معلوم نہیں ہوتا، چناں چہ انہوں نے پوری صورتِ حال بتادی کہ میں مدینہ گیا اور پیغمبر علیہ السلام نے میرے ساتھ یہ معاملہ فرمایا، میں نے اسلام قبول کرلیا اور آپ کے نام یہ خط ہے، حضور کا یہ خط پڑھتے ہی ان کے دل میں اسلام اتر گیا، پھر اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا کہ میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے کہا کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں، کہا کہ میں تمہارا برا سوچ سکتا ہوں؟ جواب دیا کہ نہیں سوچ سکتے، کہا کہ میرے اندر تم نے کوئی بدخواہی دیکھی ہے، جواب دیا کہ بالکل نہیں دیکھی۔

پھر فرمایا کہ سنو! میرے پاس یہ پیغام آیا ہے بتاؤ اس کو قبول کرتے ہو یا نہیں؟ اکثر لوگوں نے تو وہیں قبول کرلیا اور جو رہ گئے تھے وہ بھی مان گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے پورے قبیلہ کو اسلام میں داخل کیا، انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اتنی دور جانا مشکل ہے، تو چودہ یا پندرہ آدمیوں کا ایک وفد تیار کیا؛ تاکہ یہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں جائے، اور ان سے اسلامی احکامات سیکھ کر آئیں، تو منذر بن عائذ کی سرکردگی میں پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں باقاعدہ ایک وفد آیا، اور حضور نے ان کی تعریف فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر دو ایسی صفت رکھی ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں: (۱) تمہارے اندر حلم اور بردباری ہے، (۲) جلد بازی نہیں ہے۔ تم لوگ سمجھ بوجھ اور عقل والے آدمی ہو۔ (زادالمعاد مکمل ۴۷۷، الروض الانف ۳۵۳/۴، الرحیق المختوم ۶۹۰)

بہر حال اس طریقہ سے اسلام قبیلوں، علاقوں اور ملکوں میں پھیلتا رہا، اور اس کا اثر غالب ہوتا رہا، اس کی وجہ یہی بنی کہ حضور پاک علیہ السلام نے مکہ کے لوگوں سے ناجنگ معاہدہ کر رکھا تھا، وہاں کے لوگ بھی آتے تھے، اور یہاں کے بھی وہاں جاتے تھے، کسی کو عمرہ کرنا ہو تو وہ بھی اپنے انداز سے چلا جاتا، کوئی رکاوٹ نہیں تھی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا ہے۔

غزوۂ خیبر

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پتہ تھا کہ جب تک مکہ سے وہ سازشی ذہن کے لوگ ختم نہیں ہوں گے کہ جنھوں نے پرانی جنگوں کی آگوں کو بھڑکانے میں اپنا غلط کردار ادا کیا ہے، یعنی یہود، اس وقت تک اس علاقہ میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ یہود کی پوری سازش پہلے تو مدینہ کے ارد گرد جو قبائل تھے ان میں رچی جاتی تھی؛ لیکن جب یہاں سے ان کا زور ٹوٹا، تو مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً ۸۰-۹۰ رکلومیٹر پر خیبر کے علاقہ کو انہوں نے اپنا مرکز بنالیا، یہ وہاں سے مکہ کے لوگوں کو بھی ابھارتے تھے، اور مدینہ کے منافقین سے بھی ان کے روابط تھے، اور ان کا پورا پلان یہ تھا

کہ اس مصالحت اور عہد کو ختم کیا جائے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے محرم ۷؍ہجری میں ۱۴۰۰؍صحابہ پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا، اور خیبر پہنچ کر اچانک محاصرہ کرلیا، یہودی قلعہ بند ہوگئے؛ لیکن جلد ہی اکثر قلعے فتح کر لئے گئے، ایک قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا، اس پر حملہ کے بارے میں آپ نے اعلان فرمایا کہ صبح کو جھنڈا اس کو دیا جائے گا، جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں، تو صحابہ کے دلوں میں گدگدی ہونے لگی کہ اتنا بڑا منصب اور سعادت کسے ملنے جارہی ہے کہ جس کی طرف سے حضور ضمانت لے رہے ہیں کہ اللہ اور رسول اس سے محبت رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے زندگی میں کبھی کسی منصب کی خواہش نہیں ہوئی، سوائے اس دن کے کہ جس دن آپ نے فرمایا کہ ایسے کو منصب اور سپہ سالاری دی جائے گی کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہے، چناں چہ جب صبح کو صحابہ حاضر ہوئے، تو گردنیں اٹھ رہی تھیں کہ کس کا نام آئے؟ دیکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجمع میں موجود نہیں ہے، حضور نے فرمایا کہ علی کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت ان کی آنکھ دکھ رہی ہے، حضور نے فرمایا کہ بلاؤ! لائے گئے، تو آنکھوں پر بہت اثر تھا، حضور نے اپنا لعابِ دہن ان کے آنکھوں میں ڈالا، فوراً آنکھ کی بیماری ختم ہوگئی۔ تو آپ نے جھنڈا فاتحِ خیبر، شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے کیا، اور نہایت شجاعت اور بہادری کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جوہر دکھلائے، اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، اور بڑی مقدار میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اور جو خبیث اور شرانگیز قبیلے تھے، انہیں دور علاقوں میں بھیج دیا گیا؛ تاکہ یہ جو سازش کا مرکز ہے بالکل ختم ہوجائے۔ (البدایہ والنہایہ ۴؍۵۷۴-۵۷۵)

عمرۃ القضاء

چوں کہ ذی قعدہ ۶؍ہجری میں آپ نے عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا، اور عمرہ نہ ہوسکا تھا؛ اس لئے آپ نے اگلے سال ۷؍ہجری کے ذی قعدہ کے مہینہ میں ''عمرۃ القضاء'' کے لئے مکہ معظّمہ کا سفر فرمایا، اور وہی حضرات جو پچھلی مرتبہ نکلے تھے، وہ سب آپ کے ساتھ مکہ گئے اور عمرہ سے فارغ ہوئے، تین دن وہاں قیام فرمایا، پھر مکہ والوں نے کہہ دیا کہ اب آپ لوگ واپس تشریف لے جائیں، چناں چہ واپس آگئے۔ (بخاری شریف ۲؍۶۱۰، البدایہ والنہایہ ۴؍۶۲۰)

غزوۂ موتہ

سن ۸ ھ میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بُصریٰ کے حاکم شرحبیل غسانی کے نام ایک تحریر لے کر بھیجا، اس نے یہ حرکت کی کہ پیغمبر کا جو خط لے کر صحابی حارث بن عمیرؓ گئے تھے ان کو قتل کر دیا، حالاں کہ تمام قوموں میں سفیروں کو قتل کرنا بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے، تو پیغمبر علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہوا، اور آپ نے ان سے بدلہ لینے کے لئے ۳۰۰۰/ ہزار کے قریب صحابہ کا ایک لشکر ترتیب دیا۔

آپ نے فرمایا کہ سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رہیں گے، اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھائیں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، پھر فرمایا کہ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو جس کو چاہو اپنا امیر بنالینا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے صحابہ نے سمجھ لیا کہ ان تینوں کا شہید ہونا تو یقینی ہے، چناں چہ یہ لشکر روانہ ہوا، جب قریب پہنچے، تو ایک عجیب وغریب صورتِ حال سامنے آئی، وہ یہ کہ اس شرحبیل نامی سردار نے علاقہ کی ایک لاکھ فوج مقابلہ کے لئے بھیجی، اور اس کی مدد کے لئے ''ہرقل'' نے مزید ایک لاکھ فوج بھیجی تھی، گویا کہ اس تین ہزار کی فوج کو دو لاکھ فوج سے مقابلہ کرنا ہے، جو بڑا اہم مسئلہ تھا۔

چناں چہ مشورہ ہوا کہ کیا کرنا چاہئے؟ حضور کو خبر دی جائے، واپس چلے جائیں یا آگے بڑھیں؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شاعر اور جذباتی آدمی تھے، یہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ دیر کس بات کی ہے؟ مسلمان تو ہر حال میں جیتا ہوا ہے، اگر شہید ہو جائیں تو شہادت سے بڑھ کر کیا سعادت ہے؟ اور اگر کامیاب ہو گئے تو کامیابی ہے ہی، پیچھے ہٹنے کا کیا سوال ہے؟ تو لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور یہ تین ہزار کا لشکر دو لاکھ کی فوج سے جا ٹکرایا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا، ایک ہاتھ کٹ گیا، تو بائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑا، بایاں ہاتھ کٹ گیا، تو دونوں مونڈھے ملا کر جھنڈا پکڑا، تو ایک ملعون کافر نے ایسی تلوار ماری کہ بدن کے دو ٹکڑے ہو گئے، تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے جھنڈا اٹھایا، اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہوئے، تو حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا اٹھایا، اور ایسی بہادری سے لڑے، فرماتے ہیں کہ ۹؍تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹی ہیں، اور تدبیر یہ اختیار کی کہ یہ تین ہزار کا لشکر پیچھے ہٹ گیا اور دشمن آگے بڑھا تو گھیر لیا اور جتنا نقصان پہنچانا تھا پہنچایا، اور اپنے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے، اور بقیہ سب کو بحفاظت بچا کر مدینہ لے آئے۔ (البدایہ والنہایہ ۶۳۲/۴، زاد المعاد مکمل ۶۶۴)

آپ اندازہ لگایئے کہ اتنی بڑی فوج سے جنگ ہوا اور کئی دن جاری رہے اور کل بارہ آدمی شہید ہوئے، ان کے کتنے مارے گئے؟ اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ ۹؍تلواریں انہوں نے توڑ ڈالیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت ہے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کو ان تینوں صحابہ کی شہادت کا بڑا صدمہ تھا۔

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے جو جوہر دکھلائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں اڑنے کے لئے دو بازوؤں کا انتظام فرمایا کہ کہیں بھی اڑ کر جاؤ اور کھاؤ پیو، اسی وجہ سے ان کا نام ''ذوالجناحین'' (دو پر والا) یا ''طیار'' (اڑنے والا) رکھا گیا، یہ پیغمبر علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی، تو یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۸؍ہجری میں پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ ۶۳۸/۴)

فتح مکہ

اس کے بعد رمضان المبارک سن ۸؍ہجری اسلامی تاریخ کا ایک نہایت روشن موڑ ہے، جو صلح انہوں نے دس سال کے لئے کی تھی اور یہ طے ہو چکا تھا کہ جو قبیلہ جس کا ساتھ دینا چاہے دے، بنو خزاعہ نے پیغمبر علیہ السلام سے اور بنو بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں پرانی رنجش چلی آرہی تھی، تو بنو بکر نے یہ سوچ کر کہ صلح کا زمانہ چل رہا ہے، موقع غنیمت ہے؛ اس لئے خزاعہ سے بدلہ لینا چاہئے، چناں چہ خزاعہ کے لوگ ''وطیر'' نام کے ایک چشمہ پر ٹھہرے ہوئے تھے، بنو بکر نے اچانک وہاں پر حملہ کر دیا، اور خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو مار ڈالا، اور قریش کے لوگوں نے اندر خانہ ہتھیار وغیرہ سپلائی کر کے ان کا ساتھ دیا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو

بنوخزاعہ کے چندلوگ مدینہ منورہ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے ساتھ ایسا ظلم ہوا، اور انہوں نے ناجنگ معاہدہ توڑ ڈالا۔ اپنے دشمن کے ساتھ دشمنی تھی لیکن اب اپنے دوست کے ساتھ ہی دشمنی ہوگئی، جب یہ بات طے ہوگئی کہ ہم آپس میں جنگ نہیں کریں گے، تو تم نے بنوبکر کا ساتھ کیوں دیا؟

تو پیغمبر علیہ السلام نے ارادہ فرمالیا کہ اب ان کے ساتھ آخری دودو ہاتھ کرنے کا وقت آ گیا ہے، اور آپ نے تیاری کا حکم دے دیا، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے اس ارادہ کی خبر کسی بھی طرح مکہ والوں کو نہ ہونے پائے، تا آں کہ ہم بالکل قریب پہنچ جائیں۔ اُدھر خاندانِ قریش کو احساس ہوا کہ ہم سے بدعہدی ہوئی ہے، تو ابوسفیان خود مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ آئے، ان کی صاحب زادی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیغمبر علیہ السلام کے نکاح میں آ چکی تھیں، اپنی بیٹی سے ملنے گئے تو بیٹی کی قوتِ ایمانی دیکھئے کہ پیغمبر علیہ السلام کا بستر بچھا ہوا تھا، باپ کو دیکھتے ہی بستر لپیٹ دیا، پوچھا یہ کیا حرکت کی؟ باپ کا اعزاز ہونا چاہئے؛ لیکن آپ نے دیکھتے ہی بستر لپیٹ دیا؟ فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے، تم ناپاک ہو اس پر بیٹھ نہیں سکتے۔ اگر چہ باپ تھے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کی عزت وعظمت پر حرف نہیں آنا چاہئے، ابوسفیان کو بہت برا لگا اور کہا کہ یہاں آ کر تمہارے اخلاق بگڑ گئے۔ (زادالمعاد مکمل ۶۷۰-۶۷۱، البدایہ والنہایہ ۴/۶۷۲، الرحیق المختوم ۶۱۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے کہ ہماری سفارش کردیجئے کہ ہمیں معاف کردیں اور معاہدہ پکا رکھیں، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ میرے بس کی بات نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ پھر سفارش کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، حضرت عمر نے فرمایا کہ اچھا سفارش کی بات کرتے ہو، ہم تو خود ہی چاہتے ہیں کہ لڑائی ہو، اور میں تو لڑنے ہی کا مشورہ دوں گا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے انہوں نے بھی معذرت کردی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر حضرت حسن کا حوالہ دیا، انہوں نے بھی معذرت کردی۔ حضرت علی نے فرمایا کہ تم خود ہی سردار ہو یہ کرو کہ مسجد میں جا کر اعلان کردو کہ میں امان لینا چاہتا ہوں، مجھے امان ہے۔ تو کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، اور خائب وخاسر مایوس ہوکر واپس چلے آئے، مکہ کے لوگوں نے معلوم کیا کہ کیا

کر کے آئے ہو؟ تو پوری رپورٹ سنائی، لوگوں نے کہا کہ جب تم نے مسجد میں جا کر امان کا اعلان کیا تھا تو کسی نے جواب بھی دیا یا نہیں؟ تو منع کر دیا، انہوں نے کہا کہ علی نے تمہارے ساتھ کھلواڑ اور مذاق کیا ہے، اس اعلان سے کیا ہوگا؟ (زادالمعاد مکمل ۲/۶۷، البدایہ والنہایہ ۴/۵۷۶، الرحیق المختوم ۶۱۸)

ادھر مدینہ منورہ میں پیغمبر علیہ السلام نے مکہ کی جانب کوچ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ ایک صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بیوی بچے مکہ معظّمہ میں تھے، انہوں نے سوچا کہ ہمارے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو قریش پر احسان کر دوں، انہوں نے ایک خط لکھ کر مکہ جانے والی ایک عورت کے حوالہ کیا کہ تم اس کو اپنی بالوں میں چھپا کر مکہ کے لوگوں تک پہنچا دو کہ حضور نے مکہ پر چڑھائی کی پوری تیاری کر لی ہے، اس بارے میں کسی کو علم نہ ہوا؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کئی لوگوں کی ایک ٹکڑی بنائی اور فرمایا کہ بہت تیزی کے ساتھ جاؤ، اور ''روضۂ خاخ'' میں تمہیں ایک عورت ملے گی، اس سے وہ پرچہ واپس لے کر آنا ہے، چناں چہ یہ لوگ پہنچے اور اس سے پرچہ کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی پرچہ نہیں ہے، ان حضرات نے کہا کہ نکال دو ورنہ ابھی تمہاری تلاشی لی جائے گی، جب اس نے دیکھ لیا کہ اب کوئی چارہ نہیں ہے، تو اس نے بالوں میں سے وہ پرچہ نکال دیا، جب یہ حضور کے پاس پہنچے تو صحابہ کے اندر بڑا اشتعال ہوا کہ انہوں نے حضور کا راز فاش کر دیا، تو حضور نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلوایا تو انہوں نے پوری صورتِ حال بتلائی، تو حضور نے فرمایا کہ یہ بدری صحابہ میں سے ہیں؛ اس لئے ان کے اوپر کوئی الزام نہیں، انہوں نے جو کہا سچ کہا۔ (زادالمعاد مکمل ۲/۶۷-۳۷۶، البدایہ والنہایہ ۴/۶۷۸، بخاری شریف ۲/۶۱۲، ابوداؤد شریف ۲/۳۵۸، الرحیق المختوم ۶۲۱)

پھر آپ ایک لشکر جرار لے کر مکہ معظّمہ روانہ ہوئے، جس میں چھ یا سات ہزار افراد تھے، اور بیچ میں اور قبائل آ کر ملتے رہے۔ جب مکہ معظّمہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تب کافروں کو پتہ لگا کہ حضور یہاں آ چکے ہیں؛ لیکن پھر بھی انہیں صحیح اندازہ نہیں تھا، چناں چہ ابوسفیان اور چند سردار تحقیق کرنے کے لئے رات میں نکلے تو دیکھا کہ پوری وادی خیموں سے بھری پڑی ہے اور آگ جل رہی ہے، ساتھیوں سے معلوم کیا کون ہے، اچانک اتنے لوگ کہاں سے آ گئے؟

اسی درمیان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ چاہتے تھے کہ مکہ معظّمہ کے سرداروں کو اسلام کا شرف اور سعادت نصیب ہو تو وہ لشکر سے ہٹ کر نکل کر آئے، اور پہچان لیا کہ ابوسفیان ہیں، پوچھا کون ہے؟ کہا کہ ابوسفیان؟ ابوسفیان نے کہا کہ تم کون؟ تو جواب دیا کہ میں ابوالفضل ہوں؟ ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس نے فرمایا کہ یہ پیغمبر علیہ السلام کا لشکر ہے، بس پھر تو آنکھیں پھٹی رہ گئیں، کہا کہ اب کیا کریں؟ حضرت عباس نے کہا کہ تم میری سواری پر بیٹھ جاؤ، اور میں تمہیں حضور کی خدمت میں لے کر چلتا ہوں، تم حضور سے امان لے لو، اسی میں خیر ہے؛ چناں چہ اپنے پیچھے بٹھالیا، چلتے رہے، جہاں آگ آتی اور لوگ بیٹھے ہوئے ملتے تو وہ سمجھتے کہ یہ تو حضرت عباس ہیں، پیچھے کوئی نہ دیکھتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے جھانک کر دیکھا کہ پیچھے کس کو بٹھا رکھا ہے؟ اچھا ابوسفیان ہے، ان کو پکڑ کر مارو؛ لیکن حضرت عباس جلدی سے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ (زادالمعاد مکمل ۴/۶۷، البدایہ والنہایہ ۴/۶۸۳-۶۸۴، الرحیق المختوم ۶۲۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو اسلام کی دعوت پیش کی؛ چناں چہ انہوں نے منظور کیا اور اسی وقت دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت عباس سے فرمایا کہ جب صبح کو قافلے روانہ ہوں تو ان کو ایسی جگہ بٹھانا جہاں سے قافلے گذرتے ہوئے نظر آئیں؛ تاکہ ان کو اسلام کی شان وشوکت کے بارے میں علم ہوجائے، چناں چہ انہوں نے حکم کے مطابق ایسی ہی جگہ بٹھایا تو ابوسفیان حیرت سے دیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ نے چند دنوں میں کیسی قوت نصیب فرمائی۔ ایک انصار کا قافلہ گذرا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی قیادت کر رہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ابوسفیان ہے، تو ان کی زبان سے نکلا: **الیوم یوم الملحمة** (آج تو گوشت کاٹنے کا دن ہے) تو حضرت ابوسفیان نے پیغمبر علیہ السلام سے شکایت کی کہ ان کو تو بڑا جوش آرہا ہے، یہ تو مکہ کے لوگوں کا قیمہ بنادیں گے۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جاؤ ان سے کہو کہ آج یہ اعلان نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ اعلان کرو کہ:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ

اَلْيَوْمُ تُكْسَ الْكَعْبَةُ

ترجمہ: آج تو رحمت کا دن ہے، آج کعبہ کو عزت عطا ہوگی۔

آج کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا، اور ان کو ہٹا کر ان کے بیٹے کے ہاتھ میں جھنڈا دے دیا، اور پیغمبر علیہ السلام جس وقت تشریف لے جارہے تھے، تو حضرت عباس نے سفارش کی کہ ان کے لئے کچھ ایسا اعلان کردیجئے جو ان کے لئے عزت کا باعث ہو، تو آپ نے اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کو امن ہے، ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس اتنا بڑا گھر کہاں ہے جو سب آجائیں، آپ نے فرمایا کہ جو مسجد حرام میں آجائے اس کو بھی امن ہے، ابوسفیان نے پھر کہا کہ اس میں بھی سب کیسے آپائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے گھر میں بیٹھ کر اندر سے دروازہ بند کرلے وہ بھی امن میں ہے، اس کے ساتھ بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ پھر پیغمبر علیہ السلام نے ہر چہار جانب سے کئی ٹکڑیاں بنائیں، اور اعلان فرمایا کہ جو درمیان میں حائل ہو اس کا بالکل صفایا کردو، آج کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی، جو درمیان میں حائل ہوگا، غنڈہ گردی اور دہشت گردی مچائے گا اس کو آج بخشا نہیں جائے گا؛ لیکن جو اطمینان اور امن کے ساتھ رہے اس کو امن ہے۔ پھر جب پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ایسا تھا کہ سر جھکا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا زبان پر تھی۔ (زاد المعاد مکمل ص۶۷۴-۶۷۵، البدایہ والنہایہ ۴/۶۸۴-۶۸۶، الرحیق المختوم ۶۲۷-۶۲۸)

مکہ معظّمہ میں فاتحانہ داخلہ

ایک وقت وہ تھا جب آپ لوگوں سے چھپ کر یہاں سے نکلے تھے، اور یہاں کے لوگ آپ کے جانی دشمن تھے اور آپ کو قتل کرنے کا پلان بنائے ہوئے تھے، اور ایک آج کا وقت ہے کہ شہنشاہ کونین سرکار دوعالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پوری شان وشوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ اللہ کے گھر میں داخل ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسی فتح ونصرت فرمائی، اور جس فتح مبین کا وعدہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے وہ فتح مبین پوری عزت واکرام کے ساتھ پوری فرمائی۔ اور ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْنًا﴾ کے ساتھ ایک اور بھی مژدہ سنایا گیا تھا کہ: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، قرآن میں یہ اعلان کیا گیا۔ حالاں کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ نہیں ہوسکتا، پھر اللہ تعالیٰ اعلان فرمارہے ہیں کہ اگلے پچھلے سب معاف ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۴/۶۸۴-۶۸۶، بخاری شریف ۲/۶۱۴)

شفاعتِ کبریٰ

کچھ لوگوں نے تو یہ فرمایا کہ اس سے مراد امت کے گناہ ہیں؛ لیکن بات یہ نہیں ہے؛ بلکہ اس فتح مکہ اور آیت کا تعلق شفاعت کبریٰ سے ہے، میدانِ محشر اور قیامت سے ہے کہ جب تمام عالم کے لوگ انسان اور جنات ایک میدان میں جمع ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب اور جاہ وجلال کا وہ حال ہوگا کہ کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی، اور حساب وکتاب میں دیر ہورہی ہوگی، لوگ تمنا کریں گے کہ اللہ کے دربار میں کوئی سفارشی ہو اور حساب وکتاب شروع ہو، جہاں پہنچنا ہے پہنچیں، وفد بنایا جائے گا۔ لوگ سیدنا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے کہ میرے بس کی بات نہیں ہے، جنت کے اندر میں نے وہ پیڑ کھالیا تھا جس سے روکا گیا تھا، فائل کھل گئی تو جواب دینا بھاری ہوگا، اللہ تعالیٰ کو آج ایسا جلال ہے کہ کبھی نہیں آیا؛ لیکن تم لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ بھی کہیں گے کہ نہیں، ہم نے اپنے کافر بیٹے کی سفارش کی تھی، ایسا نہ ہو کہ آج وہ فائل کھل جائے اور اللہ تعالیٰ سوال کرلیں کہ کافر کی تم نے سفارش کیوں کی، تو کیا ہوگا؟ لیکن تم لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جاؤ، وہ بھی ہاتھ ہلادیں گے کہ میں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا تھا کہ یہ میری بہن ہے، میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا جب کہ وہ میلے میں لے جارہے تھے کہ میں بیمار ہوں، اگر آج پھر وہ بات کھل گئی تو کیا ہوگا؟ تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ مجھ سے قبطی کا قتل ہوگیا تھا، اگر اللہ نے سوال کرلیا تو کیا ہوگا؟ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ کہیں گے کہ لوگوں نے مجھے معبود بنالیا، آج وہ بات کھل گئی تو کیا ہوگا، جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین فرمائیں گے: أنا لها – أنا لها۔

میں اس کام کو انجام دوں گا؛ کیوں کہ آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن میں اعلان ہے:
﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ فتح مکہ کے ساتھ مقام لواء حمد بھی بیان کر دیا گیا، اس آیت کا جوڑ اس مقام سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ اس کے راستہ میں جو جتنا صبر کرے گا اس کو اتنی ہی شرافت بلندی اور عزت عطا فرمائیں گے۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۰-۱۱۱)

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے، بیت اللہ شریف میں حاضر ہوئے، احرام نہیں تھا؛ اس لئے آپ نے حجر اسود کا بوسہ لیا، سواری ہی پر طواف فرمایا؛ تاکہ لوگوں کو پتہ چلے اور اس کے بعد جس خاندان کے لوگوں کے پاس بیت اللہ شریف کی چابی رہتی تھی، وہ چابی منگوا کر بیت اللہ کا دروازہ کھول کر اندر جو ۳۶۰/ بت رکھے ہوئے تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے، اگر پیٹھ کی جانب اشارہ کرتے تو منہ کے بل گرتا اور چہرہ کی جانب اشارہ کرتے تو گدی کے بل گر پڑتا، وہ تمام بت وہاں سے صاف کرا کے اندر تشریف لے گئے، اس کی صفائی کی، اس کے اندر پرانے زمانہ سے ایک کبوتر بنا ہوا رکھا تھا، اس کو توڑ ڈالا، صفائی کرنے کے بعد جو صورتیں بنی ہوئی تھیں، انہیں مٹایا، پھر وہاں پر نماز وغیرہ پڑھیں، اس کے بعد باہر تشریف لائے۔ (زاد المعاد مکمل ۶۷۶، البدایہ والنہایہ ۴/۶۹۷)

ایک عظیم خطبہ

بعد ازاں جب آپ ﷺ مکہ معظّمہ میں فروکش ہوئے تو آپ ﷺ نے بیت اللہ شریف کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، اولاً آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمائی۔ پھر اعلان کیا کہ جاہلیت کی تمام رسمیں ختم کی جاتی ہیں اور پرانے تمام جانی و مالی تنازعات (جو مکہ میں عام تھے) آج سے فراموش کئے جاتے ہیں پھر آپ ﷺ قریش سے اس طرح مخاطب ہوئے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نُخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ. النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿يَا أَيُّهَا

اے خانوادۂ قریش! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے تمہارے جاہلیت کا غرور اور آباء و اجداد پر ایک دوسرے سے برتری کا سلسلہ مٹا دیا ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی

النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرآت : ۱۳، زاد المعاد مکمل ٦٧٧)

پیدائش مٹی سے ہوئی ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: جس کا ترجمہ یہ ہے: (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام) سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا؛ تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے خاندان قریش! تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا، سب حاضرین نے کہا کہ ''ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے آپ کریم ابن الکریم ہیں''، تو آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا:

اِذْهَبُوْا ! فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (الروض الانف ٤/١٧١) جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ. (یوسف: ۹۲) اب تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔

یہ ہے پیغمبر انسانیت حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ مبارکہ جس کی تاریخ پیش کرنے سے دنیائے انسانیت عاجز ہے، اسی عظیم انسانی برتاؤ کی تعلیم، اسلام اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔ (الرحیق المختوم ۶۳۳)

اتنے بڑے بڑے ظالم وجابر اور جانی دشمنوں کو پوری قوت حاصل ہونے کے بعد میں بخش دینا اور ان سے انتقام نہ لینا، یہ رحمت عالم ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے، اور کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ اسلام کی تاریخ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل ہے، اللہ تعالیٰ پوری امت اور انسانیت کو ان اخلاق کے اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں، ہم سب کو عافیت سے نوازیں، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی سنتوں پر عمل کرنا آسان فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین
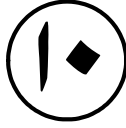
مقصدِ بعثت کی تکمیل
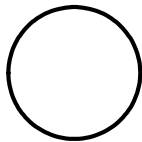
الحمد للّٰه نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بهٖ ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل لهٗ، ومن يضلل فلا هادي لهٗ، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك لهٗ، ونشهد أن سيدنا وحبيبنا وسندنا وشفيعنا وإمامنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تبارك وتعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا، أما بعد. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّاباً ○ [النصر: ۱-۳]

غزوۂ حنین

سن ۸ ہجری میں مکہ معظّمہ فتح ہو گیا، اس کے قریب میں کچھ قبائل ایسے تھے جو اپنے کو بہت طاقت ور سمجھتے تھے، ان میں ہوازن اور ثقیف کے لوگ مشہور تھے، جب ان کو پتہ چلا کہ مکہ معظّمہ فتح

ہو چکا ہے، تو انہوں نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کردیں، اور عجیب اتفاق یہ ہوا کہ ان کے سردار مالک بن عوف کے دل میں یہ بات آئی کہ اگر ہم صرف مردوں کو جنگ میں لے جائیں گے تو ان کا دل عورتوں اور اپنے مال ودولت میں اٹکا رہے گا، تو اس نے یہ حماقت کی کہ اپنے لشکر کے ساتھ تمام عورتوں کو بھی جنگ میں شریک کیا، اور مال ودولت ہزاروں اونٹ بکریوں اور سونے چاندی کے ساتھ نکل پڑے، اور اپنے دل میں یہ سوچا کہ اب لوگ ڈٹ کر لڑیں گے، ان میں ایک ماہر جنگ ''درید بن صمہ'' بھی تھا، جو بڑھاپے کے بالکل آخری اسٹیج پر تھا، اس نے بہت منع کیا کہ یہ تو غلط بات ہے، عقل مندی کی بات نہیں ہے؛ لیکن لوگوں نے خود اسی کو بے وقوف بنایا اور کہا کہ تمہاری عقل تو بوڑھی ہو چکی ہے۔ (الروض الانف ۴/۲۰۵، زاد المعاد مکمل ۷۰۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ۱۹/روز مکہ معظّمہ میں قیام فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۶۱۵) اور ۶/شوال کو ان لوگوں سے مقابلہ کے لئے تشریف لے چلے، ۱۲/سے ۱۴/ہزار افراد تک آپ کے ساتھ تھے اور بہت جوشیلے انداز میں تھے، تو کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ آج تو ہم ان کا قیمہ بنادیں گے؛ کیوں کہ جب ہم ۳۱۳ تھے، اس وقت ان کو سبق سکھلا دیا، نیز احد اور خندق کے موقع پر بھی ان کو شکست فاش دی تو آج ہمیں کون ہرا سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ جب اسلامی فورس ایسی جگہ سے گذر رہی تھی جو دو پہاڑیوں کے درمیان سے ہو کر گذرتی ہے تو قبیلہ ہوازن کے تیر اندازوں نے دونوں جانب چھپ کر تیروں کی بوچھار کردی جس سے فوج کے اگلے حصہ میں کھلبلی اور بھگدڑ مچ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھلایا کہ اپنی تعداد پر اترانا تمہیں زیب نہیں دیتا ہے، فوج کی تعداد پر نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر نظر ہونی چاہئے۔ (زاد المعاد مکمل ۷۰۶)

قرآن پاک میں اللہ نے اس کو ذکر فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ	اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سی جگہوں پر مدد کی ہے
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور حنین کے دن بھی مدد کی ہے، جب تمہاری
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ	کثرت تمہیں اچھی لگی، اس کثرت نے تمہیں

عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ. (التوبة: ٢٥)

کوئی فائدہ نہیں دیا، زمین تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تمہارے پیرا کھڑ گئے۔

اس خطرناک مرحلہ پر دنیا نے ایک عجیب منظر یہ دیکھا کہ جب تمام لوگوں کے پیروں تلے سے زمین نکل رہی تھی، تو سرکار کائنات فخر دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ثابت قدم تھے، اور آپ فرمارہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ. (بخاری شریف ٦١٧/٢)

میں ہی نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، اور میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پکارو: یا للانصار؟ (انصار کہاں ہے؟) تو جس انصاری صحابی کے کان میں یہ آواز پڑی، وہ وہیں سے واپس آ گیا، اور ایک بھیڑ سی جمع ہوگئی۔ پھر آپ نے آواز لگائی: يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ؟ (مہاجرو! کہاں جارہے ہو؟) یہ سنتے ہی وہ بھی سب پلٹ گئے اور پھر جو زبردست جنگ ہوئی ہے، چند ہی لمحوں میں مقابل دشمن میں بھگدڑ مچ گئی۔ (مسلم شریف ۱۰۰/۲) اور وہ اللہ کی نصرت اور مدد کی تاب نہیں لا سکا، اس جنگ میں دشمن کے ۶/ ہزار افراد قیدی بنا لئے گئے، ۲۴/ ہزار اونٹ مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے، ۴۰/ ہزار سے زیادہ بکریاں ہاتھ آئیں، کفار ۶/ کوئنٹل سے زیادہ چاندی اپنے ساتھ لائے تھے، وہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تمام مال فوراً تقسیم نہیں کیا؛ بلکہ کچھ دن انتظار فرمایا، بعدازاں آپ نے مقام جعرانہ (جہاں سے بڑا عمرہ کیا جاتا ہے) پر قیام فرمایا، اور مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع کیا، جو بڑے بڑے قریشی سردار نئے نئے اسلام لائے تھے، آپ نے ایک ایک کو سوسو اونٹ دے دئے، اور بہت سی چاندی دے دی؛ تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو جائے۔

جب آپ تقسیم فرمارہے تھے، تو انصار کے نوجوانوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی، ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ: ''جب خون کی ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے، اور جب مال تقسیم کرنے کا نمبر آیا، تو اپنے لوگوں کو تقسیم کر رہے ہیں''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ جملہ پہنچا تو آپ نے ان لوگوں کو جمع فرمایا اور تحقیق کی کہ: ''کیا کسی نے یہ کہا ہے''؟ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت! نوجوانوں کی زبان پر یہ بات آ گئی تھی؛ لیکن جو سوجھ بوجھ کے لوگ ہیں ان کے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''انصار کے لوگ گویا کہ میرے جسم کے اندر کا لگا ہوا کپڑا ہیں، اور دنیا کے لوگ باہر کے کپڑے ہیں''۔ اور آپ نے فرمایا کہ: ''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں قبیلہ انصار ہی کا ایک فرد ہوتا''۔ اور فرمایا کہ: ''اگر ساری دنیا کسی راستہ پر چلے اور انصار دوسرے راستہ پر چلیں، تو میں انصار والے راستہ پر چلوں گا''۔

اور اخیر میں یہ فرمایا کہ: ''اے انصار کے ذمہ دار لوگو! کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ساری دنیا تو بیل، بکریاں، اُونٹ اور سونا چاندی لے کر جائیں اور تم اپنے علاقہ میں رسول اللہ کو لے کر جاؤ''۔ یہ سنتے ہی تمام انصار صحابہ رو پڑے اور بے قرار ہو گئے، اور کہا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے، کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، آپ ہمارے لئے سب کچھ ہیں۔ (مستفاد: بخاری شریف وغیرہ ۶۲۰/۲)

پھر کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ بنو ہوازن اور ثقیف کے لوگ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ ہمارے مالِ غنیمت کو واپس کر دیا جائے، نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اپنا معاملہ نہیں ہے، میں نے بہت سے لوگوں میں مال تقسیم کر دیا، اب میں مشورہ کروں گا؛ بالآخر پیغمبر علیہ السلام کے کہنے پر یہ بات طے ہوئی کہ قیدی واپس کر دئے جائیں؛ مگر مال واپس نہیں کیا جائے گا۔ (ملخص: بخاری شریف ۶۱۸/۲) انہی قیدیوں میں نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی رضاعی بہن شیما بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی تھیں، پیغمبر علیہ السلام نے ان کا بہت اکرام فرمایا اور تحفے تحائف دے کر ان کی قوم میں واپس کیا۔

پھر اسی کے قریب اوطاس اور طائف کے غزوات بھی پیش آئے، یہ سن ۸ھ ہجری میں پیش آنے والے واقعات میں سے ہیں۔

غزوۂ تبوک

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد اسلام کی دھاک پورے عرب میں بیٹھ چکی تھی، اور اب کسی

قبیلہ میں سر اٹھانے کی تاب نہیں تھی؛ لیکن یہ خبریں مل رہی تھیں کہ عیسائیوں کی جو سپر طاقت ہے، ان کے دلوں میں بڑی کڑھن پیدا ہو رہی ہے۔

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام کو یہ خبر ملی کہ رومی بادشاہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے غسان کے علاقہ میں فوج جمع کر رہا ہے، یہ سن ۹ رہجری کا واقعہ ہے، سخت گرمی کا زمانہ تھا، مدینہ منورہ کی پوری تجارت کھجور اور اس کی فروختگی پر منحصر تھی، باغات پھلوں سے لدے پڑے تھے، کھجور پک گئی تھیں، پیغمبر علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ فلاں دشمن سے مقابلہ کی تیاری کرنی ہے، اور سب کو چلنا ہے۔ بڑا نازک آزمائش کا مرحلہ تھا، ایک طرف دنیا دوسری طرف دین۔ انصار کے لوگوں کے لئے تو بڑا مشکل تھا؛ کیوں کہ وہ باغات کے مالک تھے، بڑی فکر تھی کہ یہاں سے جانے کے بعد کون دیکھے گا؟ لیکن قربان جایئے ان کی قربانیوں پر کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کا اشارہ ہوتے ہی صحابہ نے نام لکھوانے شروع کر دئے، اور روایات میں آتا ہے کہ تیس ہزار سے زائد لوگوں نے اس غزوہ میں شرکت کے لئے نام لکھوائے، اور اس کے لئے زبردست چندہ ہوا۔ (الروض الانف ۴ر۲۹۱)

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳۰۰ راونٹ مع سازوسامان کے چندہ دیا، اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں چاندی کے سکے اتنے لاکر دئے کہ اٹھائے نہیں جارہے تھے، حضرت کے چہرہ پر بشاشت پھیل گئی، اور فرمایا کہ عثمان نے تو آج ایسا کام کیا ہے کہ اگر مرتے دم تک کچھ اور کام نہ کرے تب بھی بخشش کے لئے کافی ہے۔ (الروض الانف ۴ر۲۹۳، مکارم الاخلاق ۲۶۶)

الغرض جس کے پاس جو تھا وہ پیش کر رہا تھا، ایک بے چارے غریب صحابی نے دو چار مٹھی جو لاکر ڈھیر میں شامل کر دیا، جب انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، تو منافقین نے مذاق اڑایا اور کہا کہ اللہ کو اس کے صدقہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وغیرہ۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کی کیا قدر و قیمت ہے، اس کا اللہ کے سوا کسی کو کیا علم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی قرآنِ کریم میں مذمت اور چندہ دینے والوں کی فضیلت بیان فرمائی:

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ، سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (التوبة: ۷۹، تفسير ابن كثير مكمل ۶۲۲)

اپنی خوشی سے صدقہ دینے والے مؤمنوں کو جو لوگ طعنہ دیتے ہیں، جو اپنی مزدوری کے علاوہ کچھ نہیں پاتے ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کا مذاق اڑا رہا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے گھر والوں کی خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔ (بخاری شریف ۶۳۳/۲) اور بعض دیگر حضرات کو ذمہ دار بنایا، اور آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف لے چلے، مدینہ منورہ میں معذورین اور منافقین کے علاوہ کوئی نہیں بچا، جتنے بھی لوگ جاسکتے تھے وہ چلے گئے۔

ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ حبِ رسول

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں جاسکے تھے، ایک کام کر کے گھر واپس آئے، تو دیکھا کہ دونوں بیویوں نے اپنے اپنے کمرے سجا رکھے ہیں، چھڑکاؤ کر رکھا ہے، کھانا پکا رکھا ہے، خوشبو آرہی ہے، دل میں خیال آیا کہ ابوخیثمہ تو اپنی بیویوں کے ساتھ مگن ہو اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام دھول اور دھوپ میں تشریف لے جارہے ہوں، یہ انصاف کی بات نہیں ہے، بیویوں سے کہا کہ گھر میں نہیں آؤں گا، زادراہ تیار کرو، میں حضور کے پاس جارہا ہوں، چناں چہ فوراً اونٹنی منگائی اور چل دئے، اور جا کر پیغمبر علیہ السلام سے ملے، دور سے دھول اڑ رہی تھی، لوگوں نے کہا کہ کون آرہا ہے؟ حضور نے فرمایا: كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ۔ (کوئی نہ ہو یہ ابوخیثمہ معلوم ہوتے ہیں) آکر پورا قصہ سنایا، تو پیغمبر علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔ (مسلم شریف ۳۶۱/۲، زاد المعاد مکمل ۷۳۶-۷۳۷)

جہاں آپ تشریف لے گئے، یہ تقریباً ایک مہینہ کی مسافت تھی، آپ نے وہاں جا کر قبائل سے صلح و مصالحت کرلی، ان کو اپنے ماتحت کر کے جزیہ نافذ کر دیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان رومیوں پر

دھاک بیٹھ گئی اور مقابلہ کی نوبت نہیں آئی۔ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کامیابی کے ساتھ خیر وعافیت سے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

کعب ابن مالک اوران کے ساتھیوں کا واقعہ

بخاری شریف میں ایک واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا اور قرآنِ کریم میں بھی اس کا تذکرہ ہے، اس غزوہ میں سب چلے گئے، مگر تین صحابی ایسے تھے جو مخلص تھے؛ لیکن وہ جا نہیں پائے، مال ودولت بھی تھا، سواریاں بھی تھیں، اور نہ جانے کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں تھی۔(۱) حضرت کعب بن مالک (۲) مرارہ بن ربیع (۳) ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم۔ کوئی تو کھجوریں پکنے کی وجہ سے نہیں گیا، کسی کے یہاں پوتے پڑپوتے سب جمع تھے، ان کی وجہ سے نہیں گیا، وغیرہ۔

جب پیغمبر علیہ السلام واپس تشریف لائے تو آپ کا دستور مبارک یہ تھا کہ پہلے مسجد تشریف لے جاتے نماز پڑھتے پھر لوگ ملاقات کرتے اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ جب حضور کے آنے کی خبر ہوئی تو منافقین آ کر جھوٹے سچے اعذار بیان کرنے لگے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی؛ کیوں کہ ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہونا ہے۔

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بولنے کا بڑا سلیقہ عطا فرمایا تھا، اور شیطان بھی میرے دل میں وسوسہ ڈالتا رہا کہ ایسی باتیں بناؤ کہ بات بنی رہے؛ لیکن جب پیغمبر علیہ السلام تشریف لے آئے تو میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے مطمئن فرمایا کہ اگر تم کوئی غلط بات کہو گے تو اللہ تعالیٰ پیغمبر علیہ السلام کو بتلا دیں گے؛ اس لئے سچی بات کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے، چناں چہ حضرت کعب بن مالک نے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں تشریف لا کر سلام کیا، حضرت انہیں دیکھ کر اس طرح مسکرائے جیسے کوئی ناراض آدمی مسکراتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور اگر آپ کے سامنے کا معاملہ نہ ہوتا تو میں کچھ نہ کچھ بات بناتا؛ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں کوئی غلط بات کہوں گا تو اللہ تعالیٰ آپ کو باخبر کر دیں گے، میں ایک مجرم بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوں، آپ جو بھی سزا جاری کریں مجھے منظور ہے، میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا، اور یہ کہہ

کر واپس تشریف لے آئے، لوگوں نے کہا کہ کچھ بات کہہ دیتے بعد میں معافی مانگ لیتے، فرمایا کہ نہیں حضور سے ایسی بات کہنی مناسب نہیں ہے، مجھے تو سچی ہی بات کہنی ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس طرح کے معاملہ والا کوئی اور بھی ہے؟ جواب ملا کہ ہاں! مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں، تب کچھ سکون ہوا کہ کم از کم تین آدمی تو ہوئے۔

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں اعلان فرمادیا کہ ان تینوں آدمیوں سے کوئی بات چیت، سلام کلام نہ کرے، ان کا سوشل بائیکاٹ ہے، ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں، دوست واحباب اور ملنے جلنے والے بھی تھے؛ لیکن جیسے ہی پیغمبر علیہ السلام نے اعلان فرمایا تو سو فیصد اس بائیکاٹ پر عمل ہوا۔ کسی کو یہ حضرات سلام کریں، کوئی سلام کا جواب نہ دے، کسی سے جا کر بات کریں، تو وہ منہ پھیر لے، فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آدمی تو بوڑھے تھے، گھر میں بیٹھے روتے رہتے تھے، میں چوں کہ جوان تھا؛ اس لئے چلتا پھرتا بھی تھا اور نماز کے لئے مسجد میں بھی آتا تھا، مسجد میں جب میں نماز کی نیت باندھ لیتا تو پیغمبر علیہ السلام مجھے دیکھتے اور جب میں حضور کو دیکھتا تو آپ رخ پھیر لیتے، مجھے بڑی اذیت ہوتی تھی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ملک شام کے رہنے والے ایک آدمی پر نظر پڑی، جو کہہ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون ہے؟ کسی نے میری جانب اشارہ کر دیا تو اس نے میرے ہاتھ میں ایک پرچہ دیا۔ اس پرچہ میں غسان کے بادشاہ کی جانب سے میرے نام پیغام تھا: ''ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم سے رخ پھیر لیا ہے؛ لہٰذا تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہارا بڑا اعزاز واکرام کریں گے''۔ فرماتے ہیں کہ یہ پرچہ پڑھ کر تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور پھاڑ کر فوراً تنور میں ڈال دیا کہ یہاں تک بات آگئی کہ غیر مجھ سے امید رکھے، یہ مطلب نہیں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی غلامی میں چھوڑ دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ روتے روتے میرے آنسو خشک ہو چکے تھے، ایک دوست کو پکڑ کر کہا کہ تم جانتے نہیں ہو کہ میں مؤمن ہوں، پھر بھی تم بے رخی اختیار کر رہے ہو؟ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چالیس دن کے بعد پیغام پہنچا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاؤ،

چناں چہ بیویوں سے بھی الگ ہوگئے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی آئیں اور کہنے لگیں کہ حضرت میرے شوہر تو بالکل ہی بوڑھے آدمی ہیں اگر میں نہ رہوں تو انہیں کوئی کھانا دینے والا بھی نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ کھانا رکھ دیا کرو ساتھ مت کھایا کرو۔ ان تینوں حضرات پر ۵۰/دن اس طرح سے گذرے کہ زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پیغمبر علیہ السلام کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، پچاس ویں شب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان تینوں کی توبہ کا اعلان ہوا، اور قرآنِ پاک میں آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا، حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

(التوبة: ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ نے پیچھے رہ جانے والے آدمیوں کی توبہ قبول کرلی، یہاں تک کہ زمین ان پر باوجود وسعت کے تنگ ہوچکی تھی اور خود ان کے جی بھی تنگ ہوچکے تھے، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں، مگر اسی کے پاس پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا؛ تاکہ وہ رجوع ہوں، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہیں مہربان، رحم والے۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پورا نقشہ کھینچ دیا اور ان کی توبہ کا اعلان فرمایا، رات کو یہ آیتیں نازل ہوئیں، صبح کو نماز میں پیغمبر علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔

صحابہ کی جانب سے یا تو اب تک پوری طرح بائیکاٹ جاری تھا یا پھر ان کا دوسرا عمل دیکھئے، جیسے ہی توبہ کا اعلان ہوا، تو صحابہ میں دوڑ لگ گئی کہ ان کو پہلے جاکر کون خوش خبری سنائے؟ یہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے، مسجد نبوی سے دوڑ شروع ہوئی، کوئی سواری پر چلا، کوئی پیدل چلا، کوئی گھوڑے پر چلا، اور ایک صحابی نے تو پہاڑ پر چڑھ کر آواز لگائی: ابشر کعب بن مالك! (کعب بن مالک خوش خبری قبول کیجئے!) ان کی آواز سب سے پہلے میرے کان میں

پڑی۔اس اعلان کے بعد پھر وہی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی ابھر کر آ گئی،اور کعب بن مالک جب گھر سے چلے ہیں،تو راستہ میں ہر جگہ مبارک بادیاں مل رہی تھیں، چناں چہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں تشریف لائے۔

بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرہ کا مسرت اور خوشی کی وجہ سے رواں رواں چمک رہا تھا، گویا کہ چودھویں کا چاند تھا۔فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی اور میرے لئے یہ زندگی کا سب سے خوش نصیب دن ہے۔اب میں آپ سے دو باتیں عرض کرتا ہوں: ایک تو یہ کہ شکریہ میں میرا تمام مال اللہ کے راستے میں قربان ہے، دوسرے یہ کہ مجھے سچ نے نجات دی ہے؛ اس لئے میں اب زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر علیہ السلام سے یہ عہد کیا۔ (ملخص: بخاری شریف ۲/۶۳۴-۶۳۶، مسلم شریف ۲/۳۶۰-۳۶۱، زادالمعاد مکمل ۷۴۸-۷۵۰)

اس واقعہ میں پوری امت کے لئے نصیحت ہے کہ ایک ایسا اجتماعی کام جس میں تمام لوگ شریک ہوں،تو بلا عذر پیچھے نہیں رہنا چاہئے؛ کیوں کہ اجتماعی کام میں ہر ایک کی ضرورت ہے، اگر ہر آدمی پہلو تہی کرے گا تو کام صحیح نہیں ہو پائے گا۔اور دوسرے یہ کہ زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے، اَلصِّدْقُ یُنْجِيْ وَالْکِذْبُ یُھْلِكُ۔اگر یہ جھوٹ بولتے تو آخرت کے اعتبار سے برباد ہوتے،اور اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتے۔

اسی سال سن ۹ھ ہجری میں جب حج کا زمانہ آیا تو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر حج کے لئے روانہ فرمایا، اور فرمایا کہ اعلان کر دینا کہ آئندہ سال سے کوئی کافر اور مشرک حج بیت اللہ کے لئے نہ آئے، یہ اللہ کا گھر ہے، یہاں وہی آئے گا جو اللہ کو ایک مانتا ہوگا، اور اب اللہ کے گھر میں بت پرستی اور شرک کی قطعاً کوئی انجام دہی نہیں ہوگی۔ (الروض الانف ۴/۳۱۸، زادالمعاد مکمل ۷۶۸)

اس سال وفود آتے رہے اور قبائل کے قبائل اسلام میں داخل ہوتے رہے،لوگ اللہ تعالیٰ

کی فتح اور مدد کے نظارے دیکھتے رہے کہ کس تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے؟

حجۃ الوداع

بالآخر آخری سال یعنی ۱۰ھ ہجری میں نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام نے حج کرنے کا اعلان فرمایا، ذی قعدہ کی ۲۶ر تاریخ کو مدینہ منورہ سے آپ روانہ ہوئے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے حج کے ارادہ کا پورے علاقہ میں شور ہو چکا تھا؛ اس لئے لوگ جوق در جوق حضور کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مدینہ چلے آرہے تھے، جب آپ تشریف لے چلے تو ذوالحلیفہ (جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے) میں پہنچے، وہاں پر آپ نے احرام باندھ کر تلبیہ پڑھا، جس طرح سے نماز کے لئے تکبیر ہے اسی طرح سے حج کے لئے تلبیہ ہے۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہر چہار جانب تا حد نظر آدمی ہی آدمی نظر آرہا تھا، راستہ میں بھی قافلے در قافلے ملتے چلے گئے، مکہ معظّمہ پہنچے ساتھ میں ہدی کے جانور بھی تھے، آپ نے اعلان فرمایا کہ جو ہدی کا جانور نہیں لایا، وہ چاہے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے، جس کو حج تمتع کہا جاتا ہے، چناں چہ بہت سے صحابہ نے ایسا کیا۔ اور آپ نے وہاں جا کر بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا، حجر اسود کے بوسہ سے شروع کیا اور اسی پر ختم فرمایا، اور صحابہ سے فرماتے رہے کہ میرا ہر عمل نوٹ کر لو؛ اس لئے کہ میں آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں کچھ معلوم نہیں، دیکھو اس طرح سے مناسک حج ادا کرنے ہیں،

خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ. (البحر العميق ١٩٧٢/٤)   مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو۔

طواف کرنے کے بعد بیت اللہ شریف سے کچھ فاصلہ پر جہاں آپ کا قیام تھا وہاں تشریف لے آئے، پھر وہیں سے ۸ر تاریخ کو آپ منیٰ تشریف لے گئے، آپ نے ۵ر نمازیں (ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں تاریخ کی فجر) وہاں ادا فرمائیں، پھر آپ عرفات کے لئے روانہ ہوئے، اور وہاں (جہاں اس وقت مسجد نمرہ ہے) پر آپ نے ایک خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھائیں، پھر آپ جبل رحمت کے دامن میں تشریف لائے اور ظہر تک وہاں پر دعا

وغیرہ میں مشغول رہے، اسی درمیان قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدۃ: ۳)

آج میں نے تمہارا دین تم پر مکمل کرلیا، اپنی نعمت تمہارے اوپر تام کردی، اور اسلام پر مذہب کے اعتبار سے میں تم سے راضی ہوگیا۔

یہود کہتے تھے کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو عید کا دین بنالیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کس وقت اور کہاں نازل ہوئی، جس وقت یہ آیت پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ تو خود ہی گویا کہ عید کا دن تھا، جمعہ کا دن اور عرفات کا میدان تھا اور عصر کے بعد کا وقت تھا، گویا کہ اب دین کی تکمیل ہوچکی، مغرب کا وقت ہونے کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہوئے، مجمع کثیر تھا، دھکا مکی ہورہی تھی؛ لیکن آپ لوگوں کو روک رہے تھے، اور لوگوں کو اطمینان وسکون کی تلقین کررہے تھے، آپ نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اللہ تعالیٰ اس عمل کے ذریعہ پیغمبر علیہ السلام کو یہ بتلانا چاہتے تھے کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا اس وجہ سے نہیں کہ وقت میں کوئی خصوصیت ہے؛ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارا حکم یہی ہے، جب ہمارا حکم بدلے گا تو نماز کا وقت بھی بدل جائے گا۔

حاجی کے علاوہ کوئی شخص اگر ظہر کے وقت میں عصر پڑھ لے تو قطعاً نماز نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی شرعی عذر کے بغیر مغرب کا وقت گذار کر عشاء کے وقت میں مغرب پڑھیں، تو گناہ ملے گا؛ لیکن وہاں ایسا ہی کرنا پڑے گا، جیسا ہمارے آقا ومولیٰ فخر دوعالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ کا ہر ہر عمل حجت بنا، پھر آپ نے مزدلفہ میں رات گزاری اور امت کے لئے دعائیں فرمائیں۔ آپ نے یہاں تک دعا فرمائی کہ الٰہی اگر میری امت میں سے کسی نے دوسرے پر ظلم کیا ہے، تو آپ مظلوم کو اپنی طرف سے بدلہ دے کر ظالم کو معاف کردیجئے۔ پھر آپ نے فجر کی نماز کو اول وقت میں ادا فرمایا، اور وقوفِ مزدلفہ فرمایا۔

اس کے بعد منیٰ تشریف لائے اور سب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی فرمائی، پھر آپ قربان گاہ

تشریف لے گئے اور قربانیاں کیں، پیغمبر علیہ السلام نے اپنی زندگی کے سالوں کے حساب سے ۶۳/ اونٹوں کی قربانی اپنے دست مبارک سے فرمائی، اور بقیہ ۳۷/ قربانیاں آپ کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیں۔

روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ قربانی کر رہے تھے، تو اونٹوں میں دوڑ لگ رہی تھی کہ کون سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ سے یہ سعادت حاصل کرے؟ اس کے بعد آپ مکہ معظّمہ تشریف لائے، اور طوافِ زیارت (فرض طواف) ادا فرمایا۔ حج میں صرف دو رکن ہیں: (۱) طوافِ زیارت (۲) وقوفِ عرفات۔ پھر آپ منیٰ تشریف لائے، یہاں تین راتیں، ایک پہلی رات اور دو راتیں طوافِ زیارت کے بعد گزارنا مسنون ہیں، ۱۱-۱۲/ تاریخ کو آپ نے زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی فرمائی۔ (تلخیص: مسلم شریف مع النووی ۱/۳۹۴-۳۹۹ وغیرہ)

اس وقت آپ نے امت کو موقع بموقع ہدایت فرمائی؛ اور کیوں کہ آپ کو تا قیامت پوری انسانیت کے لئے پیغامات دینے تھے، اس لئے آپ نے پوری ملت کے لئے اللہ کی وحدانیت اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں، غلام باندیوں کے حقوق کے بارے میں، آپس کے تعلقات کے بارے میں ہدایتیں فرمائیں۔

خطباتِ حجۃ الوداع

آپ نے ۱۰/ تاریخ کو خطبہ دیا کہ: ”بتاؤ آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا کہ کیا آج یوم النحر نہیں ہے؟ صحابہ نے فرمایا جی ہاں! پھر فرمایا کہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا کہ کیا ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا کہ جی ہاں! پھر فرمایا کہ یہ کونسا مقام ہے؟ کہا کہ اللہ اور رسول کو زیادہ معلوم ہے، کیا یہ حرم نہیں ہے؟ فرمایا کہ جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ جس طرح یہ دن، یہ مقام اور یہ مہینہ مقدس اور قابلِ احترام ہیں، اے لوگو! اسی طرح تمہارے آپس کے خون، آپس کی عزت اور آپس کا مال بھی ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خبردار! میرے بعد کفر کی طرف

مت لوٹ جانا، ایک دوسرے کے درپئے مت ہوجانا، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مت ہوجانا۔ (بخاری شریف ۶۳۲/۲) اسی درمیان آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ اچھی طرح سن لو!

يَآيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. (الترغيب والترهيب حديث: ٤٣٧١، حياة الصحابة ٤٠٨/٣)

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، تم سب کا باپ بھی ایک (آدم علیہ السلام) ہے، کسی عرب کے رہنے والے کو غیر عرب کے رہنے والے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، سرخ آدمی کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کالا گورے پر فضیلت رکھتا ہے؛ بلکہ تم میں سب سے باعزت وہی ہے جو تم میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

یعنی جو اعمالِ صالحہ، تقویٰ، ڈر اور پرہیز گاری والی زندگی گزارتا ہے، چاہے وہ کسی نسل اور علاقہ کا ہو، یا کسی خاندان کا ہو، اللہ کے یہاں وہی معزز ہے، اور جس کے اندر یہ بات نہیں ہے، تو محض خاندان سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مساوات کا اعلان فرمایا، مذہبِ اسلام میں یہ اونچ نیچ نہیں ہے کہ فلاں خاندان ہی کا امام بن سکتا ہے، دین کی وجہ سے عزت فلاں کو ملے گی، مذہب اسلام میں ایسی کوئی ضمانت اور ٹھیکے داری نہیں ہے، جو آدمی بھی عمل صالح، تقویٰ، ڈر اور پرہیز گاری اپنائے گا، اللہ کے یہاں وہی معزز ہوگا، اور وہ ہر طرح کی قیادت کرنے کا اہل ہوگا، اور تم میں سب سے زیادہ معزز وہ لوگ ہیں، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہیں۔ (الحجرات:۱۳)

شریعت میں کفو کی حیثیت

ہمارے علاقوں میں رشتہ داریوں کے اندر برابری دیکھی جاتی ہے، یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنی چاہئے کہ کفو اور برابری یہ صرف ایک انتظامی معاملہ ہے، عام طور پر ایک گھرانے کا جو

ماحول ہوتا ہے دوسرے گھرانے کی بچی وہاں نبھاؤ نہیں کر پاتی، اس لئے بطور انتظام کے شریعت نے یہ کہا کہ چوں کہ نکاح تا زندگی کا رشتہ اور عقد ہے؛ اس لئے اگر اس کا لحاظ رکھ لو، تو اچھی بات ہے؛ مگر یہ کوئی ضروری اور فرض نہیں ہے۔ (زادالمعاد مکمل ۱۱۱۷)

لیکن اگر اس سے اوپر اٹھ کر جوڑ اس کے علاوہ بھی مل جائے تو شرعاً ایسا نکاح کرنے میں کہیں سے کہیں تک بھی کوئی رکاوٹ نہیں اور ناجائز نہیں ہے، اصل مقصود یہ ہے کہ رشتہ داری پکی ہونی چاہئے، نکاح کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آج کرو کل توڑو، اسی لئے شریعت نے طلاق کو جائز تو رکھا ہے؛ لیکن حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ کی نظر میں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے''۔

حوضِ کوثر کا ذکر

اسی طرح آپ نے ایک اثر انگیز خطبہ دیا، فرمایا کہ کان کھول کر سن لو:

إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَإِنِّي — میں آخرت میں تمہارا حوض کوثر پر منتظر رہوں گا،

مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ. (سنن ابن ماجه: ٢١٩) — اور تمہارے ذریعہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، اور میرا حوض سب سے بڑا ہوگا، جس کی لمبائی چوڑائی سیکڑوں میلوں تک ہوگی، اور فرمایا کہ اس میں پینے کے لئے کٹورے اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے، جیسے آسمانوں پر جھلکتے ستارے کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، اور میں وہاں پر اپنی امت کو پانی پلاؤں گا۔ صحابہ نے ایک بہت اچھا سوال کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت میں تو بہت ساری امتیں جمع ہوں گی، وہاں یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ امتِ محمدیہ کا آدمی ہے؟ ہمارے حوض پر دوسرے لوگ یہ سوچ کر نہ آجائیں کہ یہ اچھا اور خوب صورت ہے؛ اس لئے یہاں لائن میں لگ جاؤ۔ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ بتاؤ! اگر کسی کے گھوڑے ایسے ہوں کہ ان کے ہاتھ پیر بالکل سفید ہوں اور وہ کالے گھوڑوں میں رل مل جائیں، تو دور سے پہچانے جائیں گے یا نہیں؟ صحابہ نے کہا کہ جی ہاں! پہچانے جائیں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں سے جو لوگ وضو

کریں گے اور جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا، وہ ایسے چمکیں گے جیسے کوئی لائٹ چمکتی ہے، اور اسے دیکھ کر میں پہچان لوں گا کہ یہ میری امت کا آدمی ہے۔ (مسلم شریف ۱/۱۲۶)

خبردار! مجھے رسوا مت کرنا

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح سن لو! میں حوض پر تمہارا منتظر رہوں گا، اور تمہارے ذریعہ سے لوگوں پر فخر کروں گا؛ لیکن تم اپنے نامۂ اعمال سیاہ کر کے مجھے وہاں رسوا مت کرنا۔ فَلَا تُسَوِّدُوْا وَجْهِيْ۔ (میرا چہرہ سیاہ مت کرنا) (سنن ابن ماجہ ۲۱۹) یہ ایسا جملہ ہے کہ آدمی کو پکڑ کر جھنجھوڑ دے۔ پیغمبر علیہ السلام صحابہ کے واسطہ سے ہم سے فرما رہے ہیں کہ حضور تو فخر کریں گے کہ یہ نمازی اور پرہیزگار ہے؛ لیکن اس میں اگر کوئی بدعمل نکل آیا، تو کہا جائے گا کہ یہ آپ کا امتی ہے؟ تو آپ پر کتنا اثر ہوگا؟

ذرا غور کریں

آج ہم اپنا ہاتھ دل پر رکھ کر سوچیں، ہم کتنے کام صبح سے شام تک ایسے کرتے ہیں جس سے ہمارے آقا ومولیٰ کو اذیت ہوتی ہے؟ نام لینے والے اور محبت کا زبانی اظہار کرنے والے تو بہت ہیں۔ چند رسومات کو محبت سمجھ کر نام لینے والے بہت ہیں؛ لیکن جن سنتوں کے صحیح اور سچ ہونے کا پوری طرح یقین ہے، ان کے بارے میں ہر آدمی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ ہم ان طریقوں پر چلنے والے ہیں کہ نہیں؟ ایک باپ اپنے بیٹے کی غلطی پر جس طرح کڑھتا ہے، جتنی کڑھن اس باپ کو اپنے بیٹے پر ہوتی ہے اس سے لاکھ درجہ کڑھن پیغمبر علیہ السلام کو اپنے ایک امتی کی غلط روی پر ہوتی ہے؛ اس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اپنے امتی سے اس سے ہزار اور لاکھ درجہ زیادہ تعلق ہے، جتنا ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوسکتا ہے۔

اہلِ بدعت کو حوض کوثر سے دھتکار دیا جائے گا

پھر آپ نے فرمایا کہ جب میں حوض پر رہوں گا، تو دور سے معلوم ہوگا کہ یہ میری امت کے

لوگ ہیں، مگر سیکورٹی والے فرشتے انہیں میرے حوض پر آنے نہیں دیں گے، تو میں دور سے پکاروں گا: أُصَيْحَابِيْ - أُصَيْحَابِيْ (یہ میرے لوگ ہیں- یہ میرے لوگ ہیں، راستہ چھوڑ دو) مگر سیکورٹی والے فرشتے حضور سے آکر عرض کریں گے کہ: ''یا رسول اللہ! آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد انہوں نے بہت گڑبڑ معاملہ کر رکھا تھا، بڑی بدعتیں ایجاد کر دی تھیں''۔ اس لئے یہ لوگ ابھی آپ کے دربار میں آنے کے قابل نہیں ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں کہوں گا: فَسُحْقًا - فَسُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ (یہاں سے دفع ہو، تم یہاں آنے کے لائق نہیں، تم نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا تھا) (مسلم شریف ۲۴۹/۲) پیغمبر علیہ السلام اس بات سے بڑی کڑھن میں ہیں کہ امت سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں کو اختیار کرے، کوئی بھی بدعت جو آپ علیہ السلام اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں ہے، اس کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ مردود ہے، جو نمونہ پیغمبر علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق ہے اللہ کے یہاں بس وہی منظور ہے۔

آپ میں سے بہت سے لوگ تاجر ہوں گے، آپ جانتے ہیں کہ آرڈر دینے والا نمونہ کے ساتھ آرڈر دیتا ہے کہ اتنا وزن، یہ پھول بوٹے، یہ سائز چاہئے۔ آپ کو بڑی ہمدردی آگئی اور آپ اس سے زیادہ وزن کا نمونہ بنا کر لے آئے، تو بتاؤ آرڈر دینے والا اسے قبول کرے گا یا رجیکٹ کر دے گا؟

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کی ذات کو نمونہ بنایا، فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱)	اللہ کے رسول میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

نماز ایسی چاہئے جو پیغمبر علیہ السلام کے نمونہ کے مطابق ہو، روزہ ایسا چاہئے جو پیغمبر کے نمونہ کے مطابق ہو، حج ایسا چاہئے جو پیغمبر کے نمونہ کے مطابق ہو، ہر عبادت ایسی چاہئے جو پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقۂ کار سے پوری طرح موافقت رکھتی ہو، تو اللہ کے یہاں قبول ہے۔

خلاصہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام نے جب یہ سب باتیں فرما دیں تو صحابہ سے فرمایا کہ:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟

سب نے بیک آواز کہا قسم ہے اللہ کی کہ آپ نے اللہ کی ہر امانت جوں کی توں پہنچا دی، تو آپ نے شہادت کی انگلی اٹھائی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ - اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. اے اللہ گواہ رہئے گا میں نے اپنی ذمہ داری ان پر پوری کر دی۔

(بخاری شریف ۶۳۲/۲)

پھر آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ امت کے لوگو سن لو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہے، تو تمہیں کوئی اپنی جگہ سے ہلا نہیں پائے گا: (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مستدرک حاکم ۱۷۱/۱، حیات الصحابہ ۴۰۲/۳) یعنی اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول اللہ سے لگے رہو، تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں گمراہ نہیں کر سکتی، پیغمبر علیہ السلام نے یہ سب اعلانات منیٰ اور عرفات میں متعدد موقعوں پر فرمائے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ تشریف لائے اور آخری طواف ''طوافِ وداع'' فرمایا، اور پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، یہ محرم الحرام سے تقریباً آٹھ یا دس دن پہلے کا وقت ہے۔ یہاں آ کر بھی پیغمبر علیہ السلام مختلف امور، مہمات اور دین کی تکمیل میں مصروف رہے۔

مرض الوفات

صفر کی ۲۹ر تاریخ کو پیغمبر علیہ السلام ایک جنازہ میں جنت البقیع تشریف لے گئے تھے، وہیں سے واپس آ کر آپ کو بخار کا اثر ظاہر ہوا، اور یہ بخار وقفہ وقفہ سے بڑھتا چلا گیا، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام برابر نماز پڑھاتے رہے؛ لیکن ضعف بہت زیادہ تھا، تا آں کہ ۸ر یا ۹ر ربیع الاول کو آپ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا، جس میں مختلف باتوں کی جانب اشارہ فرمایا، نماز کی پابندی کرنا، عورتوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا، غلام باندیوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا، اور ایک خاص بات یہ فرمائی کہ: ''دیکھو! اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں بنا دیں اور قبروں کو سجدہ کرنے لگے، میری قبر کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تمہیں اس سے خاص طور پر منع کر رہا ہوں''۔ (بخاری شریف ۶۳۹/۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب ہدایات امت کو دیں؛ تا آں کہ وفات سے ۴؍روز پہلے جمعرات کے دن آخری نماز مغرب کی ادا فرمائی، اور اس میں سورۂ مرسلات کی آیتیں پڑھیں۔

(بخاری شریف ۲؍۶۳۷)

پھر آپ کے بخار کی شدت اتنی ہوئی کہ عشاء کی نماز کے لئے تیاری ہوتی تھی، ٹب میں پانی لایا جاتا اور آپ وضو فرماتے اور چہرہ پر چھڑکتے؛ لیکن پھر غشی کی سی کیفیت ہوجاتی تھی، تین چار مرتبہ ایسے ہی ہوا، سبھی صحابہ مسجد میں نماز کے منتظر تھے، آپ نے فرمایا کہ نماز ہوچکی؟ کہا گیا کہ نہیں ابھی لوگ آپ کے منتظر ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے، اور آپ کی خواہش بھی یہی تھی کہ مرض کا زمانہ یہاں گزرے، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ:

مُرُوْا أَبَابَكْرٍ فَلِيُصَلِّ بِالنَّاسِ. ابوبکر صدیق سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔

(الروض الأنف ٤/٤٣٨، مسلم شريف ١/١٧٨)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میرے والد حضور کی زندگی میں حضور کی جگہ پر کھڑے ہوں، اور لوگ بھی اس کو اچھا نہیں سمجھیں گے، تو میں نے کہا کہ وہ کمزور دل کے آدمی ہیں، آپ کی جگہ کھڑے نہیں ہو پائیں گے؛ اس لئے آپ حضرت عمر کو کہہ دیجئے؛ لیکن حضورؐ نے پھر بھی فرمایا کہ نہیں ابوبکرؓ سے کہو۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہیں موجود تھیں، تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کو تیار کیا کہ تم سفارش کرو کہ ابوبکر نہیں عمر نماز پڑھائیں؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا کہ تم غلط مشورہ دے رہی ہو، ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔

یہ اس بات کی جانب اشارہ تھا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد خلافت کے مستحق سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو اپنی جگہ امام بنادیا، چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادل ناخواستہ نماز پڑھانی شروع کی، اور حضور کی زندگی میں انہوں نے ۱۷؍نمازیں پڑھائیں، جمعرات کے دن عشاء کی نماز، جمعہ کی ۵؍نمازیں، سنیچر

کی ۵؍نمازیں، اتوار کی ۵؍نمازیں، پھر پیر کے دن فجر کی نماز، ان سب نمازوں میں پیغمبر علیہ السلام پر ضعف اس قدر طاری تھا کہ آپ مسجد میں تشریف نہیں لا سکے، پیر کے روز آپ نے تھوڑا سا پردہ ہٹایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ منظر بڑا عجیب تھا جو کبھی بھلایا نہیں جا سکتا کہ آپ کا چہرۂ انور ایسے چمک رہا تھا جیسے قرآنِ پاک کا کوئی ورق، اور صحابہ کو بے حد خوشی تھی کہ حضرت غالباً رو بہ صحت ہو گئے؛ لیکن پھر آپ نے پردہ چھوڑ دیا۔ (الروض الانف ۴؍۴۳۹) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے مجھے زہر کھلا دیا تھا، اب میں اس کا اثر محسوس کر رہا ہوں، اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا، بہر حال پیر کے روز طبعیت میں تھوڑی بشاشت تھی؛ لیکن جیسے جیسے وقت آگے بڑھا، آپ کا ضعف بھی بڑھتا رہا۔ (بخاری شریف ۲؍۶۳۷)

سانحۂ وفات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کا سر میری گود میں رکھا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلىٰ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. (شمائل ترمذی ٢٦) — اے اللہ موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

اسی طرح آپ یہ بھی فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلىٰ. (بخاری شريف ٦٣٨/٢) — اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے تھے کہ جب کسی نبی کی وفات کا وقت قریب آتا ہے، تو اس سے بطور اعزاز پوچھا جاتا ہے کہ آپ کی وصالِ رب کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ سنا، تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دربار میں بلانے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔

اسی درمیان میں نے دیکھا کہ میرے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر گذرے، ان کے ہاتھ میں

مسواک تھی، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کو تیز نظر سے دیکھا، میں سمجھی کہ شاید حضرت مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے ان سے مسواک لے کر اپنے منہ سے نرم کر کے حضور کو دی، حضور نے دنیا کے اندر سب سے آخری عمل مسواک کا کیا ہے۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۸)

اس کے بعد چاشت کے وقت پیر کے دن ۱۲/ربیع الاول کو وفات پائی، اور سرخ رو ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار عالی میں حاضر ہو گئے۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۸ ملخصاً)

مدینہ میں کہرام

جیسے ہی آپ کی وفات کی خبر پھیلی، سارے مدینہ میں ایک کہرام سا مچ گیا، لوگ روتے ہوئے گھروں سے نکل آئے، مسجد نبوی میں صحابہ کی بھیڑ اکٹھی ہو گئی اور سب کے سب حواس باختہ ہو گئے، کوئی ایسا ہو گیا، جیسے اس کے اندر جان ہی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ حال ہو گیا کہ تلوار لے کر نکل پڑے، اور فرمانے لگے کہ جو یہ کہے گا کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات ہو گئی، میں اس کو اسی سے مار ڈالوں گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے تشریف لے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام طور پہاڑ پر گئے تھے۔ (شمائل ترمذی ۲۷)

خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کمالِ استقامت

چوں کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی طبعیت صبح کے وقت قدرے اچھی تھی، اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دوسری بیوی کے یہاں مدینہ منورہ کے قریب مقام ”سنح“ میں چلے گئے تھے، اچانک وفات کی اطلاع پہنچی، تو فوراً تشریف لائے، حجرۂ اقدس میں حاضر ہوئے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کا جسدِ اقدس چادر سے ڈھکا ہوا تھا، پیشانی مبارک کا لرزتے ہونٹوں سے بوسہ لیا۔ (بخاری شریف ۲/۶۴۱) اور وہیں کھڑے کھڑے ارشاد فرمایا کہ: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے زندگی بھی پاکیزہ پائی اور دنیا سے پردہ بھی پاکیزگی کی حالت میں فرمایا، آپ کی وفات سے ایسی چیز دنیا سے منطقع ہو گئی، جو کبھی پہلے کسی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی، یعنی اب وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ آپ کی ذاتِ عالی تعریف سے بالاتر ہے، آپ ہمارے غم کرنے کے محتاج نہیں ہیں، آپ کی ذات ایسی

خصوصیت والی ہے کہ آپ کی ذات ہمارے لئے تسلی گاہ تھی، آپ نے اپنی رحمت کو ایسا وسیع فرمایا کہ اس نے کبھی کسی امیر غریب کو نہیں دیکھا اور سب کے لئے عام ہوگئی۔ اے ہمارے پیارے حبیب! اگر آپ کی وفات ہمارے اختیار میں ہوتی، تو ہم اس کے بدلہ میں ہزاروں جانیں لٹا دیتے، اگر آپ نے ہمیں وفات پر رونے سے منع نہ فرمایا ہوتا، تو ہم اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کو آپ کے غم میں سکھا دیتے؛ لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپ کی جدائی کا غم اور کڑھن تو ہمیشہ رہے گا، وہ تو اب زندگی بھر جانے والی نہیں ہے۔ اے اللہ! ہمارے یہ جذبات ہمارے آقا تک پہنچا دیجئے''۔ (الروض الانف ۴/۴۴۵)

یہ کہہ کر آپ نے چہرۂ مبارکہ ڈھک دیا اور مسجد کی طرف واپس آئے، وہاں کا منظر بڑا عجیب وغریب تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے خودی میں کھڑے ہوئے تھے، اور کسی طرح بیٹھنے کو تیار نہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، مگر وہ بیٹھے نہیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بیان شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ: ''کان کھول کر سن لو! جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، تو پیغمبر علیہ السلام اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں؛ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا''۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰىٓ اَعْقَابِكُمْ. (آل عمران: ۱۴۴)	محمد تو اللہ کے رسول ہیں، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول تشریف لے جا چکے، اگر ان کی وفات ہو جائے یا شہادت کا واقعہ پیش آ جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟

یہ آیتیں سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مجھ پر ایسا اثر ہوا گویا کہ آج ہی یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں، اور میں اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا، بے اختیار گر گیا۔

پھر آپ کی چہیتی صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں، اور یہ کلمات ادا فرمائے:

يَـا أَبَتَاهْ! أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ، يَا أَبَتَاهْ! جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهْ، يَا أَبَتَاهْ! إِلٰى جِبْـرَئِـيْـلَ نَـنْـعَـاهْ. (بـخـاري شـريف ٦٤١/٢)

اپنے رب کی دعوت پر آپ نے لبیک کہا، والد محترم! آپ کا ٹھکانہ تو جنت الفردوس ہے، پیارے ابا جان! ہم جبرئیل علیہ السلام سے اپنا دکھڑا سنا رہے ہیں۔

اسی دن (پیر) کو سقیفہ بنی ساعدہ میں مشورہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا معاملہ طے ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ایک اہم فیصلہ یہ فرمایا کہ خلافت کے سلسلہ میں جو اختلافات ہونے لگے تھے وہ ختم ہوگئے۔

تجہیز وتکفین اور تدفین

اب یہ مرحلہ آیا کہ دفن کہاں کئے جائیں؟ نماز کیسے پڑھی جائے؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ہی نے فرمایا تھا کہ نبی کی جہاں وفات ہوتی ہے، وہیں دفن کیا جاتا ہے، چناں چہ یہ طے ہوگیا کہ اسی حجرہ میں تدفین ہوگی۔ پھر یہ بعض غیبی اشارات کی بنیاد پر طے ہوا کہ آپ کو بغیر کپڑے اتارے ہوئے اوپر سے غسل دیا جائے، چناں چہ منگل کی صبح کو غسل کی کارروائی شروع ہوئی، آپ کے قریبی اعزہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات غسل کی سعادت میں شریک رہے۔ (الروض الانف ۴۴۲/۴-۴۵۱-۴۵۲)

اس کے بعد نماز شروع ہوئی، انبیاء علیہم السلام کی نماز عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتی؛ بلکہ اکیلے اکیلے پڑھی جاتی ہے، پورے مدینہ والوں کو نماز پڑھنی تھی؛ اس لئے لائن لگا کر لوگ حجرۂ مبارکہ میں جاتے رہے اور نماز پڑھتے رہے، پہلے مردوں نے پڑھی، پھر بچوں نے پڑھی اور بعد میں عورتوں نے پڑھی، پورا منگل کا دن اور بدھ کی رات میں تہجد کے وقت تک نماز پڑھی جاتی رہی، پھر وہیں پر آپ کی تدفین ہوئی۔ (الروض الانف ۴۵۲/۴) جب آپ کی تدفین ہوگئی، تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

أَطَابَ اَنْفُسَكُمْ أَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ التُّرَابَ؟ (بخاری شریف ۲/۶٤۱)

تمہارے دل نے یہ بات کیسے گوارا کرلی کہ تم نے پیغمبر علیہ السلام کے جسد اقدس کے اوپر مٹی ڈالی؟

پھر قبر سے مٹی اٹھائی اور فرمایا:

مَـاذَا عَـلـىٰ مَـنْ شَـمَّ تُـرْبَةَ أَحْمَدَ ❖ أَنْ لَّا يَشُـمَّ مَـدَى الـزَّمَـانِ غَوَالِيَـا

صُبَّـتْ عَـلَـيَّ مَـصَـائِبُ لَـوْ أَنَّهَـا ❖ صُبَّـتْ عَـلَـى الْأَيَّـامِ عُدْنَ لَيَـالِيَـا

(اشرف الوسائل ۵۸۷)

ترجمہ: جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی مٹی سونگھ لے، اس کے بعد زندگی بھر کوئی چیز سونگھنے کے قابل نہ رہے تو بجا ہے۔ میرے اوپر مصائب کا ایسا پہاڑ ٹوٹا ہے کہ اگر دنوں پر یہ پہاڑ ٹوٹتا، تو وہ دن دن نہ رہتے، سب کے سب رات بن کر روشنی کھو بیٹھتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن پیغمبر علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کے درودیوار چمکتے ہوئے اور روشن محسوس ہوتے تھے، اور جس دن آپ نے وفات پائی تو پورے مدینہ میں ایک طرح کی ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ آج سرور دوعالم اور تاجدار مدینہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہوگئے۔ (شمائل ترمذی ۲۷)

لیکن بہرحال جانا تو ہر ایک کو ہے، یہاں نہ کوئی ہمیشہ کے لئے آیا ہے اور نہ ہمیشہ کے لئے آئے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ کا مقرب کون ہوگا؟ جب آپ ہی نہ رہے اور پردہ فرماگئے تو اور کون رہ سکتا ہے؟ لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگرچہ آپ ہماری نظروں سے پردہ فرماچکے؛ لیکن اپنی قبر اطہر میں باحیات تشریف فرما ہیں، اور جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے آپ خود اس کے سلام کو سماعت فرماتے ہیں اور جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے زندگی میں میری قبر کی زیارت کی۔ (البحر العمیق ۵/۲۸۸۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۴۰۳)

اللہ تعالیٰ بار بار آپ کے روضۂ اقدس پر حاضری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

خدا کا لاڈلا اپنے خدا سے مل گیا جا کر

ڈاکٹر رشید الوحیدی سابق ریڈر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

رسول اللہؐ جب پھیلا چکے اسلام دنیا میں ❖ ہر اِک جانب چمک اٹھا خدا کا نام دنیا میں

تو پھر اللہ نے اپنے نبیؐ کو یاد فرمایا ❖ پیام وصل دے کر آپؐ کا دل شاد فرمایا

ارادہ آخری حج کا کیا سن دس میں حضرتؐ نے ❖ وہیں پر آخری خطبہ دیا فخرِ رسالتؐ نے

کہ اب میں جلد ہی اپنے خدا کے پاس جاتا ہوں ❖ تمہارے واسطے قرآن وسنت چھوڑ جاتا ہوں

عمل کرتے رہے تم سب اگر حکم پیمبرؐ پر ❖ تو مجھ سے آملو گے آخرت میں حوضِ کوثر پر

نہ ہرگز بھولنا آپس میں تم سب بھائی بھائی ہو ❖ کرو وہ کام جس میں دین ودنیا کی بھلائی ہو

تمہاری عورتوں کے حق میں گر کوئی کمی آئی ❖ تمہارے دین ومذہب کی جہاں میں ہوگی رسوائی

کہیں ایسا نہ ہو شیطان کا کچھ زور چل جائے ❖ قدم اسلام سے پھر کفر کی جانب پھسل جائے

غرض جس نور سے ہر سمت دنیا میں اجالا تھا ❖ وہ حق کا لاڈلا اپنے خدا سے ملنے والا تھا

مدینہ واپسی کے بعد حضرتؐ کو بخار آیا ❖ بخار ایسا کہ تھوڑے ہی دنوں میں بار بار آیا

حرارت بڑھ گئی جب حد سے زیادہ جسم اطہر پر ❖ تو پانی کے دئے چھینٹے نبی نے روئے انور پر

نماز اب حضرت صدیق اکبرؓ ہی پڑھاتے تھے ❖ جناب سرور کونینؐ مسجد میں نہ آتے تھے

بالآخر ہو گیا رخصت جہاں کی آنکھ کا تارا ❖ وہ قبل ظہر دو شنبہ کے دن اللہ کا پیارا

مدینہ کے در و دیوار پر حسرت برستی تھی ❖ ادھر یادِ نبیؐ سے مضطرب مکہ کی بستی تھی

پریشاں پھر رہے تھے لوگ دل پر چوٹ کاری تھی ❖ گھروں میں شور تھا ہر سمت آہ وگریہ زاری تھی

ترسیٹھ سال دنیا میں شعاعِ دین پھیلا کر
خدا کا لاڈلا اپنے خدا سے مل گیا جا کر

مؤمن کی آخری تمنا

ذیل میں ایک اہم دعا درج کی جاتی ہے، جو دراصل ہر مؤمن کے دل کی آواز کہلائے جانے کے لائق ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ إِیْمَانًا دَائِمًا لَا یَزُوْلُ، وَنَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ نَبِیِّكَ فِيْ جَنَّةِ الْخُلْدِ.

(مسند ابی حنیفة، دعاء ابن مسعود ٤٠٧)

ترجمہ:

''اے اللہ میں آپ سے کبھی نہ زائل ہونے والے ایمان،
ہمیشہ باقی رہنے والی جنت کی نعمتوں اور جنت الخلد میں آپ کے
پیغمبر (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں''۔

اس دعا کو خاص طور پر معمول بنایا جائے، اور اس کے ساتھ درود شریف کی کثرت رکھی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں مذکورہ دعا کو قبول فرمائیں، اور دارین میں اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازیں، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِیْنَ ، آمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

ماخذ و مراجع

(ان بیانات میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، مرتب)

۱	القرآن الکریم		
۲	تفسیر ابن کثیر (مکمل)	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ)	دارالسلام ریاض
۳	تفسیر عثمانی	حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی	مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان
۴	صحیح البخاری	الامام ابو محمد بن اسمٰعیل بن بردزبۃ البخاریؒ (م ۲۲۶ھ)	مکتبہ الاصلاح لالباغ، مرادآباد
۵	صحیح مسلم	الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م ۲۶۱ھ)	مختار اینڈ کمپنی، دیوبند
۶	شمائل ترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ	مختار اینڈ کمپنی، دیوبند
۷	سنن ابی داؤد	الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م ۲۷۵ھ)	اشرفی بکڈ پو دیوبند
۸	سنن ابن ماجہ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو، دیوبند
۹	مشکوٰۃ المصابیح	الامام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ	اشرفی بک ڈپو دیوبند
۱۰	السنن الکبریٰ للبیہقی	للامام ابی بکر احمد بن حسین البیہقی	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱	المعجم الکبیر	العلامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ)	مکتبۃ المعارف، الریاض
۱۲	الترغیب والترہیب	الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)	دارالکتب العلمیہ
۱۳	المنہاج شرح مسلم	العلامہ محی الدین بن یحیٰ النوویؒ (م ۶۷۶ھ)	بیت الافکار الدولیہ، ریاض
۱۴	دلائل النبوۃ	العلامہ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۵	الخصائص الکبریٰ	الشیخ الامام ابوالفضل جلال الدین السیوطی	دارالکتب العلمیہ، بیروت

۱۶	مکارم الاخلاق	الامام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۷	الروض الانف	العلامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلیؒ (م ۵۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۸	اشرف الوسائل	العلامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمیؒ (م ۹۷۴ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۹	تکملہ فتح الملہم	العلامہ محمد تقی العثمانی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۲۰	الاصابۃ	الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۱	اسد الغابۃ	الامام عزالدین ابن الاثیر الجزریؒ (م ۶۳۰ھ)	دارالفکر، بیروت
۲۲	البدایۃ والنہایۃ	الحافظ ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ)	دارالمعرفۃ، بیروت
۲۳	البحر العمیق	علامہ ابن الضیاء الحنفی	المکتبۃ المکیہ، مکہ مکرمہ
۲۴	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانیؒ	ادارہ اسلامیات لاہور
۲۵	سیرت المصطفی	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ	دارالکتاب دیوبند
۲۶	سیرت رسول کریم	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	دارالکتاب دیوبند
۲۷	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری	المجلس العلمی علی گڑھ
۲۸	اصح السیر	مولانا عبدالرؤف داناپوری	مکتبہ تھانوی دیوبند
۲۹	رسول رحمت	مقالاتِ سیرت: مولانا ابوالکلام آزاد	فرید بک ڈپو دہلی
۳۰	شمائل کبریٰ	مولانا مفتی ارشاد احمد صاحب بھاگل پوریؒ	فرید بک ڈپو دہلی
۳۱	اسوۂ رسول اکرم	ڈاکٹر عبدالحئ عارفی	فرید بک ڈپو دہلی
۳۲	سیرت رسول اکرم	مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ	سید احمد شہید اکیڈمی
۳۳	رہبر انسانیت	مولانا سید رابع حسنی ندوی	مجلس تحقیقات لکھنؤ
۳۴	محمد رسول اللہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب	فرید بک ڈپو دہلی
۳۵	نقوش رسول نمبر		

مرتب کی علمی کاوشیں

❑ اللہ سے شرم کیجئے	صفحات: ۴۳۲
❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز	صفحات: ۱۹۲
❑ کتاب المسائل (طہارت - تا - کتاب الحج) تین جلدیں	صفحات: ۱۴۷۰
❑ ذکرِ رفتگاں	صفحات: ۵۶۸
❑ دعوتِ فکر وعمل	صفحات: ۵۴۰
❑ لمحاتِ فکریہ	صفحات: ۳۲۰
❑ مشعلِ راہ	صفحات: ۴۰۰
❑ تحفۂ رمضان	صفحات: ۱۷۶
❑ دینی مسائل اور اُن کا حل	صفحات: ۱۴۴
❑ فتاویٰ شیخ الاسلامؒ	صفحات: ۲۵۱
❑ فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول	صفحات: ۴۲۹
❑ ردمرزائیت کے زریں اُصول	صفحات: ۲۱۶
❑ قادیانی مغالطے	صفحات: ۱۲۴
❑ تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار	صفحات: ۲۲۸
❑ پیکر عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد	صفحات: ۸۰
❑ نورِ نبوت	صفحات: ۷۲

رابطہ:- محمد اسجد قاسمی مظفر نگری 09058602750